علامہ اقبال اور بلوچستان

ڈاکٹر انعام الحق کوثر

علامہ اقبال اور بلوچستان

ڈاکٹر انعام الحق کوثر

اقبال اکادمی پاکستان

جملہ حقوق محفوظ

ناشر

محمد سہیل عمر

ناظم

اقبال اکادمی پاکستان

(حکومتِ پاکستان، وزارت ثقافت)

چھٹی منزل، ایوان اقبال، لاہور

Tel: [+92-42] 6314-510
[+92-42] 9203-573
Fax: [+92-42] 631-4496
Email: director@iap.gov.pk
Website: www.allamaiqbal.com

ISBN 978-969-416-433-5

طبع اوّل	:	۱۹۸۶ء شعبہ اقبالیات علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد
طبع دوم	:	۱۹۹۸ء اقبال اکادمی و سیرت اکادمی بلوچستان (رجسٹرڈ) کوئٹہ
طبع سوم (اضافہ شدہ)	:	۲۰۰۹ء (اکادمی ایڈیشن)
تعداد	:	۵۰۰
قیمت	:	/۳۰۰ روپے
ٹائیٹل ڈیزائن	:	خالد فیصل
مطبع	:	دارالفکر، لاہور

محل فروخت: ۱۱۶ میکلوڈ روڈ، لاہور، فون نمبر ۷۳۵۷۲۱۴

فہرست

	پیش لفظ	۱
	آغاز سخن	۵
	دیباچہ (اشاعت دوم)	۱۸
	دیباچہ (اشاعت سوم)	۱۹
باب اوّل:	بلوچستان کا مختصر سا جغرافیائی تعارف	۲۱
باب دوم:	علامہ اقبال کی بلوچستان میں تشریف آوری	۳۷
باب سوم:	بلوچستان کے بعض صاحبان علامہ کی خدمت میں	۴۹
	بلوچستان کا وفد اور علامہ اقبال	۴۹
	حاجی غلام سرور باکزئی علامہ کے حضور	۵۵
	میر یوسف علی خاں عزیز کی ڈاکٹر محمد اقبال سے اثر پذیری	۵۷
	ڈاکٹر اقبال کے ایک اور عقیدت مند	۶۴
باب چہارم:	بلوچستان کی متعدد ادبی انجمنیں اور علامہ اقبال	۶۷
	۱۹۳۵ء کا قیامت خیز زلزلہ اور علامہ اقبال	۶۷
	اقبال میموریل ہال	۶۸
	اقبال لائبریری	۶۹

	بزم اقبال، کوئٹہ	۶۹
	مجلس فارسی، گورنمنٹ کالج، کوئٹہ	۷۹
	بزم اقبال کوئٹہ کا احیا	۷۹
	دیگر ادبی انجمنیں اور یوم اقبال	۸۰
	بزم اقبال، گورنمنٹ سنڈیمن ہائر سیکنڈری سکول (گورنمنٹ کالج کوئٹہ)	۸۳
	تعلیمی اداروں میں علامہ اقبال سے متعلق تقاریب کا مختصر ذکر	۸۷
	پاکستان نیشنل سنٹر، کوئٹہ	۹۱
	پاکستان چلڈرنز اکیڈمی، کوئٹہ	۹۲
	ریڈیو پاکستان، کوئٹہ	۹۷
	علاقائی دفتر علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی اور ڈاکٹر اقبال	۹۷
	مکران اور علامہ اقبال	۱۰۱
	گوشہ اقبال، جامعہ بلوچستان، کوئٹہ	۱۰۲
باب پنجم:	بلوچستان کی متعدد ادبی شخصیات اور علامہ اقبال	۱۰۹

آغا صادق ۱۰۹، اجمل صدیقی ۱۰۹، امداد نظامی ۱۱۹
انور رومان ۱۲۳، پیر محمد زبیرانی ۱۳۱، خدائے رحیم ۱۳۱
خلیل صدیقی ۱۳۳، خورشید احمد ۱۳۷، ڈاکٹر حمید عرفانی ۱۳۷
ڈاکٹر انعام الحق کوثر ۱۴۴، ڈاکٹر عبدالرحمٰن ۱۶۷، رشید احمد ۱۶۸
ریاض قمر ۱۶۸، سعید احمد رفیق ۱۷۰، مسز سلطانہ یاسمین ۱۷۲
ش ضحیٰ ۱۷۴، شاہد اقبال کامران ۱۷۷، سلطان الطاف علی ۱۷۸
شرافت عباس ۱۸۰، صفدر حسین صفدر ۱۸۶، ظفر مرزا ۱۸۶
عابد شاہ عابد ۱۸۷، عطا شاد ۱۹۲، غوث بخش صابر ۱۹۳

غلام یاسین ۱۹۴، غلام قاسم مجاہد ۱۹۵، ڈاکٹر فردوس انور ۱۹۵
ڈاکٹر فاروق احمد ۱۹۶، فضل احمد غازی ۱۹۶، محشر رسول نگری ۱۹۷
محمد حسین عنقا ۲۰۳، محمد رمضان بلوچ ۲۰۴، میر مٹھا خاں مری ۲۰۷
نادر قمبرانی ۲۰۹، ناگی عبدالرزاق خاور ۲۱۷، نور محمد ہمدم ۲۲۲
وحید زہیر ۲۲۹، اختر واحد، گلزار، افضل ۲۳۰، محمد ابراہیم ۲۳۰،
عرفان الحق صائم ۲۳۲، امین الحق ۲۳۴، علی کمیل قزلباش ۲۳۴،
عبدالرؤف رفیقی ۲۳۷، انعام الحق جاوید ۲۴۰، عبداللہ جان ۲۴۰،
افضل مراد ۲۴۰، محمد صلاح الدین مینگل ۲۴۱، عبدالقیوم براہوئی ۲۴۱،
اقبال کا اثر بلوچستان کے شعرا پر ۲۴۲، پرندے کی فریاد ۲۴۹، روشنی ۲۵۱،
ایک بوڑھے بروہی کی نصیحت ۲۵۸،

باب ششم: بلوچستان کی مختلف درس گاہوں اور دیگر اداروں کے مجلّات میں علامہ اقبال سے متعلق مندرجات ۲۶۵

باب ہفتم: ڈاکٹر اقبال سے متعلق اولس ۲۷۵

(پشتو، بلوچی، اور براہوئی میں مندرجات کی تفصیل)

☆ پشتو ۲۷۵

☆ بلوچی ۲۷۷

☆ براہوئی ۲۸۰

کتابیات ۲۸۳

ضمیمہ ۲۸۹

انتساب

علامہ اقبال کے والہ وشیدا

میر یوسف علی خاں عزیز مرحوم کے نام

جنھوں نے علامہ اقبال کے کلام کو اپنے نہاں خانے میں جگہ دے رکھی تھی:

ثبات زندگی ایمان محکم سے ہے دنیا میں
کہ المانی سے بھی پائندہ تر نکلا ہے تورانی

اور

پروفیسر ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی کے نام

جو بلوچستان سے اقبال شناسی کی روایت کے ساتھ ایران پہنچے:

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پر روح الامیں پیدا

پیش لفظ

ڈاکٹر انعام الحق کوثر بنیادی طور پر استاد ہیں اور وہ درس و تدریس کے راستے ہی افسری تک پہنچے ہیں، لیکن دونوں صورتوں میں علم سے ان کا رشتہ ہمیشہ استوار رہا ہے اور آج ان کا شمار ملک کے ممتاز محققین اور اہل علم میں ہوتا ہے۔ انھوں نے ملک کے معروف علمی مراکز سے دور رہ کر بھی علمی دنیا کو تحقیق کے شاہکار عطا کیے ہیں۔ وہ ایک عرصے سے حکومت بلوچستان کی ملازمت میں ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اب تک جو کچھ بھی کیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے ملازمت اور بلوچستان، دونوں کا حق ادا کر دیا۔ ملازمت میں یہ حق انھوں نے ایک نیک نام استاد اور محنتی و دیانتدار افسر کی حیثیت سے ادا کیا، اور بلوچستان کو اپنی متعدد تحقیقی کاوشوں کا موضوع بنا کر انھوں نے بلوچستان کا حق ادا کر دیا۔ حالانکہ انھوں نے فارسی میں ڈاکٹریٹ حاصل کی، اور فارسی تحقیق کا میدان بہت وسیع ہے اور اس کی مانگ بہت زیادہ ہے، اس کے باوجود ڈاکٹر صاحب اس سرزمین کے احسان کو نہیں بھولے جس میں انھوں نے زندگی کا ایک بڑا حصہ بسر کیا، اسی لیے انھوں نے اپنے آپ کو بیشتر بلوچستان تک محدود رکھا اور ان کے علم سے بلوچستان میں اُردو، بلوچستان میں فارسی جیسی بلند پایہ کتب اور درجنوں فکر انگیز مقالات نکلے۔

کوثر صاحب کی موجودہ تصنیف کا موضوع اگرچہ اقبالیات سے تعلق رکھتا ہے، لیکن اس کتاب میں بھی وہ بلوچستان کو نہیں بھولے اور انھوں نے اقبال پر جو کچھ لکھا ہے، اسی خطے کے حوالے سے لکھا ہے۔ علامہ اقبال ۱۹۰۳ء میں بلوچستان تشریف لائے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد کے خلاف کوئی جھوٹا مقدمے قائم کر دیا گیا تھا۔ علامہ اقبال اپنے بھائی کی اس مصیبت سے بے حد پریشان ہوئے اور خود بلوچستان آئے۔ ان کی کوششوں سے ان کے بھائی کو اس مقدمہ سے نجات ملی۔ علامہ نے اپنے اس زمانے کے خطوط میں اس سفر کا ذکر کئی جگہ کیا ہے،

لیکن اس سفر کے بارے میں تفصیلی معلومات دستیاب نہیں تھیں۔ ڈاکٹر کوثر صاحب نے مختلف ذرائع سے اس سفر کے تفصیلی کوائف مرتب کیے ہیں اور علامہ کے چار بار اور بلوچستان آنے کے بارے میں معلومات جمع کی ہیں۔ ان سفروں کے بارے میں معلومات کی جمع آوری بلاشبہ ایک تحقیقی کارنامہ ہے۔ بدقسمتی سے بعض لوگ اس قسم کی تحقیق کو قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھتے لیکن اپنے رہنماؤں کی زندگی، چھوٹی سے چھوٹی تفصیل، کو منظر عام پر لانا حق شناسی کا اولین تقاضا ہے۔ مغربی ممالک میں لوگوں نے اپنے رہنماؤں، شاعروں، مصوروں اور موسیقاروں سے اس وابستگی کا مظاہرہ کیا ہے کہ انھوں نے ان کی ایک ایک چیز اور ایک ایک یاد کو محفوظ کر لیا ہے۔ یہ ان عظیم لوگوں کا حق بھی تھا کیونکہ ان کی بدولت ان کے ملک اور قومیں دنیا میں روشناس اور سر بلند ہوئیں۔ ہم پر یہی حق علامہ اقبال کا ہے اور ان کی زندگی کے کسی پہلو پر تحقیق علم و ادب کے ساتھ ساتھ حق شناسی کے زمرے میں آتی ہے، اور اس قسم کی کاوشوں کو کسی طور بھی کم رتبہ قرار دینا اپنی کوتاہ بینی کے سوا کچھ نہیں۔

جس طرح علامہ اقبال بلوچستان تشریف لائے، بلوچستان کی بعض ممتاز اور نامور شخصیتیں بھی علامہ اقبال سے ملنے کے لیے ان کی خدمت میں لاہور میں حاضر ہوئیں۔ اس کتاب کا انتساب انھی شخصیتوں میں سے ایک شخصیت میر یوسف علی خاں عزیز کے نام ہے۔ ان کے علاوہ میر عبدالعزیز کرد، محمد حسین عنقا، حاجی غلام سرور بارکزئی جیسے لوگ علامہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے بعض مسائل پر علامہ سے گفتگو کی اور یہ سب لوگ اہل قلم تھے اور ان ملاقاتوں کا اثر ان کی سوچ پر کافی گہرا نظر آتا ہے۔ یہ تفصیلات ڈاکٹر صاحب نے باب سوم میں بیان کی ہیں۔ یہ باب ایک اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ اس کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے میں برصغیر کے عام مسلمان جس نہج پر سوچ رہے تھے، بلوچستان میں بسنے والے مسلمان بھی اس سے جدا نہیں تھے۔ ان سب حضرات کا علامہ کے افکار سے متاثر ہونا یہ ثابت کرتا ہے کہ بلوچستان کا مسلمان بھی اس زمانے میں فکر کے اس دھارے میں شامل تھا۔ جس نے بعد میں تحریک پاکستان کی شکل اختیار کی۔ اس موضوع پر ڈاکٹر کوثر صاحب نے بڑی محنت سے مواد جمع کیا ہے لیکن یہ موضوع بجائے خود اپنے اندر اتنی وسعت رکھتا ہے کہ اسے کسی کتاب کا حصہ بننے کے بجائے ایک مستقل تصنیف کا موضوع ہونا چاہیے۔

چوتھے باب میں کوثر صاحب نے ان یادگاروں اور اداروں کا تذکرہ کیا ہے جو علامہ اقبال کے نام سے قائم ہوئے اور ان کی خدمات کی تفصیل پیش کی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اقبال کے

حوالے سے کسی صوبے کے بارے میں اسی قسم کی معلومات جمع کرنے کا کوئی کام اب تک نہیں ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کی تحقیق کے مطابق ۱۹۳۹ء میں اقبال میموریل ہال اور اقبال لائبریری کا قیام عمل میں آیا اور اس کے لیے علامہ اقبال سے عقیدت رکھنے والے چند نوجوانوں اور بزرگوں نے مالی وسائل جمع کیے۔ کوئٹہ سے باہر جو ادارے بنے، فاضل مصنف نے ان پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ پانچواں باب ان شخصیات کے تذکرے پر مشتمل ہے جنھوں نے اپنی تحریروں میں علامہ اقبال کو خراج تحسین پیش کیا یا اقبالیات کو اپنا موضوع بنایا۔ اس طرح یہ باب بلوچستان میں اقبال شناسی کا ایک خوبصورت مرقع بن جاتا ہے۔ چھٹے اور ساتویں باب میں اقبالیات کے اس سرمائے پر نظر ڈالی گئی ہے جو بلوچستان کی مختلف زبانوں میں اقبالیات کے موضوع پر وجود میں آیا، اور اس طرح شاید اُردو قارئین کو پہلی بار یہ معلوم ہوگا کہ علامہ اقبال کے بارے میں ان زبانوں میں کیا کچھ لکھا گیا۔ کتاب کا آغاز بلوچستان کے جغرافیائی تعارف سے ہوتا ہے جو بظاہر اس ادبی تصنیف سے زیادہ مطابقت نہیں رکھتا، لیکن اس باب کو پڑھنے کے بعد اس خطے کے بارے میں جو معلومات حاصل ہوئی ہیں، وہ اُردو میں کسی اور جگہ کم ہی نظر آتی ہیں۔ وطن عزیز کے ایک حصے سے متعارف ہونا بھی اہل وطن کی ذمہ داری ہے۔ اس قسم کے تعارفی مقالات بوجوہ تشنہ رہتے ہیں۔ لیکن ڈاکٹر کوثر جیسے ادیب نے محبت و علم، دونوں سے سرشار ہو کر بلوچستان کا جو جغرافیائی تعارف لکھا ہے، وہ اپنی جگہ خاصے کی چیز ہے، اور یوں بھی ڈاکٹر صاحب سے یہ توقع رکھنا کہ انھیں بلوچستان کے ذکر کا موقع ملے اور وہ اس سے فائدہ نہ اٹھائیں، عبث ہوگا۔ ان تمام خصوصیات کی بنا پر ''علامہ اقبال اور بلوچستان'' اقبالیات میں ایک قابل قدر اضافہ ہے، اور ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان کے دوسرے خطوں کے حوالے سے بھی اس قسم کی کتابیں لکھی جائیں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی

آغاز سخن

بلندی اور پستی، بگولے اور برف تنک آب دریا اور خشک ندی نالے، چھلکتے ہوئے کاریز اور مچلتے ہوئے چشمے، خوابیدہ کوہسار اور ہر لحظہ چونک پڑنے والی بے قرار وادیاں

——— یہ ہے ہمارا بلوچستان[1] ———

اسی گرد و پیش میں رہتے اور بستے ہوئے جب علامہ اقبال یاد آتے ہیں تو ملک الشعرا[2] بہار کا تعارف ذہن کے افق پر ابھرتا ہے۔

من اقبال را خلاصہ ونقاوہ مجاہدات ومساعی جاویدان نہ صد سالہ غازیان و عالمان وادبای اسلامی ومیوہ رسیدہ وکمال یافتہ این بوستان نہ صد سالہ دانستم وپس از ذکر دانشوران و ہنرمندان و رجال اسلامی درباره ممدوح خود چنین گفتم۔

عصر حاضر خاصہ اقبال گشت
واحدی کز صد ہزاران برگزشت
شاعران گشتند جیشی تار و مار
وین مبارز کرد کار صد سوار
ھیکلی گشت از سخن گوئی بپا
گفت "کل الصید فی جوف الفرا

ترجمہ: میں نے اقبال کو مسلمان غازیوں، عالموں اور ادیبوں کی نو سو سالہ کوشش اور جہاد کا خلاصہ اور زبدہ اور اس نو سو سالہ باغ کا پکا ہوا میوہ گردانا اور دانشور اور ہنرمندوں اور دیگر بڑی بڑی اسلامی شخصیتوں کا ذکر کرنے کے بعد میں نے اپنے ممدوح کے متعلق یوں کہا:

موجودہ زمانہ خاص طور پر اقبال کا زمانہ ہے

اقبال تنہا لاکھوں سے بازی لے گیا
شاعر ایک پامال شدہ فوج کی مانند تھے
مگر اس جنگجو نے سینکڑوں سواروں کا کام کیا
شاعری ایک ھیکل (مجسمہ) کی صورت میں نمودار ہوئی
اور بولی ''شاعری کی تمام انواع واقسام مجھ میں موجود ہیں''

میاں عبدالرشید[۳] لکھتے ہیں کہ مغرب کی جانب سے الحاد، بے یقینی اور مادیت کا جو طوفان اٹھا تھا۔ اس کے ساتھ گاندھی کی نیشنلزم کی آندھی مل گئی اور ان دونوں نے یکجا ہو کر مسلمانوں، خاص کر تعلیم یافتہ مسلمانوں کے ذہنوں کی بنیادیں تک ہلا دیں۔ جو طوفان سے بچے وہ آندھی کی نذر ہو گئے۔ یہ وہ مایوس کن حالات تھے۔ جن میں اقبال کا فکر ''مثال برق'' چمکا اور راہیوں کو ظلمت شب میں بھٹکنے پھرنے سے چھٹکارا ملا۔ نکلسن کے الفاظ میں ''اقبال اس برعظیم کے نوجوان مسلمانوں کے دل و دماغ پر چھا گیا''۔

اس دور کے ایک نوجوان مسلمان کی رائے میں:

اقبال ہمارے درمیان مسیحا بن کر آیا ہے اور اس نے مردوں میں نئی زندگی پیدا کر دی ہے۔

بقول ڈاکٹر سید عبداللہ:

''اقبال تن آور درخت تھا جس کا سایہ پورے برصغیر پر محیط ہے۔''

سبی سے وادی شال (کوئٹہ کا قدیم نام) کی جانب سفر کرتے ہوئے ایک خیال انسان کے ذہن میں ابھرتا ہے کہ بلوچستان خوابوں کی سرزمین ہے۔ لمبی لمبی سرنگیں، مٹیالے رنگ کے پہاڑ جن کی تہیں ایک دوسرے پر جمی ہوئی ہیں اور ایک سیاہ پتھریلی تہہ ایک پٹی کی طرح ان تمام تہوں کو آپس میں باندھے ہوئے ہے۔ جیسے یہ پہاڑ کبھی ایک قلعہ تھا۔ چار چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں پر چھت ڈال کر بلوچوں کے بنائے ہوئے مکان اور دور پگڈنڈی پر کسی پہاڑی جھرنے سے مٹکا بھرتی ہوئی بلوچ لڑکی، دور جھرنے کے کنارے اترا ہوا کارواں اور پہاڑ کی تلہٹی میں ننھے منے مکان، چھوٹی سی سفید مسجد اور ملتے جلتے سائے، ندی کے خشک پاٹ پر چمکتی ہوئی ریت، پل پر سے گزرتی ہوئی گاڑی اور پل کے نیچے خشک ندی میں بلوچ ساربان اونٹ پر بیٹھا ہوا حدی خوان ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ کی تلہٹی کو جا رہا ہے یہ!

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندہ صحرائی یا مرد کہستانی

ان پہاڑوں کو دیکھ کر علامہ اقبال ایک بار پھر یاد آتے ہیں جو ہماری روحوں کو جھنجھوڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

بخود خزیدہ و محکم چو کوہساراں زی
چو خس مزی کہ ہوا تیز و شعلہ بیباک است

اور

تنے پیدا کن از مشتِ غبارے
تنے محکم تر از سنگین حصارے
درون او دل درد آشنائے
چو جوئے در کنارے کوہسارے

ان ہی لمحات میں علامہ اقبال بوڑھے بلوچ سے اپنے لختِ جگر کو کہلوا رہے ہیں کہ اس جہاں تگ و تاز میں غیرت بڑی چیز ہے جو درویش کو تاج سردارا کا اہل قرار دیتی ہے۔ انسان سعی پیہم سے ناممکن کو ممکن میں تبدیل کر سکتا ہے۔ اسی لیے افراد کے ہاتھوں میں اقوام کی تقدیر پوشیدہ ہے اور قوم کیا ہے افراد کا مجموعہ۔ غیرت کے باعث ہی ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارا بنتا ہے۔ فرد جبھی کچھ حاصل کر سکتا ہے جب زندگی کے سمندر میں حوادث سے کھیلنا سیکھے اور مسلمان کے لیے دین لازم و ملزوم ہے۔ اگر وہ اسے چھوڑ کر بام عروج پر پہنچے تو سمجھیے کہ اسے خسارا ہی خسارا ہے۔ اگر وہ سچا مسلمان بن جائے تو فائدہ ہی فائدہ ہے اور مومن کی فراست تمام دکھوں کا مداوا ہے اور یہ سب کچھ اسے اسی وقت حاصل ہوگا جب وہ اللہ پر پورا بھروسہ رکھ کر عمل، عمل اور سراپا عمل بن جائے گا۔ علامہ کی آواز آ رہی ہے۔

اخلاص عمل مانگ نیاگان کہن سے
شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

سین بدلا تو میں اور میرے ایک عزیز شال کے قندھاری بازار (جواب شارع اقبال کے نام سے موسوم ہے) سے گزر رہے تھے۔ وہ یک لخت رکے لیکن رکتے ہی ایک طرف کو ہٹے اور ایک پٹھان لڑکے سے جو ایک موٹر کے پاس کھڑا تھا۔ پوچھنے لگے ”خان یہ موٹر تمھارا ہے؟“ نہیں۔ ہمارا نہیں، ہمارے باپ کا ہے۔ اس پٹھان لڑکے نے فی البدیہہ جواب دیا۔۔۔۔۔ میرے محترم رفیق یہ کہتے ہوئے آگے بڑھے ”علامہ اقبال کی خودی کا سراپا نمونہ دیکھا آپ نے

؟'' اور میں اس انفرادیت کے جذبے کو سراہے بغیر نہ رہ سکا۔ فوراً ہی یادوں کے افق پر علامہ کا شعر اُبھرا جس پر پروفیسر آغا صادق کی تضمین بھی ملاحظہ کیجیے۔

آفاقی ادراک میں جس نے پایا اپنا آپ
عزم دل بے باک میں جس نے پایا اپنا آپ
پہنائے افلاک میں جس نے پایا اپنا آپ
ڈھونڈ کے اپنی خاک میں جس نے پایا اپنا آپ
اس بندے کی دہقانی پر سلطانی قربان

سرزمین بلوچستان میں کئی شعرا نے قریباً نصف صدی پیشتر سے شاعر مشرق حضرت اقبال کے کلام پر تضمینات لکھنا شروع کی تھیں۔ ان میں محمد صادق شاذ، پروفیسر آغا صادق حسین صادق (آپ کی تضمینات کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا) اور ارشد امروہی، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

بریگیڈیر محمد عثمان حسن اپنی کتاب بلوچستان، ماضی، حال، مستقبل میں مری علاقے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: سردیوں کے آخر اور گرمیوں کے وسط تک اگر بارش ہوگئی تو سبزہ جاگ اٹھتا ہے ہری ہری گھاس اور مختلف قسم کے لہلہاتے پھول وادیوں میں اور پہاڑوں پر کھل اٹھتے ہیں۔ ان میں چرتی ہوئی سفید بھیڑیں ایک عجیب منظر پیش کرتی ہیں۔ بقول اقبال:

پھر چراغ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن

بھیڑ بکریاں چرانا اور نقل مکانی کرتے رہنا یہاں کے دیہاتی لوگوں کا ایک شیوہ ہے۔ یہ خوبیاں ایسی ہیں جو پیغمبروں کا حصہ ہوا کرتی تھیں۔ علاوہ ازیں بلوچستان میں جہاں جہاں پانی میسر ہے وہاں دلکش ہری بھری وادیاں دعوت نظارہ دیتی ہیں۔ ان وادیوں کے دامن میں باغات کا بھی ایک وسیع سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ ان باغوں میں شیریں انار، سیب، بادام، زردآلو، خوبانی، انگور اور چیری جیسے خوب صورت اور لہلہاتے ہوئے درخت دل و دماغ کو فرحت اور تازگی بخشے بغیر نہیں رہتے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ایسے ماحول میں تجدید حیات ہوتی ہے تو بجا ہے۔ یہاں کے لوگوں کا بسیرا کم و بیش بلند و بالا پہاڑوں میں ہے۔ طبیعت میں خودی کے جذبات کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے ہیں اور سادگی یہاں کے مکینوں کے لیے طرہ امتیاز ہے۔ ڈاکٹر اقبال کے نزدیک چالاکی، مکروفریب سفید فام افرنگیوں کا خاصہ تھی۔ ان کے یہاں مرد مومن کی یہ صفت ہے:

نرم دم گفتگو گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاکباز

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کار کشا کار ساز

خاکی و نوری نہاد بندہ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز

خودداری اور پاکیزگی اہل بلوچستان کا خاصہ ہیں۔ سارے صوبے میں گھوم جایئے آپ یہ دیکھ کر ضرور خوش ہوں گے کہ لوگ سفر میں نماز کے لیے لازماً رکتے ہیں۔ جگہ بھی ایسی ہو گی جہاں پانی کا بندوبست ہوگا۔ شفاف پانی اور وہ بھی زیادہ تر بہتے ہوئے چشموں کا یقیناً جسم و جان پر اثر انداز ہوتا ہے۔ دیہات میں چلے جایئے غریب بھی اچھی سے اچھی خوراک پیش کرنے کی پوری کوشش کرے گا۔ ایسے مہمان نواز اور پر خلوص لوگوں کے لیے ڈاکٹر اقبال نے کہا ہے:

محرم خودی سے جس دم ہوا فقیر
تو بھی شہنشاہ میں بھی شہنشاہ
قوموں کی تقدیر ہے وہ مرد درویش
جس نے نہ ڈھونڈی سلطان کی درگاہ!

اہل بلوچستان سیماب فطرت، خطر پسند اور جہاں گرد واقع ہوئے ہیں۔ اقبال کے الفاظ میں:

تو رہ نورد شوق ہے منزل نہ کر قبول!
لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول!
اے جوئے آب بڑھ کے ہو دریائے تند و تیز
ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول![۹]

بلوچستان کے لق و دق صحراؤں اور بیابانوں سے گزریے، ہواؤں اور فضاؤں کو سونگھیے خودی کی تربیت ہوتی نظر آئے گی۔ اقبال ہماری روح سے پکار اٹھے گا:

اے شیخ بہت اچھی مکتب کی فضا لیکن
بنتی ہے بیاباں میں فاروقی و سلمانی!
خودی کی پرورش و تربیت پہ ہے موقوف
کہ مشت خاک میں پیدا ہو آتش ہمہ سوز!

یہی ہے سرِ کلیمی ہر اک زمانے میں
ہوائے دشت و شعیب و شبانی شب و روز!

ہوائے بیاباں سے ہوتی ہے کاری
جوانمرد کی ضربت غازیانہ

اے بادِ بیابانی مجھ کو بھی عنایت ہو
خاموشی و دل سوزی، سرمستی و رعنائی

چلتے چلتے اور گزرتے گزرتے ایک مقام آجائے گا جہاں روشنی کا دیا یا تو کسی مردِ قلندر کا مزار ہوگا:

کسی ایسے شرر سے پھونک اپنے خرمنِ دل کو
کہ خورشیدِ قیامت بھی ہو تیرے خوشہ چینوں میں

یا پھر نزدو دور سے بہتی ہوئی ندی:

وہ جوئے کہستاں اچکتی ہوئی
اٹکتی لچکتی، سرکتی ہوئی
اچھلتی، پھسلتی، سنبھلتی ہوئی
بڑے پیچ کھا کر نکلتی ہوئی
رکے جب تو سِل چیر دیتی ہے یہ!
پہاڑوں کے دل چیر دیتی ہے یہ!

ٹھنڈا ٹھنڈا پانی پلا کر زندگی کا وہ پیام دیتی ہے جس سے ضمیر حیات، روشن ہو، مستی کائنات، حاصل ہو، سوز و سازِ ازل نصیب ہو اور رازِ ازل، واشگاف ہو جائے۔

اور اقبال کے الفاظ میں یہ دعا مانگے بغیر آگے روانہ ہونا مشکل ہو:

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل
اس شہر کے خوگر کا پھر وسعتِ صحرا دے

بلوچستان کے لوگ زیادہ تر پختون، براہوئی اور بلوچ قبائل پر مشتمل ہیں۔ لیکن کوئٹہ میں افغانستان سے ہجرت کر کے آنے والے ہزارہ قبیلے کے لوگ بھی آباد ہیں جو فارسی بولتے ہیں اور ان کا عمومی پیشہ تجارت ہے۔ ان کے علاوہ یوپی، بہار اور بعض دوسرے بھارتی صوبوں کے مہاجر اور پاکستان کے دوسرے صوبوں اور ایران کے بعض باشندے زیادہ تر کاروباری مصروفیتوں کے باعث اس شہر میں آباد ہو گئے ہیں۔ علاوہ ازیں یہاں پارسی اور عیسائی بھی بستے ہیں اور یوں کوئٹہ بڑی حد تک بین الاقوامی شہر بن گیا ہے۔ اس رنگارنگی اور بوقلمونی نے کوئٹہ کے سیاسی و تہذیبی خدوخال کو سارے پاکستان میں ایک نمایاں حیثیت دے دی ہے۔

بلوچستان کا شمال مشرقی حصہ یعنی تخت سلیمان کے آس پاس کا علاقہ (ضلع ژوب) پختونوں کا گہوارہ ہے۔ ضلع قلات میں اکثریت براہوئی قبیلے کے لوگوں کی ہے اور ان کی زبان ہماری قدیم ترین زبان ہے۔ بلوچ بارہویں صدی عیسوی میں ضلع مکران میں وارد ہوئے اور اسے ہمیشہ کے لیے اپنا مرکز بنا کر پاکستان کے دوسرے حصوں میں پھیل گئے۔ ان کے علاوہ جاٹ پندرھویں صدی عیسوی تک قلات میں مقیم تھے۔ مگر براہوئی سلطنت اور پھر بلوچ توسیع کے باعث یہ آہستہ آہستہ سندھ اور پنجاب میں منتقل ہو گئے۔ اب ان کی مختصری تعداد صرف ضلع کچھی میں باقی ہے۔

بلوچ اور براہوئی مختلف زبانیں بولتے ہیں لیکن ان میں سینکڑوں الفاظ مشترک ہیں۔ ثقافت اور معاشرت میں یہ اتنے ملتے جلتے ہیں کہ ان میں حد فاصل قائم کرنا بہت مشکل ہے۔

تاریخ کے اوراق اس امر کی نقاب کشائی کرتے ہیں کہ ۲۳ھ بمطابق ۶۴۳ء میں مکران ربیع بن زیاد کے ہاتھوں فتح ہوا اور یہیں سے آگے بڑھ کر مسلمان ۴۴ھ بمطابق ۶۶۴ء میں خضدار پر قابض ہوئے اور اسے دارالحکومت بنایا۔ خضدار (قزدار، قصدار) میں اسلامی حکومت کا قیام ایک نعمت سے فروتر نہ تھا۔ مسلمانوں نے یہاں کے مکینوں کی ثقافت اور معاشرت میں کسی قسم کا دخل دیے بغیر اپنے اعلیٰ اخلاق کی بدولت انھیں اتنا قریب کر لیا کہ من وتو کا امتیاز مٹ گیا۔

چوتھی صدی ہجری میں جب رودکی ایران میں مصروف تخلیق ہوا تو قصدار میں اس کی ہم عصر شاعرہ رابعہ بنت کعب القزداری نے فارسی شعر و ادب کے موتی بکھیرے۔ اس لحاظ سے موجودہ فارسی شاعری کو آگے بڑھانے میں قصدار نے بھی اپنا حق ادا کیا۔ مولانا جامی نے رابعہ کا ذکر ان مستورات میں کیا ہے جو معرفت کے رنگ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

مسلمانوں کی تمام موجودہ علاقائی اور قومی زبانیں ملی اسلامی زبانوں یعنی عربی اور فارسی

سے یا تو براہ راست ماخوذ ومنشعب ہیں یا بالواسطہ ان سے مکتسب اور فیض یاب ہوئی ہیں۔خواہ اکتساب کا دائرہ کم ہو یا زیادہ۔اس لیے کہ عربی قرآن وحدیث، فقہ، تفسیر تاریخ واسماء الرجال، فلسفہ وعلم الکلام اور خاصی حد تک علم وادب کی زبان تھی اور اسے پیغمبر اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام، محدثین ومفسرین، مورخین و متکلمین، علما وفضلا، فصحا و بلغا اور آئمہ کرام نے چھ سات صدیوں تک اپنے ذریعہ اظہار کے طور پر استعمال کیا اور یہ اپنی اہمیت وافادیت کی وجہ سے اب بھی بروئے کار لائی جا رہی ہے اور ہم اس کے نور سے مستنیر ومستفید ہو رہے ہیں۔ ایک طائرانہ اندازے کے مطابق صرف قرآن شریف کے کم وبیش پانچ سو الفاظ (مشتقات کے علاوہ) پاکستان کی روزمرہ علاقائی اور قومی زبانوں میں مروج ہیں۔دوسری ملی زبان یعنی فارسی علم وادب، حکومت وحکمت اور فن وشاعری کی زبان تھی اور اسے علما وفضلا حکما وعمال اور مورخین و شعرا نے کم وبیش انیسویں صدی تک ذریعہ اظہار بنائے رکھا۔ان ملی زبانوں کے طویل غلبے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی علاقائی اور قومی زبانیں ان سے متاثر ہوئیں اور متاثر رہیں گی۔ بلوچی زبان بھی ان دونوں کی اثر پذیری سے مستثنیٰ نہیں لیکن عمومی اثرات کے علاوہ بلوچی پر فارسی کے خصوصی اثرات بھی مرتسم ہیں۔ملا رگام وشی کہتا ہے۔

اگر قاروں بر موسیٰ مہریاں بت
پلنگء اشترانی پاسپاں بت
شپء بست و نہم گرما ہکاں بت
اگر آتش گوں پنبہ ہم نساں بت
درو کیس گرگ نگہواں بساں بت
زرء ماہی پہ ڈن وہم تجان بت
مگر گذا منی صلح و تران بت

(اگر قارون موسیٰ پر مہربان ہوسکتا ہے، اگر پلنگ شتروں کا پاسبان ہوسکتا ہے، اگر انیسویں رات چاندرات ہوسکتی ہے، اگر آتش وپنبہ ہم وجود ہوسکتے ہیں، اگر بھیڑیا بکریوں کا نگہبان ہوسکتا ہے اور اگر مچھلی چٹیل میدان میں تیر سکتی ہے، تو پھر میں بھی اپنے اعدا کے ساتھ صلح وآشتی کرسکتا ہوں)

ان اشعار سے فارسی اثر اظہر من الشمس ہے۔یہ ناگزیر تھا اور اس کے تحت بلوچ اپنے قبائلی وجود سے نکل کر ملی شعور کی پہنائیوں سے آشنا ہوتے تھے۔بالکل ایسے ہی جیسے علامہ اقبال نے اسی ملی شعور میں شناوری کرنے کے لیے اُردو کے بجائے فارسی میں لکھنا شروع کیا اور ان کی اُردو پر بھی فارسی کی نمایاں چھاپ تھی۔

فارسی اس خطے کی سرکاری زبان بھی رہی۔ سابقہ ریاست قلات میں تو ۱۹۳۰ء کے لگ بھگ تک دربار میں فارسی ہی کا راج تھا۔ یہاں اب تک مساجد میں ابتدائی تعلیم اسی زبان میں دی جاتی ہے۔ یہاں فارسی کے متعدد نامور شعرا گزرے ہیں۔ ان[۱۲] میں سے چند ایک براہوئی، بلوچ اور پٹھان شاعر فارسی کے جید عالم بھی تھے۔ ان میں قاضی نور محمد گنج آبوی (مصنف جنگ نامہ میر نصیر خاں نوری) ناطق مکرانی (مرزا غالب کے ہم عصر) پیر محمد کاکڑ، ملا محمد حسن براہوئی (بلوچستان میں اُردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر۔۔ فارسی میں قریباً بیس ہزار شعر کا مالک۔۔۔۔ بلوچی اور براہوئی میں بھی شعر کہنے والا) علامہ عبدالعلی، مولا داد، ملا فاضل، یوسف عزیز مگسی، مولانا محمد یعقوب، مرزا احمد علی، علیم اللہ علیم، زیب مگسی وغیرہ خاص طور پر شہرت کے مالک ہیں۔

براہوئی زبان میں عربی الفاظ کی کثرت بھی اس امر کا ثبوت فراہم کرتی ہے کہ عربی النسل مسلمان یہاں کی آبادی کا حصہ بن گئے۔ جن کی تبلیغی کوششوں کے باعث مقامی لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے اور اسلامی تعلیمات نے انھیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے توحید و رسالت کا والہ و شیدا بنا دیا۔

اہل بلوچستان کے لیے اُردو زبان کی جانب مائل ہونا صرف اس زبان کے اساسی مزاج ہی کے سبب آسان نہ تھا بلکہ خود اہل بلوچستان کا مزاج بھی لسانی تغیر کے لیے برصغیر میں سب سے زیادہ موزوں تھا۔ یہ خصوصیت صرف اسی خطے کے لوگوں کو حاصل ہے کہ وہ بیک وقت ذوالّلسان ہیں۔ مکران اور قلات ڈویژنوں میں اکثر لوگ بلوچی اور براہوئی دونوں زبانوں پر یکساں قدرت رکھتے ہیں۔ مغربی بلوچستان میں بلوچی اور پشتو بولنے والے کثیر تعداد میں ملتے ہیں۔ جنوبی و مشرقی بلوچستان میں سندھی اور براہوئی دونوں بولی اور سمجھی جاتی ہیں۔ شمالی و مشرقی بلوچستان میں سرائیکی، بلوچی اور پشتو تینوں بولی جاتی ہیں اور کوئٹہ جو بلوچستان کا مرکز ہے، لسانی تنوع کا ایک دلچسپ اور حیرت انگیز منظر پیش کرتا ہے۔ اس میں براہوئی، بلوچی اور پشتو کے علاوہ فارسی، اُردو، سرائیکی اور پنجابی بولنے والے افراد بھی خاصی تعداد میں ملتے ہیں اور قریب قریب ہر فرد تین تین چار چار زبانیں بیک وقت نہایت آسانی و روانی سے بول سکتا ہے۔

اہل بلوچستان کی یہ کثیر اللسانی انھیں دیگر اہل پاکستان سے ممیّز کرتی ہے، اور جہاں ان کی ذہنی اُپج اور ذہانت کی مظہر ہے، وہاں پاکستان جیسے مختلف اللسان ملک میں ان کی اہمیت کی بھی غماز ہے۔

اسی پس منظر میں جائزہ لیجیے تو پتہ چلتا ہے کہ جہاں اس صدی کے ادبیات کے مجدد علامہ اقبال اپنی ہمہ گیر شخصیت کے باعث بلوچستان میں مقبول ہوئے اور وحدت ملی کے مظہر ٹھہرے۔

وہاں یہاں کے لوگوں کے مزاج کا بھی بڑا عمل دخل ہے۔ وہ جان جوکھوں میں ڈالنے والی زندگی کے دلدادہ، سادگی پسند، غیرت مند، فرار گریز، مستی اور خود فراموشی سے دور بھاگنے والے ہیں۔
علامہ اقبال مثبت انداز کی مبارزہ طلبی کو بہت پسند کرتے ہیں۔ ایک جگہ کہتے ہیں:

لالہ این چمن آلودہ رنگ است ہنوز
سپر از دست میندار کہ جنگ است ہنوز
ای کہ آسودہ نشینی لب ساحل برخیز
کہ ترا کار بگرداب و نہنگ است ہنوز

یہاں کے مکینوں کا جسم جہاں فصیل کی طرح ہے وہاں ان کے سینوں میں درد بھرا دل بھی ہے۔ درد آشنا دل اسی ندی یا چشمے کی مانند ہے جو کوہسار سے بہتی ہے۔ جو ہر لمحہ کوہسار سے ٹکراتی ہے اور اپنا راستہ بناتی ہے اور ہمیں لمحے کی قدر سکھاتی ہوئی بے تابی اور بے قراری سے آگے بڑھتی ہے۔ جب اسے گلزاروں اور چمن زاروں کا قرب نصیب ہوتا ہے تو بقول علامہ اقبال:

مصاف زندگی میں سیرت فولاد پیدا کر
شبستان محبت میں حریر و پرنیاں ہو جا
گزر جا بن کے سیل تند رو کوہ و بیاباں سے
گلستان راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہو جا

علامہ اقبال مردان میدان سے یہ امید وابستہ رکھتے ہیں کہ وہ ٹھہراؤ اور صلح کے موقعہ پر گرمی محفل کا باعث بنیں گے اور مستقبل کے لیے باد بہاری کے پیغام بر ہوں گے۔ ساتھ ہی ساتھ ان کی عقابی نظریں دور اور ہمت دور تک پھیلی ہوئی پہاڑی چوٹیوں کو سر کرنے کی فکر کریں گی:

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے اس کو اپنی منزل آسمانوں میں

مانند سحر صحن گلستان میں قدم رکھ
آئے تہ پا گوہر شبنم تو نہ ٹوٹے
ہو کوہ و بیاباں سے ہم آغوش و لیکن
ہاتھوں سے ترے دامن افلاک نہ چھوٹے

بلوچستان کے کسی دور افتادہ ہائی سکول تک جایئے وہاں دیواروں پر علامہ اقبال کے اشعار خوب صورت انداز میں لکھے ہوئے نظر آئیں گے جو دل کے تاروں کو چھیڑ کر عمل پر ابھارتے ہیں۔

ایک بار بلوچستان بھر کے تعلیمی اداروں میں یہ سروے کیا گیا تھا کہ طلبہ کس شاعر کو سب سے زیادہ پسند کرتے ہیں تو بھاری اکثریت کا جواب تھا: ''اقبال''

موجودہ کتاب سے اس امر کی بخوبی وضاحت ہوتی ہے کہ سرزمین بلوچستان میں وطن عزیز پاکستان کے قومی اور مسلمانانِ عالم کے ملی شاعر حکیم الامت علامہ محمد اقبال کے افکار کی شرح وبسط کے لیے اچھا خاصا کام ہوا ہے اور ہو رہا ہے:

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

میں نے اس موضوع پر ۱۹۷۷ء میں ایک مضمون لکھا تھا جو ''علامہ اقبال اُردو کانفرنس'' منعقدہ لاہور میں ۴ رنومبر ۱۹۷۷ء کو اقبال آڈیٹوریم ثانوی و اعلیٰ ثانوی بورڈ لاہور میں برپا ہونے والے سیشن میں پڑھا تھا۔

لاہور کے فوراً بعد ''علامہ اقبال اُردو کانفرنس آزاد کشمیر'' کے دو سیشن (۷ اور ۸ رنومبر ۱۹۷۷ء) کو میرپور میں منعقد ہوئے۔ ۷ رنومبر کو فاضل محترم جناب محمد یعقوب ہاشمی نے میرے اسی مضمون کے بعض حصوں کو تقاضے سے پڑھوایا اور ۸ رنومبر ۱۹۷۷ء کو آخری سیشن کی صدارت مجھ ناچیز سے کرائی گئی۔ اس میں استاد محترم جناب ڈاکٹر سید عبداللہ[۱۳] کا اصرار شامل تھا۔

۱۹۸۲ء میں ثانوی و اعلیٰ ثانوی تعلیمی بورڈ لاہور کے چیئرمین جناب پروفیسر خواجہ غلام صادق نے ۹ رنومبر کو اپنے یہاں ایک بہت بڑے جلسے میں اس ناچیز سے اسی موضوع پر گفتگو کرائی۔ انھوں نے دوسری بین الاقوامی ڈاکٹر محمد اقبال کانگرس منعقدہ لاہور ۹۔۱۱ رنومبر ۱۹۸۳ء کے لیے ''اقبال اور بلوچستان'' کے عنوان سے مجھ سے مقالہ لکھوایا اور رپورٹ میں چھپوایا۔ میں نے ۱۰ رنومبر ۱۹۸۳ء کے شام کے سیشن میں اس کا خلاصہ پیش کیا۔ صدر مجلس جناب پروفیسر جگن ناتھ آزاد نے اپنے صدارتی خطبے میں نہ صرف اسے پسند کیا بلکہ یہاں تک کہا کہ وہ اس میں اضافہ نہیں کر سکتے۔ ساتھ ہی ساتھ اس بات پر زور دیا کہ ہمیں اس زاویہ سے مزید تحقیق کرنا چاہیے۔ کئی دوستوں نے اس موضوع پر کتاب لکھنے کا مشورہ دیا۔ حتیٰ کہ ڈاکٹر جی اے الانہ وائس چانسلر علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی اسلام آباد مصر ہوئے کہ میں یہ کتاب جلد از جلد مکمل کروں اور وہ اسے شائع کریں۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے:

وہ کسی سے بھی نہیں اور نہ کوئی ہے اس سے
پھر بھی رکھتا ہے ہر اک شخص سے وہ رشتۂ جاں

(حفیظ تائب)

کہ اس نے اس ناچیز کو اپنا وعدہ نبھانے کی توفیق دی۔ میں ڈاکٹر جی اے الانہ صاحب کی سرپرستی کا دل کی عمیق گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

ان جیتے لمحات میں مجھے اپنے بعض بزرگوں جیسے جد امجد میاں غیاث الدین، والد محترم میاں محمد مقبول جن کی شب بیداری نے مجھے ہمیشہ متاثر کیا۔

نانا جان میاں غلام محمد، تایا جان حکیم شاہ دین، نانی جان، ماموں صاحبان: لطیف اسلم، سردار محمد ریاض، رشید احمد اور حافظ فضل محمد...... اور اساتذہ کرام، چودھری رحمت علی نازش، پروفیسر آغا صادق، پروفیسر علم الدین سالک، پروفیسر غلام مصطفیٰ تبسم، پروفیسر سید عابد علی عابد، پروفیسر ڈاکٹر عبدالشکور احسن، پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر، پروفیسر ڈاکٹر سید عبداللہ کی دعائیں یاد آ رہی ہیں۔

محترمہ والدہ صاحبہ کی دلی دعاؤں کو ہم یقیناً غنیمت اور احسن سمجھیں کم ہے:

طینت پاک تو مارا رحمت است
قوت دین و اساس ملت است
کودک ما چوں لب از شیر تو شست
لا الہ آموختی او را نخست
می تراشد مہر تو اطوار ما
فکر ما گفتار ما کردار ما

عزیزہ ناہید کوثر ایم اے، عزیزی محمد نعیم الحق اور جناب محمد خالد کا خصوصی شکریہ ادا کرنا ہے جو کبھی کبھی مسودے کو صاف لکھنے میں میرے معاون بنے۔

آخر میں اختر حسین جعفری کے الفاظ میں بارگاہ ایزدی میں دعا ہے۔

اسموں والے! حرفوں والے! ناموں والے
مجھ کو بھی اک نام عطا کر
میری جھولی مدحت کرتی بوندوں، کرنوں، چمکیلے حرفوں سے بھر دے۔

انعام الحق کوثر
جناح روڈ کوئٹہ
۳۱/جنوری ۱۹۸۶ء/۱۹/جمادی الاوّل ۱۴۰۶ھ

حوالہ جات

۱- نئی آوازیں، ش صحیٰ، نیاز احمد، ماہ نو، کراچی، مارچ ۱۹۵۳ء۔
۲- ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی، اقبال ایرانیوں کی نظر میں، کراچی، ۱۹۵۷ء، ص ۵۳۔
۳- میاں عبدالرشید، پاکستان کا پس منظر اور پیش منظر، لاہور، طبع سوم، جون ۱۹۸۹ء، ص ۱۲۵۔
۴- عبدالشکور احسن، پاکستانی ادب، لاہور، ۱۹۸۱ء، ص ۴۴۔
۵- محمد صادق شاذ بلوچستان کے نامی گرامی شاعر تھے۔ یہاں کی علمی و ادبی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔ قیام پاکستان سے پیشتر یہاں ''بزم ادب'' کے بڑے چرچے تھے۔ آپ اس کے روح رواں تھے۔ فارسی اور اُردو میں شعر کہتے تھے۔ علامہ اقبال کے کلام پر تضمینیں بھی کہتے رہے۔
۶- محمد صبغتہ اللہ صدیقی، تخلص ارشد، بلوچستان کے معروف شاعر تھے۔ ۱۹۰۱ء میں امروہہ یو پی میں پیدا ہوئے۔ حضرت سیماب اکبر آبادی کے شاگرد تھے۔ آپ نے ہر صنف میں خامہ فرسائی کی۔ یہاں کے شعرا کی تربیت میں بھی اچھا خاصا حصہ لیا۔ فن تاریخ گوئی اور خوش نویسی میں بھی استاد تھے۔
۷- محمد عثمان حسن، بلوچستان، ماضی، حال، مستقبل، کراچی، ۱۹۷۶ء، ص ۲۸۔
۸- غلام یٰسین، علامہ اقبال اور بلوچستان، جاندران، ڈیرہ غازی خاں، ۱۹۸۴ء، ص ۲۷۔
۹- انور رومان، آئینہ بلوچ، ملتان، ۱۹۶۴ء، ص ۱۱۔
۱۰- راقم (انعام الحق کوثر) کو ''صوبائی تعلیمی کمیشن برائے معیار و مسائل تعلیم'' کے سلسلے میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ ۱۷-۱۸ جنوری ۱۹۸۶ء دورے پر جانا پڑا۔ اس کی نذر۔۔۔
۱۱- بلوچی شعری ادب پر ایک نظر، مطبوعہ کالج میگزین، بولان، کوئٹہ ۶۰، ۱۹۵۹ء
۱۲- ڈاکٹر انعام الحق کوثر، بلوچستان میں اُردو، لاہور، ۱۹۶۸ء، ص ۳۰۶، ۳۰۷۔
مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے: بلوچستان میں فارسی شاعری، مطبوعہ بلوچی اکیڈمی کوئٹہ، ۱۹۶۸ء۔
۱۳- ریاض صدیقی نے ''ذکر اقبال سارے عالم میں'' کے تحت لکھا تھا (مطبوعہ افکار، اقبال نمبر کراچی دسمبر ۱۹۷۷ء)۔۔۔ اور مشہور محقق ڈاکٹر انعام الحق کوثر پرنسپل لورالائی کالج نے بلوچستان کی نمائندگی کی۔ یوسف حسن، احسان اکبر، ڈاکٹر صابر آفاقی اور ڈاکٹر انعام الحق کوثر آخر وقت تک ہمارے ساتھ ہی رہے۔۔۔ اجلاس کو ختم کرتے ہوئے ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب نے صدر مجلس انعام الحق کوثر کا جنھوں نے اقبال اور بلوچستان کے موضوع پر نہایت پر مغز اور تحقیقی مقالہ پیش کیا تھا، شکریہ ادا کیا۔
۱۴- نکلا ہے ادھر چاند ادھر سوچ میں گم ہو
جیتے ہو تو جیتے ہوئے لمحوں کو بھی دیکھو
(ماجد صدیقی)

دیباچہ (اشاعت دوم)

بتائید ایزدی پاکستان گولڈن جوبلی کے ناتے سے علامہ اقبال اور بلوچستان (اضافہ و ترمیم کے ساتھ) دوسری بار منظر عام پر آ رہی ہے۔ اس میں جناب ڈاکٹر وحید قریشی ڈائریکٹر اقبال اکادمی پاکستان، لاہور کی علم دوستی اور علم گستری کا عمل دخل بھی ہے۔ وہ اس ناچیز سے کچھ نہ کچھ علمی کام کرا کر ہی رہتے ہیں۔ مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد ہو یا بزم اقبال لاہور یا پھر اقبال اکادمی پاکستان لاہور ہو، ان کی علم پروری تسلیم شدہ ہے۔ بمصداق

سعی عمل کو اور ذرا تیز کیجیے
اپنے نفس نفس کو شرر خیز کیجیے
دو چار ہی قدم پہ تو ہے منزل مراد
اپنے قدم کو اور ذرا تیز کیجیے

انعام الحق کوثر

سیرت اکادمی بلوچستان (رجسٹرڈ)
۲۷۲۔اے۔او، بلاک III
سیٹلائیٹ ٹاؤن، کوئٹہ
۱۲/جمادی الاول ۱۴۱۷ھ/۲۶/ستمبر ۱۹۹۶ء

دیباچہ (اشاعت سوم)

باری تعالیٰ کے فضل و کرم سے علامہ اقبال اور بلوچستان (اضافوں کے ساتھ) تیسری دفعہ زیور طباعت سے آراستہ ہو رہی ہے۔ میں محترم محمد سہیل عمر ڈائریکٹر اقبال اکادمی پاکستان، لاہور کی علم پروری کا دل کی پہنائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے اپنے وعدے کو خوب نبھایا۔

موجودہ جیتے جاگتے لمحات میں مجھے اپنے بزرگوں، استادوں اور محسنوں کی دعائیں یاد آ رہی ہیں، خاص کر والد محترم میاں محمد مقبول، نانی جان اور والدہ محترمہ (ان تینوں کی شب بیداری نے مجھ ناچیز کو ہمیشہ متاثر کیا) کی دعائیں جو عالم شکستگی اور نیم خوابی میں ہمارے حصہ میں آئی ہیں۔ عزیزان نے موقع کے مطابق تعاون کیا۔ اہل خانہ بڑی استقامت سے میرے علمی و تحقیقی کاموں میں ساتھ دیتے ہیں۔ ان سب کا بہت شکریہ

باری تعالیٰ کا بے پایاں فضل و کرم ہے کہ اس نے ہمیں تحریک پاکستان کے سچے جذبوں اور ولولوں سے کام کرنے کا حوصلہ بخشا۔ جان کاشمیری کے بقول:

زمانہ کا سہارا تو دکھاوا ہی دکھاوا ہے
حقیقت میں مجھے میرا خدا گرنے نہیں دیتا

اور وجہ تخلیق کائنات ﷺ کی رحمت کاملہ ہے۔

پھر اٹھا ہاتھ بہر دعا یا نبی ﷺ
شاد ہو جائے خلق خدا یا نبی ﷺ

یہ وطن جو بنا ہے ترے نام پر
اس کے سر سے ٹلے ہر بلا یا نبی ﷺ

محمد انعام الحق کوثر

سیرت اکادمی بلوچستان (رجسٹرڈ)

۲۷۲، اے۔ او بلاک (III) سٹیلائٹ ٹاؤن کوئٹہ

۱۰/ذیقعدہ ۱۴۲۹ھ/۹/نومبر ۲۰۰۸ء

وَمَا تَوْفِيْقِي اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْهِ اُنِيبُ ط وَهُوَ حَسْبِيْ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ ط رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (آمین)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَاَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

باب اوّل

بلوچستان کا مختصر سا جغرافیائی تعارف

بلوچستان کو آج کل انتظامیہ کے لحاظ سے چھ ڈویژنوں (کوئٹہ سبی، قلات، ژوب، نصیر آباد اور مکران) اور تیس ضلعوں (کوئٹہ، پشین، چاغی، ژوب، اور لورالائی، سبی، بارکھان، موسیٰ خیل، قلعہ سیف اللہ، قلعہ عبداللہ، زیارت، جعفر آباد، آواران، بولان، جھل مگسی، مستونگ، نصیر آباد، ڈیرہ بگٹی، کوہلو، قلات، خضدار، لسبیلہ، خاران، تربت، گوادر اور پنجگور، شیرانی، واشک، ہرنائی، چاغی) میں تقسیم کیا گیا ہے۔

قیام پاکستان کے وقت یہ دو حصوں[1] میں منقسم تھا۔ ایک حصہ برٹش بلوچستان کہلاتا تھا اور دوسرا ریاستی بلوچستان۔ برٹش بلوچستان کوئٹہ پشین، لورالائی، ژوب، سبی اور چاغی کے اضلاع پر مشتمل تھا اور ریاستی بلوچستان، قلات، خاران، مکران اور لسبیلہ کی ریاستوں پر۔ برٹش بلوچستان کا علاقہ براہ راست برطانوی حکومت کے زیر انتظام تھا اور ایجنٹ برائے گورنر جنرل (اے۔جی۔جی) اس علاقے کے نظم و نسق کا ذمہ دار تھا۔

مورخین نے[2] "بلوچستان" کے بارے میں مختلف رائے دی ہیں۔

ا۔ میر گل خان نصیر نے تاریخ بلوچستان، آغا نصیر خان احمد زئی نے تاریخ بلوچستان و بلوچ، اور طاہر محمد خان نے سیاسیات بلوچستان میں بلوچستان کے بارے میں لکھا ہے کہ بلوچستان دو الفاظ کا مرکب ہے۔ بلوچ۔ ستان۔ یعنی بلوچوں کے رہنے کی جگہ۔

جبکہ انسائیکلو پیڈیا کے مطابق لفظ بلوچستان نادر شاہ افشار کی عطا کردہ اصطلاح ہے۔

قدیم دور میں اس کا نہ یہ نام تھا اور نہ اس کی ترکیب موجود تھی۔ اس کے شمال مشرقی حصے پنجاب میں شامل تھے۔ شمال مغربی حصے صوبہ قندھار میں شامل تھے۔ جنوب مغربی حصہ (جسے اب

مکران کہتے ہیں) جیدروشیا یا جیدروشیہ یا گیدروشیہ کہلاتا تھا۔ یہ نام سب سے پہلے ہمیں یونانی مورخین میں ملتا ہے۔ گویا جیدروشیہ موجودہ مکران ہے اور چونکہ یہ صحرائی اور بے آب وگیاہ علامہ تھا اس لیے تواریخ قدیم میں اس کا زیادہ ذکر نہیں۔ گو اس میں کہیں کہیں نخلستان تھے بالخصوص کیچ مکران میں اور ساحل کے ساتھ ساتھ ایک بری راستہ بھی گزرتا تھا جو سندھ اور مغربی ایشیا کو ملاتا تھا۔ اسی راستے سے سکندر اعظم گزرا اور بعد میں عرب فاتحین بھی آئے۔ یہ بھی یاد رہے کہ اس وقت مکران دو حصوں میں منقسم ہے۔ پاکستانی مکران اور ایرانی مکران، قریباً ساٹھ فیصدی پاکستان میں اور کوئی چالیس فیصدی ایران میں۔ اسی لیے بعض اوقات اسے مکرانات کہتے ہیں۔ لیکن قدیم دور میں مکران[۳] یا جیدروشیہ ایک ہی تھا۔ وجہ تسمیہ غالباً یہ تھی کہ ایک قبیلہ گدر یا جیدر یا گیدر نامی تھا۔ جس کے نام پر اسے یہ نام دیا گیا۔ اس کی واحد نشانی اب ایک مقام گدر کی صورت میں باقی ہے اور وہ قبیلہ غالباً بعد میں آنے والے قبائل میں جذب ہو گیا۔ سیستان اس کے شمال میں تھا، قدیم دور میں بھی اور اب بھی اور یہ دونوں مختلف جغرافیائی اور سیاسی خطے تھے۔ سیستان ہمارے موجودہ اضلاع چاغی اور خاران کے مغرب میں تھا اور ہے اسے یہ نام ساکا قبائل کی وجہ سے ملا۔ پہلے ساکستان اور پھر سیستان!

رقبے کے لحاظ سے بلوچستان پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ ہے۔ اس کا کل رقبہ ایک لاکھ چونتیس ہزار دو مربع میل ہے۔ جو سندھ، پنجاب، خیر پور اور بہاول پور کے مجموعی رقبہ کے برابر ہے۔

اس کی آبادی ۱۹۸۱ء کی مردم شماری کی رو سے تینتالیس لاکھ ہے۔ اس اعتبار سے یہ صوبہ پاکستان کا سب سے چھوٹا صوبہ ہے۔ کہیں کہیں تو ایک مربع میل میں ایک شخص آباد ہے۔

بلوچستان کے شمال میں افغانستان اور شمال مغربی سرحدی صوبہ، جنوب میں بحیرہ عرب، مشرق میں سندھ اور پنجاب اور مغرب میں ایران واقع ہے۔ مغربی اور شمالی سرحدیں پانچ سو بیس میل تک ایران اور سات سو تئیس میل تک افغانستان سے ملتی ہیں۔ اڑتیس میل بے مملکت سرزمین سے ملتی ہیں۔ اسی بنا پر اسے زبردست تاریخی اور فوجی اہمیت حاصل ہے۔

ماضی میں دوسرے علاقوں سے تعلقات کے چار راستے تھے۔ اہم ترین راستہ درہ بولان ہے جو کولپور سے رندلی تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کی لمبائی چون میل ہے۔ دوسرا راستہ درہ مولہ کا ہے جو دریائے مولہ کے دہانے سے انجیرا کے قریب شروع ہوتا ہے۔ تیسرا راستہ لسبیلہ اور مکران کا بری راستہ ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ کا ہے۔ چوتھا بحری راستہ ہے۔

بلوچستان جغرافیائی لحاظ سے قدرتی طور پر تین حصوں[۴] (پہاڑی، میدانی اور صحرائی) میں منقسم ہے۔ مشرق سے مغرب اور جنوب مغرب کا تمام علاقہ وسیع وعریض سلسلہ ہائے کوہ سے پٹا پڑا ہے۔ یہ علاقہ بلوچستان کے وسط میں واقع ہے جب کہ جنوب مشرقی علاقہ جو کچھی، سبی اور نصیر آباد پر مشتمل ہے ایک وسیع وعریض میدانی علاقہ ہے۔ شمال مغربی علاقہ جو نوشکی سے دریائے ہلمند، گرم سیل اور سیستان تک پھیلا ہوا ہے۔ ایک لق ودق ریگستان اور بے آب وگیاہ صحرا ہے۔

کوہ سلیمان دریائے گومل اور دریائے سندھ کے درمیان واقع ہے اور بلوچستان کو پنجاب اور صوبہ سرحد سے جدا کرتا ہے۔ یہ سلسلہ کوہ تقریباً اڑھائی سو میل لمبا ہے اور اس کی سب سے اونچی چوٹی تخت سلیمان کے نام سے مشہور ہے۔ جس کی بلندی سطح سمندر سے گیارہ ہزار دو سو بانوے فٹ ہے۔ وادی شال (کوئٹہ کا قدیم نام) اور مستنگ (مہ تنگ، تین راستے) کے درمیان واقع مشہور پہاڑ چلتن اسی سلسلہ کوہ کا ایک حصہ ہے جس کی بلندی دس ہزار چار سو اسی فٹ ہے۔

سلسلہ کوہ وسطی ہربوئی (اسے کوہ بروہی وسطی کا نام بھی دیا جاتا ہے) ساراوان (مقامی زبان میں ابتدا وانتہا اور فراز کو کہتے ہیں) اور جھالاوان (مقامی زبان میں جھل نشیب کو کہتے ہیں) کی جنوب مشرقی اور مشرقی سمت میں تقریباً شمالاً جنوباً پھیلا ہوا ہے۔ اس کی کل لمبائی دو سو اسی میل ہے۔ بلوچستان کے مشہور درے بولان اور مولہ اسی سلسلہ کوہ میں واقع ہیں۔ زرغون اس کی سب سے اونچی چوٹی ہے جس کی بلندی سطح سمندر سے گیارہ ہزار سات سو اٹھاسی فٹ ہے۔ اس کی ایک چوٹی زرگٹ ہے جو بہت ہی سرسبز ہے۔ یہ وادی زیارت کے جنوب میں واقع ہے۔ اس کی بلندی گیارہ ہزار دو سو انچاس فٹ ہے۔ اسی سلسلے پر قلات سے تقریباً بیس میل کے فاصلے پر مشرق کی طرف ہربوئی کا وہ صحت افزا مقام واقع ہے۔ جہاں پر ایک تفریحی قیام گاہ بھی تعمیر کی گئی ہے۔

سلسلہ کوہ ہربوئی، بلوچستان کے دوسرے پہاڑوں کی طرح بنجر اور خشک نہیں بلکہ اس پہاڑ پر جونیپر کے گھنے جنگلات ملتے ہیں۔ زیارت، نچارہ، پندران، نرمک، جوہان اور کشان وغیرہ کی دلکش اور شاداب وادیاں اسی کے دامن میں واقع ہیں۔ ان کے علاوہ درہ بولان اور درہ مولہ میں بیسیوں ایسے چھوٹے بڑے نخلستان ملتے ہیں جو صحت افزا اور دل پذیر ہیں۔

توبہ کاکڑی کا سلسلہ کوہ ژوب اور کوئٹہ پشین کے ضلعوں میں واقع ہے اور افغانستان اور بلوچستان کے درمیان سرحد کا کام دیتا ہے۔ یہ پہاڑ تقریباً تین سو میل لمبا ہے۔ خوجک کا مشہور درہ اسی پہاڑ سے گزرتا ہے اور شیلا باغ کی مشہور سوا دو میل لمبی ریلوے سرنگ اسی پہاڑ میں سے گزرتی ہے۔ یہ برصغیر پاک وہند کی سب سے بڑی سرنگ ہے اور دنیا کی بڑی بڑی سرنگوں میں شمار ہوتی ہے۔

کوہ کیرتھر جھالاوان کے علاقے کو سندھ سے جدا کرتا ہے۔ کوہ پب، لسبیلہ اور جھالاوان میں شمالاً جنوباً ۱۹۰ میل تک پھیلا ہوا ہے۔ ان دونوں سلسلوں کی بلندی بعض مقامات پر سات سو فٹ سے زائد ہے۔ کوہ سیاہاں، مکران اور خاران کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرتا ہے۔ اس کا طول ۱۷۶ میل ہے۔ کوہ چاغی جو ضلع چاغی کے شمالی حصے میں شرقاً غرباً پھیلا ہوا ہے۔ نوے میل لمبا ہے۔ یہ معدنی ذخائر سے اٹا پڑا ہے۔

راس کوہ کا سلسلہ ۱۴۰ میل، کوہ وسطی مکران ۲۵۰ میل اور کوہ ساحلی مکران ۲۸۰ میل کی لمبائی میں پھیلا ہوا ہے۔ آخرالذکر پہاڑ بحیرہ عرب کے ساحل کے ساتھ ساتھ پھیلا ہوا ہے۔

بلوچستان کا کچھ حصہ بحیرہ عرب کے کنارے بھی واقع ہے۔ یہ ساحلی علاقہ ۴۷۱ میل لمبا ہے اور اس میں اور ماڑہ، جیونی، سونمیانی، پسنی اور گوادر پانچ بندرگاہیں بھی واقع ہیں۔ ان بندرگاہوں اور کراچی کے درمیان موٹر لانچوں کے ذریعے آمدورفت ہوتی ہے۔ گوادر، پسنی اور جیونی کی بندرگاہوں پر ماہی گیری کی صنعت، خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ مچھلی کی برآمد سے زرمبادلہ کی اچھی خاصی آمدنی ہوتی ہے۔ بلوچستان میں کئی دریا ہیں لیکن یہ سارا سال رواں نہیں رہتے۔ بارش کے ایام میں یہ دریا رواں رہتے ہیں مگر عموماً یہ خشک رہتے ہیں۔ دریائے ژوب، دریائے ناڑی، دریائے بولان، لوہڑہ پشین، دریائے مولہ، دریائے ہب، دریائے ہنگول، دریائے پورالی، دریائے دشت، دریائے رخشان یہاں کے مشہور دریا ہیں۔

آب پاشی[۵] کے ذرائع یہ ہیں، بارش، کھدرجو، کاریزات، رہٹ، پانی نکالنے کی مشینیں، بیراج اور فیڈر، قدرتی چشمے مقامی اصطلاح میں جن زمینوں کی آب پاشی کا انحصار بارش یا برف باری پر ہے۔ ان کو خشکابہ، کہتے ہیں۔ جو زمینیں طغیانی کے پانی سے سیراب ہوتی ہیں، ان کو ''سیلابہ'' کہا جاتا ہے۔ زرعی پیداوار میں جو، گندم، جوار، مکئی، تمباکو، دالیں اور مختلف سبزیاں شامل ہیں لیکن بلوچستان زیادہ تر اپنے عمدہ پھلوں کے لیے مشہور ہے۔ یہاں بہترین اقسام کا انگور، سیب، انار، شفتالو، زردآلو، بادام، آلوچہ، شہتوت، خربوزہ اور تربوز پیدا ہوتا ہے اور پاکستان بھر کی منڈیوں میں پہنچتا ہے۔ سیب برآمد بھی کیا جاتا ہے۔

معدنی پیداوار میں کوئلہ، سوئی گیس،[۶] کروم، گندھک، سنگ مرمر، اسبستوس، تانبہ، بیرائٹ، سرمہ اور سیسہ شامل ہے۔ معدنیات کی تلاش اور چھان بین کے لیے کوئٹہ میں جیولاجیکل سروے آف پاکستان کی ایک برانچ قائم ہے جو جدید ترین ساز و سامان اور لیبارٹری کے علاوہ معدنیات کے ایک بہترین میوزیم سے آراستہ ہے۔

بلوچستان میں عمدہ نسل کے مویشی بالخصوص بھیڑیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ تین نسلوں سے سب سے زیادہ مقدار میں رنگ دار اون حاصل ہوتی ہے۔ مختلف نسلوں کے ملاپ سے زیادہ پیداوار دینے والی نسلیں تیار کی جاتی ہیں۔ اس مقصد کے لیے آسٹریلیا سے بڑی مقدار میں بھیڑیں درآمد کی گئی ہیں۔ صوبے میں افزائش نسل کے ۳ سرکاری فارم، ۵۴ وٹرنری ہسپتال اور ۲۶۴ وٹرنری ڈسپنسریاں کام کر رہی ہیں۔

بلوچستان میں مواصلات میں ریلوے، سڑکیں، بحری اور ہوائی راستے شامل ہیں۔ ریلوے لائن اس علاقے کو کراچی، لاہور اور پشاور سے ملاتی ہے اس کے مختلف سیکشن ہیں۔ ایک سیکشن جھٹ پٹ سے چمن تک ۲۵۰ میل لمبا دوسرا کوئٹہ سے زاہدان تک ۴۵۶ میل لمبا تیسرا کھوسٹ سے سبی تک ۸۳ میل لمبا اور چوتھا بوستان سے فورٹ سنڈیمن تک ۱۸۴ میل لمبا ہے۔ جیکب آباد سے ایک لائن اوستہ محمد اور دوسری کشمور تک جاتی ہے۔ سڑکوں میں کوئٹہ، سبی، جھٹ پٹ (۱۹۸ میل)، کوئٹہ چمن (۷۷ میل)، کوئٹہ فورٹ سنڈیمن (۲۰۶ میل)، کوئٹہ احمد وال، نوک کنڈی میر جاوا (۳۸۰ میل) کوئٹہ قلات (۹۰ میل)، کوئٹہ لورالائی (براہ مسلم باغ ۱۶۵ میل)، براہ سپیرا راغہ (۱۳۰ میل) براہ زیارت (۱۳۵ میل) اور لورالائی ڈیرہ غازی خاں (۱۷۷ میل) آر سی ڈی روڈ کراچی سے لسبیلہ، خضدار، قلات، نوشکی اور والبندین سے ہوتی ہوئی ایران چلی جاتی ہے۔ کراچی سے قلعہ سفید تک اس کی لمبائی ۸۴۰ میل ہے۔ یہ سب سڑکیں پختہ ہیں۔ کوئٹہ مکران روڈ کی سوراب پہنچ کر دو شاخیں بنتی ہیں۔ ایک شاخ سوراب سے براستہ گدر پنجگور سے ہوتی ہوئی تربت اور پسنی کی بندرگاہ تک جاتی ہے۔ اس کی دوسری شاخ سوراب سے خضدار، نال، مشکے اور آواران سے ہو کر تربت پہنچتی ہے۔ یہ سڑک کوئٹہ سے سوراب اور خضدار تک پختہ ہے۔ تربت جیونی روڈ ۶۷ میل لمبی ہے۔ تربت مند روڈ ایرانی سرحد کو چھوتی ہے۔ نوشکی خاران روڈ ۹۰ میل لمبی ہے۔ خاران سے آگے نکل کر بے سیمہ کے مقام پر کوئٹہ پنجگور سے مل جاتی ہے۔

ایک درجن سڑکیں اچھے موسم میں استعمال ہوتی ہیں اور بلوچستان کے مختلف شہروں اور علاقوں کو ایک دوسرے سے ملاتی ہیں۔

بلوچستان کی بندرگاہوں اور کراچی کے مابین لانچوں اور آپس میں بادبانی کشتیوں کے ذریعے آمد و رفت ہوتی ہے۔

پی آئی اے کے جدید اور تیز رفتار طیارے روزانہ کراچی، کوئٹہ، لاہور اور اسلام آباد جاتے اور واپس آتے ہیں۔ کراچی سے تربت، گوادر، پنجگور، پسنی، کوئٹہ وغیرہ فوکر سروس موجود ہے۔

فورٹ سنڈیمن کو بھی کوئٹہ، اسلام آباد پشاور سے ملا دیا گیا ہے۔ مزید ہوائی اڈے تعمیر ہو رہے ہیں۔ کوئٹہ کا ہوائی اڈہ بین الاقوامی بن چکا ہے۔ ہر موسم میں جہاز اترنے اور چڑھنے کے لیے جدید آلات نصب کیے گئے ہیں۔

نظامت تعلیمات سکولز

نظامت تعلیمات سکولز بلوچستان کے تمام سکولوں میں نظم و نسق، اساتذہ کی تعیناتی اور سکولوں میں سہولتوں کی ذمہ دار ہے۔ نئے نظام کے تحت ایگزیکٹیو ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر ناظم تعلیمات سکولز کی مدد کرتے ہیں۔ سال ۰۴-۲۰۰۳ء کے اعداد و شمار کے مطابق بلوچستان میں گورنمنٹ سکولوں کی تعداد درج ذیل تھی۔

	شہری			دیہی			کل تعداد		
	طلبا	طالبات	تعداد	طلبا	طالبات	تعداد	طلبا	طالبات	تعداد
مسجد	75	-	75	515	-	515	590	-	590
پرائمری	668	253	921	6178	2398	8576	8646	2651	9497
مڈل	78	59	137	464	173	637	542	232	774
ہائی	156	88	244	274	38	312	430	126	556
تعداد	977	400	1377	7431	2609	10040	8408	3009	11417

بلوچستان میں گورنمنٹ سکولوں میں طلباء و طالبات کی تعداد ۲۰۰۴-۲۰۰۳ء کے مطابق حسب ذیل تھی۔

	شہری			دیہی			کل تعداد		
	طلبا	طالبات	تعداد	طلبا	طالبات	تعداد	طلبا	طالبات	تعداد
ابتدائی	35885	22888	58773	11460	73988	188748	250645	96876	247551
پرائمری	85094	61090	146148	172066	108951	281047	257190	170041	427231
مڈل	35781	24707	60488	28888	10887	39775	64669	35594	100263
ہائی	16080	10771	26851	9508	2389	11897	25588	13160	38748
تعداد	172640	119456	292296	325252	196215	521467	498092	315671	813765

1- Academy of Education Planning and Management Islamabad (AEPAM) BEMIS

بلوچستان میں گورنمنٹ سکولوں میں اساتذہ کی تعداد ۲۰۰۴ء۔۲۰۰۳ء کے مطابق حسب ذیل تھی۔

کل تعداد اساتذہ (مردانہ)	28,581
کل تعداد اساتذہ (خواتین)	11,749
میزان	40,340

بلوچستان میں پرائیوٹ سکولوں کی تعداد ۲۰۰۴ء۔۲۰۰۳ء کے مطابق حسب ذیل تھی

	طلبا	طالبات	مخلوط	کل تعداد
پرائمری	11	50	257	318
مڈل	9	6	138	153
ہائی	13	5	71	89
کل تعداد	33	61	466	560

درج ذیل اساتذہ کرام ناظم تعلیمات کے عہدے پر فائز رہے۔

۱۔ نفیس احمد
۲۔ رشید احمد
۳۔ تمکین احمد عباسی
۴۔ سید نسیم کوثر
۵۔ محمود عتیق خان
۶۔ چودھری محمد انور
۷۔ محمد رفیق
۸۔ منیر احمد
۹۔ یوسف کہدا

نظامت تعلیمات کالجز

نظامت تعلیمات کالجز ۱۹۷۶ء میں قائم کی گئی۔ اس کے ذمے کالجوں کا نظم و نسق، کالجوں میں سہولتوں کی فراہمی اور کالجوں کی تعمیر و ترقی ہے۔ بلوچستان میں مابعد ثانوی تعلیم یعنی کالجز کی تعلیم تین حصوں میں منقسم ہے۔

۱۔ اولیت عمومی تعلیم کو حاصل ہے۔ جس میں ڈگری کالجز اور انٹر کالجز شامل ہیں۔
۲۔ گورنمنٹ کالج آف ٹیکنالوجی جس میں تین سالہ ڈپلومہ کورس پڑھایا جاتا ہے۔
۳۔ گورنمنٹ کالج آف کامرس۔ جس میں سی کام اور ڈی کام کی تعلیم دی جاتی ہے۔

مندرجہ ذیل اساتذہ کرام اس ادارہ کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے۔

۱۔ پروفیسر خلیل احمد صدیقی ۲۔ پروفیسر رشید احمد
۳۔ پروفیسر انور رمان (قائم مقام) ۴۔ پروفیسر قاضی محمد اقبال
۵۔ پروفیسر غلام رسول بلوچ ۶۔ پروفیسر ریاض احمد بلوچ
۷۔ پروفیسر امان اللہ مینگل

نظامت تعلیمات کالجز کے تحت ۷۰ ادارے کام کر رہے ہیں جن کی تفصیل یوں ہے۔

۱۔ ڈگری کالجز برائے طلباء

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
۱	گورنمنٹ کالج کوئٹہ	۲	گورنمنٹ سائنس کالج کوئٹہ
۳	گورنمنٹ کالج سبی	۴	گورنمنٹ کالج لورالائی
۵	گورنمنٹ کالج ژوب	۶	گورنمنٹ کالج پشین
۷	گورنمنٹ کالج چمن	۸	گورنمنٹ کالج اوستہ محمد
۹	گورنمنٹ کالج مستونگ	۱۰	گورنمنٹ کالج خضدار
۱۱	گورنمنٹ کالج لسبیلہ	۱۲	گورنمنٹ کالج خاران
۱۳	گورنمنٹ کالج پنجگور	۱۴	گورنمنٹ عطا شاد کالج کیچ
۱۵	گورنمنٹ کالج موسیٰ خیل	۱۶	گورنمنٹ کالج نوشکی

۲۔ ڈگری کالج برائے طالبات

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
۱	گورنمنٹ گرلز کالج کوئٹہ	۲	گورنمنٹ گرلز کالج سبی

۳	گورنمنٹ گرلز کالج لورالائی	۴	گورنمنٹ گرلز کالج کویری روڈ کوئٹہ
۵	گورنمنٹ گرلز کالج جناح روڈ کوئٹہ		

۳۔ انٹر کالجز برائے طلبا

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
۱	گورنمنٹ انٹر کالج موسیٰ ٹاون کوئٹہ	۲	گورنمنٹ انٹر کالج بارکھان
۳	گورنمنٹ انٹر کالج قلعہ سیف اللہ	۴	گورنمنٹ انٹر کالج مسلم باغ
۵	گورنمنٹ انٹر کالج خانوزئی	۶	گورنمنٹ انٹر کالج ڈرگ
۷	گورنمنٹ انٹر کالج ہرنائی	۸	گورنمنٹ انٹر کالج ڈیرہ مراد جمالی
۹	گورنمنٹ انٹر کالج کوہلو	۱۰	گورنمنٹ انٹر کالج مچھ
۱۱	گورنمنٹ انٹر کالج ڈیرہ بگٹی	۱۲	گورنمنٹ انٹر کالج جھل مگسی
۱۳	گورنمنٹ انٹر کالج قلات	۱۴	گورنمنٹ انٹر کالج سوراب
۱۵	گورنمنٹ انٹر کالج دالبندین	۱۶	گورنمنٹ انٹر کالج آواران
۱۷	گورنمنٹ انٹر کالج تمپ	۱۸	گورنمنٹ انٹر کالج بلیدہ
۱۹	گورنمنٹ انٹر کالج گوادر	۲۰	گورنمنٹ انٹر کالج بھاگ
۲۱	گورنمنٹ انٹر کالج خیر دین	۲۲	گورنمنٹ انٹر کالج ڈیرہ اللہ یار
۲۳	گورنمنٹ انٹر کالج زہری	۲۴	گورنمنٹ انٹر کالج حب
۲۵	گورنمنٹ انٹر کالج کچلاک	۲۶	گورنمنٹ انٹر کالج حرم زئی
۲۷	گورنمنٹ انٹر کالج برشود	۲۸	گورنمنٹ انٹر کالج زیارت

۴۔ انٹر کالجز برائے طالبات

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
۱	گورنمنٹ گرلز انٹر کالج حسن موسیٰ کوئٹہ	۲	گورنمنٹ گرلز انٹر کالج سٹیلائٹ ٹاون کوئٹہ
۳	گورنمنٹ گرلز انٹر کالج بروری روڈ	۴	گورنمنٹ گرلز انٹر کالج قلات
۵	گورنمنٹ گرلز انٹر کالج نوشکی	۶	گورنمنٹ گرلز انٹر کالج خاران
۷	گورنمنٹ گرلز انٹر کالج موسیٰ خیل	۸	گورنمنٹ گرلز انٹر کالج ڈیرہ اللہ یار
۹	گورنمنٹ گرلز انٹر کالج ژوب	۱۰	گورنمنٹ گرلز انٹر کالج پشین

۱۱	گورنمنٹ گرلز انٹر کالج مستونگ	۱۲	گورنمنٹ گرلز انٹر کالج کیچ
۱۳	گورنمنٹ گرلز انٹر کالج پنجگور	۱۴	گورنمنٹ گرلز انٹر کالج خضدار
۱۵	گورنمنٹ گرلز انٹر کالج اوستہ محمد	۱۶	گورنمنٹ گرلز انٹر کالج کیچی بیگ کوئٹہ

۵۔ دیگر فنی ادارے

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
۱	گورنمنٹ کالج آف ٹیکنالوجی کوئٹہ	۲	گورنمنٹ کامرس کالج کوئٹہ
۳	گورنمنٹ کالج آف فزیکل ایجوکیشن کوئٹہ	۴	گورنمنٹ کالج آف پولی ٹیکنیک برائے طالبات کوئٹہ

نظامت تعلیمات ادارہ نصابیات و مرکز توسیع تعلیم بلوچستان

ادارہ نصابیات و مرکز توسیع تعلیم بے حد اہم اور نتیجہ خیز ادارہ ہے۔ جو ایک علیحدہ نظامت کی شکل میں کام کرتا ہے۔ عمل تعلیم میں اس کا کردار فیصلہ کن ہے ۱۹۷۰ء میں مرکز توسیع تعلیم قائم ہوا اور ۱۹۷۶ء میں بیورو وجود میں لایا گیا تو مرکز کو اس کے ساتھ ملا دیا گیا۔

شروع شروع میں مرکز توسیع اور بیورو کو ایک فالتو اور فضول قسم کا اقدام سمجھا گیا اور اسے جدت برائے جدت قرار دیا گیا۔ اور اسے اس وقت کے ناظم تعلیمات ڈاکٹر عبد الطیف (جو تعلیمی منصوبہ بندی کی چوٹی کے ماہرین میں سے تھے) کی ذہنی اختراع گردانا گیا لیکن رفتہ رفتہ سب کو احساس ہونے لگا کہ تعلیم کا مغز اور مرکز تو یہی تھا۔

نصاب بنانا، اس پر مسلسل نظر رکھنا، اس کی خامیوں کو دور کرنا اور مستقبل کے رجحانات کو بھانپتے ہوئے اس میں دور رس تبدیلیاں پیدا کرنا۔

اس سے ہم آہنگ تدریسی مواد تیار کرنا اور اس کا مسلسل جائزہ لیتے رہنا۔

اساتذہ کو پیشہ ورانہ تربیت کے علاوہ ہنگامی اور مسلسل تدریب کے ذریعے فعال، متحرک اور اہل بنانا۔

غرضیکہ عمل تعلیم کے تمام ابتدائی، بنیادی، ارتقائی اور انقلابی مراحل کا احاطہ کرنا۔

اس کے برعکس دوسری نظامتوں کا کام زیادہ تر اساتذہ کی بھرتی، ترقی تنزلی اور ریٹائرمنٹ وغیرہ سے ہے۔ یہ بیورو کا ذمہ ہے کہ اکثر و بیشتر خام اور اناڑی افراد اساتذہ بنائے۔ ان میں

علیت پیدا کرے۔ ان میں علم کا ذوق پیدا کرے۔ ان میں جذبہ خدمت و رہنمائی اجاگر کرے، انہیں درسی کتب پر عبور حاصل کرائے۔ ان میں بچوں کی نفسیات کا ادراک پیدا کرے اور ان میں بیسیوں دیگر خوبیاں ثبت کرنے کی کوشش کرے۔ یہ اتنا دشوار کام ہے کہ جوئے شیر لانے کا عمل بھی اس کے سامنے شرمندہ ہے۔ بیورو یہ سب ایلی مینٹری کالجز اور ٹریننگ اسکولوں کے ذریعے کرتا ہے۔ لیکن یہ مدت اتنی کم ہے آ ہوان کو وہ صحرا نظم و نسق، ضبط و تحمل اور علم و فضل کے دروازے کے اندر داخل ہوتے ہی فارغ کر دیئے جاتے ہیں۔

ادارے کے پہلے ڈائریکٹر پروفیسر انور رومان نے مسئلہ آزمائی کی مشق کا تجربہ کیا اور ہمارے تعلیمی مسائل کے حقیقت پسندانہ تجزیے اساتذہ سے کروائے انھوں نے اساتذہ کو اپنی کارکردگی کا خارج قسمت معلوم کرنے کا فارمولا دیا۔

ادارے کے دوسرے ڈائریکٹر ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے بیورو کو ایک شعلہ، جوالہ بنا دیا اور ہر تعلیمی مسئلہ ایک مثلث کے ذریعے سمجھنے، جانچنے اور پرکھنے کا طریقہ وضع کیا اور بلوچستان کے طول و عرض میں اسے پھیلا دیا۔

ان کے جانشینوں نے اس تحریک کو قائم کرنے کی کماحقہ سعی کی۔ امید ہے کہ بیورو استاد سازی کے اس اہم فریضہ سے کبھی غافل نہیں ہوگی۔ اس ادارے نے صوبے بھر میں غیر نصابی و اہم نصابی تعلیمی سرگرمیوں بھی سرپرستی کی۔ چھ سائنسی نمائشیں ۱۹۸۵ء تا ۱۹۹۰ء یادگار رہیں گی۔

ادارے کے زیر اہتمام درج ذیل ادارے کام کر رہے ہیں۔

نمبر شمار	نام
۱	گورنمنٹ ایلیمینٹری کالج آف ایجوکیشن برائے طلبا کوئٹہ
۲	گورنمنٹ ایلیمینٹری کالج آف ایجوکیشن برائے طلبا مستونگ
۳	گورنمنٹ ایلیمینٹری کالج آف ایجوکیشن برائے طلبا قلات
۴	گورنمنٹ ایلیمینٹری کالج آف ایجوکیشن برائے طلبا لورالائی
۵	گورنمنٹ ایلیمینٹری کالج آف ایجوکیشن برائے طلبا اوتھل
۶	گورنمنٹ ایلیمینٹری کالج آف ایجوکیشن برائے طلبا پنجگور
۷	گورنمنٹ ایلیمینٹری کالج آف ایجوکیشن برائے طلبا خیر آباد
۸	گورنمنٹ ایلیمینٹری کالج آف ایجوکیشن برائے طالبات کوئٹہ

۹	گورنمنٹ ایلیمنٹری کالج آف ایجوکیشن برائے طالبات پشین
۱۰	گورنمنٹ ایلیمنٹری کالج آف ایجوکیشن برائے طالبات خضدار
۱۱	گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن کوئٹہ
۱۲	گورنمنٹ ایلیمنٹری کالج آف ایجوکیشن سبی

درج ذیل افراد اس ادارے کے ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز رہے۔

۱۔ پروفیسر انور رومان ۲۔ پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر

۳۔ چودھری محمد انور ۴۔ پروفیسر ریاض بلوچ

۵۔ عبدالمجید درانی ۶۔ محترمہ سلطانہ بلوچ

۷۔ سید طاہر شاہ بخاری

بلوچستان ٹیکسٹ بک بورڈ

یکم جولائی ۱۹۷۰ء کو بلوچستان ایک باقاعدہ صوبہ بنا اور اس کے ساتھ ہی صوبائی حکومت معرض وجود میں آئی۔ اس کے اور صوبائی سطح کے ادارے بھی بتدریج یکے بعد دیگرے ظہور پذیر ہونے لگے۔ ان اداروں میں بلوچستان ٹیکسٹ بورڈ بھی شامل تھا جو ۷۲۔۱۹۷۱ء کے آخر میں صوبائی نظامت تعلیمات میں ہی مرکز توسیع کے تحت سیل (شعبہ) کی صورت میں شروع کیا گیا۔ جب کہ راقم الحروف مرکز توسیع میں ڈپٹی ڈائریکٹر کے عہدے پر معمور تھا۔ جیسا کہ بورڈ کے نام سے ظاہر ہے اس کا مقصد پہلی سے بارہویں جماعت تک درسی کتب کی تصنیف، ترتیب و تدوین، پیشکش، ترویج اور نشر و اشاعت تھا۔ اس کا کل اثاثہ جو اسے سابقہ مغربی پاکستان سے ملا تقریباً ۱۲۵۰ رم کاغذ اور ساڑھے تین لاکھ روپے پر مشتمل تھا۔ ظاہر ہے کہ اس پر عائد کردہ اہم اور عظیم کام کے پیش نظر نہ صرف یہ اثاثہ بالکل ناکافی تھا۔ بلکہ اس کی ہیت ترکیبی بھی موزوں نہ تھی۔

چنانچہ کچھ عرصہ بعد اسے سیل کی بجائے بلوچستان ٹیکسٹ بک بورڈ کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اسے نظامت تعلیمات سے علیحدہ کر کے سیکرٹری تعلیم کے تحت کر دیا گیا۔

۱۹۷۲ء میں اس ادارے نے پرائمری جماعتوں کی ۱۶ درسی کتب کی طباعت کا اہتمام کیا۔ ان کتب کی کل مالیت ۳۲،۴۰۰ تھی اور ان کی ۱۸۱۵۰۰ کاپیاں شائع کی گئیں جب کہ ۱۹۹۳ء میں ۱۲۶ درسی کتب از جماعت اوّل تا دہم طبع کی گئیں ان کی مالیت ۲۹۶۶۱۰۰۰، اور ان کتب کی کل تعداد کاپیاں طبع کی گئی تھی۔

۱۹۹۶ میں ناشرین کتب کی تعداد ۳۵ اوران کا تعلق صوبہ بلوچستان سے تھا۔
مندرجہ ذیل اصحاب اس ادارے کے بالترتیب چیرمین رہے۔

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
۱	آغا نصیر خان احمد زئی	۲	ملک عبدالصمد (اضافی چارج)
۳	راحت اللہ (اضافی چارج)	۴	محمد اکبر خان
۵	ایس۔ایچ قادری	۶	پروفیسر انور رومان
۷	محمد سردار خان بلوچ	۸	قاضی اقبال (اضافی چارج)
۹	محمد سردار خان بلوچ	۱۰	ڈاکٹر سلطان الطاف علی
۱۱	پروفیسر امان اللہ مینگل	۱۲	ڈاکٹر شعیب اللہ
۱۳	پروفیسر عطا میراں	۱۴	پروفیسر منیر احمد کاکڑ
۱۵	محترمہ سلطانہ بلوچ	۱۶	محترمہ زبیدہ بگٹی

بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن بلوچستان

محکمہ تعلیم کے تحت ایک خود مختار ادارہ بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن بلوچستان ۱۹۷۶ء میں قائم ہوا۔اس بورڈ کے قیام کا مقصد ثانوی، السنہ شرقیہ، سی کام، ڈی کام اور پولی ٹیکنیک کے امتحانات کا انعقاد ہے۔علاوہ ازیں بورڈ دیگر نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں میں طلباء کی حوصلہ افزائی کرتا ہے تاکہ ہر جہت سے تعلیم کو فروغ دیا جائے۔تعلیمی ورکشاپوں اور سیمیناروں کا انتظام کرتا ہے جس سے نظام امتحانات اور تعلیمی تحقیق کے شعبہ جات میں بہتری پیدا کی جاسکے۔اس سلسلے میں بورڈ نے کئی ورکشاپوں، سیرت کانفرنسوں، حسن قرات اور نعت خوانی، سائنسی نمائشوں کے مقابلوں کا انتظام کیا۔تفصیل کے لیے (بلوچستان آزادی کے بعد از ڈاکٹر انعام الحق کوثر، پروفیسر انور رومان، ص ۶۶۔۱۶۵ ملاحظہ ہوں)۔

	۷۷-۱۹۷۶ء	۹۷-۱۹۹۶ء
سیکنڈری	۵۵۶۸	۱۴۷۳۰
ہائر سیکنڈری	۵۴۵۲	۲۴۵۹۴
السنہ شرقیہ	۳۵	۲۴۵

سی کام ڈی کام	۶۵	۳۱۱
پولی ٹیکنیک	۱۶۰	۷۰۳

۲۰۰۵ء کے اعداد و شمار کے مطابق میٹرک کا امتحان دینے والوں کی کل تعداد ۲۲۱۲۳ تھی۔

طلباء کی تعداد (سائنس گروپ)	طالبات کی تعداد (سائنس گروپ)
۱۱۴۰۱	۳۸۷۶ کل تعداد ۱۵۲۷۷
طلباء کی تعداد (آرٹس گروپ)	طالبات کی تعداد (آرٹس گروپ)
۵۵۷۹	۴۷۶۸

آرٹس گروپ میں امتحان دینے والوں کی تعداد ۱۰۳۴۷ تھی۔

۲۰۰۵ء میں ایف۔ایس۔سی کا امتحان دینے والوں کی تعداد

	امتحان میں شریک امیدوار	کامیاب امیدوار
سال اوّل	۸۶۹۸	۱۰۲۷
سال دوئم	۸۴۹۱	۳۹۶۳
میزان	۱۷۱۸۹	۴۹۹۰

۲۰۰۵ء میں ایف۔اے کا امتحان دینے والوں کی تعداد

	امتحان میں شریک امیدوار	کامیاب امیدوار
سال اوّل	۴۸۲۸	۷۶۴
سال دوئم	۱۱۰۴۸	۵۷۷۲
میزان	۱۵۸۷۶	۶۵۳۶

مندرجہ ذیل اصحاب اس ادارے کے بالترتیب چیرمین رہے۔

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
۱	پروفیسر خلیل صدیقی	۲	آغا نصیر خان
۳	پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر	۴	پروفیسر رشید احمد
۵	پروفیسر عزیز احمد لودھی	۶	پروفیسر محمد اقبال قاضی
۷	پروفیسر محمد نسیم	۸	پروفیسر ڈاکٹر مقصود علی

۹	پروفیسر غلام شبیر	۱۰	پروفیسر فضل باری
۱۱	پروفیسر منیر احمد کاکڑ	۱۲	پروفیسر غلام مرتضیٰ

❀......❀......❀

حوالہ جات

۱۔ حامد علی بیگ، بلوچستان، کوئٹہ، ۱۹۷۰ء، ص ۱۔ ۳۔

۲۔ مکران ما قبل تاریخ، پروفیسر انور رومان، نوکیں دور (مکران نمبر) کوئٹہ، ۱۶، مارچ ۱۹۶۷ء، ص ۳۷۔۳۸۔ڈاکٹر انعام الحق کوثر، بلوچستان چند پہلو، کوئٹہ، 2005ء، ص ۲۳۔

۳۔ سنسکرت کتابوں میں مکران کا نام ''موکارا'' یا ''مکارینا'' آیا ہے۔عرب اسے ''ماکران'' اور ایرانی ماہی ''خوران'' تحریر کرتے رہے ہیں۔حمزہ اصفہانی کی تحریر کے مطابق مکران کا یہ نام موکران بن فرخ بن سام بن نوح کی وجہ سے پڑا۔یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ ''ماکا'' قوم کی سرزمین رہی ہے اس لیے مکران مشہور ہوا۔مارکوپولو نے اپنے سفرنامہ میں مکران کا ذکر کیا ہے۔

بلوچستان ڈسٹرکٹ گزیٹیئر (مکران) جلد ہفتم، بمبئی، ۱۹۰۷ء، ص ۳، ۴۔

محمد سردار خاں بلوچ، دی گریٹ بلوچ کوئٹہ، کراچی، ۱۹۶۷ء، ص ۱۵۵۔

نور احمد خاں فریدی، بلوچ قوم اور اس کی تاریخ، ملتان، ۱۹۶۸ء، ص ۱۴۹۔

تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، چودھویں جلد (حصہ دوم)، لاہور، ۱۹۷۱ء، ص ۳۴۵۔

الگزنڈر مسیح، دی فرنٹیئر پیپلز آف انڈیا، لندن، ۱۹۳۱ء، ص ۱۶۴۔

صالح محمد لہڑی، بلوچستان، کوئٹہ، ۱۹۵۵ء، ص ۱

ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی، براہوئی زبان و ادب کی تاریخ، لاہور، ۱۹۸۲ء، ص ۱۱۔ ۱۳، ۳۱۔ ۳۲۔

۴۔ میر گل خاں نصیر، بلوچستان، کوئٹہ، ۱۹۸۲ء، ص ۵۷ تا ۶۵۔

دین محمد، یادگار تاج پوشی قلات ۱۹۳۲ء، لاہور، ۱۳۵۱ھ، ص ۳۔ ۵۔

۵۔ میر گل خان نصیر، بلوچستان، کوئٹہ، ۱۹۸۲ء، ص ۱۰۲۔ ۱۴۱۔

حامد علی بیگ، بلوچستان، کوئٹہ، ۱۹۷۰ء، ص ۴ تا ۱۴۔

کھدر جو پانی کی ایسی نالیاں ہیں جو ان پہاڑی ندیوں سے نکالی جاتی ہیں جن میں سیاہ آب بہتا ہے۔ ان ندیوں میں سیاہ آب مسلسل ایک سرے سے دوسرے سرے تک نہیں بہتا۔کہیں کہیں میلوں ندی کے

اندر سنگریزوں اور ریت میں جذب ہو جاتا ہے پھر اچانک کسی اور مقام پر نمودار ہو کر بہنے لگتا ہے۔ ان مقامات پر چھوٹے چھوٹے بند باندھ کر نالیوں کے ذریعے پانی کا رخ زرعی اراضیات کی طرف پھیر دیا جاتا ہے۔ ان چھوٹے بندات کے نیچے سے پانی بڑی مقدار میں بہہ نکلتا ہے اور اس طرح آگے جا کر دوسرے دیہات کو سیراب کرتا ہے۔ بلوچستان، میر گل خان نصیر، ص ۱۱۷۔

٦- ۱۹۸۲ء میں ٦۵ کروڑ روپے صرف کر کے سوئی گیس کوئٹہ تک پہنچا دی گئی ہے۔

۷- پروفیسر انور رومان، بلوچستان میں تعلیم (پس منظر اور پیش منظر)، کوئٹہ، ۲۰۰۵ء، ص ۴۹ تا ٦۰۔

❀......❀......❀

باب دوم

علامہ اقبال کی بلوچستان میں تشریف آوری

۱۹۰۳ء میں پہلی بار علامہ اقبال بلوچستان میں بمقام فورٹ سنڈیمن (ژوب) تشریف لائے تھے۔ آپ نے ڈیرہ اسماعیل خاں سے دربن[1]، مغل کوٹ، تنگی سر اور مانی خواہ ہوتے ہوئے براستہ دانا سر (دانے کا سرا، پہاڑ کی چوٹی، فاصلہ ۱۰اامیل، ۱۹۰۳ء میں درہ میں سے اونٹوں کے قافلے کا قدرتی اور واحد راستہ...... بعدازاں بڑی مشکل سے سڑک بنائی گئی) فورٹ سنڈیمن (ژوب) تک سفر کیا تھا۔ کیونکہ وہاں آپ کے بھائی صاحب ایک مصیبت میں گرفتار تھے۔
اقبال نامہ[2] میں ایک خط یوں درج ہے:

۱۹۰۳ء......سید تقی شاہ (فرزند مولوی میر حسن)

اقبال نامہ، جلد۲ صفحات ۲۹۸-۲۹۹

(اقبال کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد بلوچستان میں اوورسیر تھے۔ ریاست قلات نے ان پر مقدمہ کھڑا کر کے قید کر دیا۔ اقبال ریل، گھوڑے اور اونٹ کا تکلیف دہ سفر طے کر کے وہاں پہنچے، راستے سے یہ خط لکھا۔)

آج خبر ملی کہ ان کو رائل انجینئر کوئٹہ کے تار پر تار دینے کی وجہ سے کہ ایک معزز آفیسر کو بغیر منظوری شملہ کیوں حراست میں دیا گیا ہے، حراست سے نکال دیا ہے۔ انہی متواتر تاروں کے دوران میں وہاں کے پولیٹیکل ایجنٹ کی تبدیلی بھی ہوگئی ہے کہ اس مقدمے میں اس کی ہی شرارت تھی۔ امید ہے کہ اس مقدمہ کا نتیجہ بھائی صاحب کے حق میں اچھا ہوگا۔

ایک مکتوب نواب صدر یار جنگ بہادر حبیب الرحمٰن خان شروانی[3] کو لکھا تھا:

مخدوم و مکرم خان صاحب!

السلام علیکم۔

آپ کا نوازش نامہ لاہور ہوتا ہوا مجھے یہاں ملا۔ میں ایک مصیبت میں مبتلا اس وقت لاہور سے

ایک ہزار میل کے فاصلہ پر برٹش بلوچستان میں ہوں۔ آپ بھی خدا کی جناب میں دعا کریں کہ اس کا انجام اچھا ہو۔ آپ کا خط حفاظت سے صندوق میں بند کر دیا ہے، نظر ثانی کے وقت آپ کی تنقیدوں سے فائدہ اٹھاؤں گا۔ اگر میری ہر نظم کے متعلق آپ اس قسم کا خط لکھ دیا کریں تو میں آپ کا نہایت ممنون ہوں گا۔

آپ کا اقبال
از فورٹ سنڈیمن، برٹش بلوچستان
۲۵ رمئی ۱۹۰۳ء

حبیب الرحمٰن خاں شروانی کے نام ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں:
۶ راگست ۱۹۰۳ء[۴]......حبیب الرحمٰن خاں شروانی
اقبال نامہ، جلد ا، ص ۶
میرے بڑے بھائی (شیخ عطا محمد) سب ڈویژنل آفیسر ملٹری ورکس پر ان کے مخالفین نے ایک خوفناک فوجداری مقدمہ بنا دیا تھا، لیکن الحمدللہ کہ دشمنوں کے منہ میں خاک پڑی۔ بھائی صاحب بری ہوئے۔ خدا لارڈ کرزن کا بھلا کرے کہ میرے لکھنے پر معاملہ دگرگوں ہو گیا۔
وادی شال کی ایک مشہور سماجی[۵] اور علمی شخصیت ڈاکٹر محمد ایوب مرحوم نجم الدین روڈ کوئٹہ ۲۱ رجون ۱۹۲۱ء کو کوئٹہ آئے تھے، کا کہنا ہے کہ ''جب علامہ شاہ افغانستان نادر شاہ کی دعوت پر سید راس مسعود اور سید سلیمان ندوی کی معیت میں کابل تشریف لے گئے تو واپسی براہ قندھار، چمن اور کوئٹہ ہوئی تھی۔ مگر مجھے علامہ مرحوم کے اعزاز میں کسی مشاعرے یا اعزازی جلسے کا علم نہیں۔
۱۹۳۷ء[۶] میں ہرنائی (ضلع سبی) کے ایک نوجوان نے علامہ اقبال کی خدمت میں خط لکھا تھا۔ اس کا جواب اس طرح آیا تھا۔
۱۷ مارچ ۱۹۳۷ء۔۔۔نور حسین
کمیشن ایجنٹ ہرنائی (بلوچستان)
انوار اقبال، صفحات ۲۱۵، ۲۱۶
افسوس ہے کہ شہر لاہور میں آپ کے لیے گزارہ ہو جانے کے متعلق میں کوئی امید آپ کو نہیں دلا سکتا۔ یہاں سینکڑوں تعلیم یافتہ نوجوان بیکار پھر رہے ہیں۔ سرکاری ملازمت کا دروازہ بند ہے اور پرائیویٹ ملازمت تجارت کی کساد بازاری کی وجہ سے قریباً ناممکن ہو گئی ہے۔ ایسی حالت میں میں آپ کو لاہور کی طرف رخ کرنے کا مشورہ نہیں دے سکتا۔۔۔ باقی رہے آپ کے خواب تو میرے خیال میں یہ علامت احیائے اسلام کی ہے۔

کمال الدین احمد[۷] نے لکھا ہے کہ علامہ اقبال ۱۹۲۷ء اور ۱۹۲۹ء میں دو مرتبہ کوئٹہ تشریف لائے۔ آپ بسنت سنگھ لین میں بابو عبدالحق جوز بردست ویٹ لفٹر اور گھوڑا اٹھایا کرتے تھے اور فضل الٰہی جن کا یہاں پہلا موٹروں کی مرمت کا کارخانہ تھا، کے پاس مقیم ہوئے۔ یہ دونوں علامہ اقبال کے عزیز تھے اور علامہ یہاں صرف تین یا چار دن مقیم رہے۔

۱۹۳۳ء[۸] میں نادر شاہ نے ہمارے تین بزرگوں (علامہ ڈاکٹر محمد اقبال، علامہ سید سلیمان ندوی اور ڈاکٹر سر راس مسعود) کو کابل (افغانستان) آنے کی دعوت دی تھی۔ مقصود یہ تھا کہ ان کے گراں بہا مشوروں سے افغانستان کی ہر جہتی ترقی خصوصاً ایک مربوط نظام تعلیم کے سلسلے میں استفادہ کیا جائے۔ علامہ اقبال اور سر راس مسعود ۲۱/ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو اور مولانا سید سلیمان ندوی ۲۵/ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو پشاور سے کابل تشریف لے گئے اور چند روز قیام پذیر رہنے کے بعد واپس تشریف لے آئے۔ اس مختصر قیام میں نادر شاہ کے علاوہ وزرا، امرا، علما اور ادبا سے ملاقاتیں ہوئیں۔ مختلف مسائل پر تبادلہ خیالات ہوئے اور افغانستان نے ان کے افکار اور ان کی بصیرتوں سے بیش از بیش فائدہ حاصل کیا۔

سب سے اہم تقریب اعلیٰ حضرت نادر شاہ سے ملاقات تھی۔ علامہ اقبال نے اس ملاقات کا ذکر اپنی مثنوی مسافر[۹] میں پرجوش اور موثر انداز میں کیا ہے۔

قصر سلطانی کہ نامش دلکشاست
زائراں را گرد راہش کیمیاست
شاہ را دیدم دراں کاخِ بلند
پیش سلطانے فقیرے دردمند
خلق او اقلیم دلہا را کشود
رسم و آئین ملوک آنجا نبود
پادشاہے خوش کلام و سادہ پوش
سخت کوش و نرم خوی و گرم جوش
در حضور آں مسلمان کریم
ہدیہ آوردم ز قرآن عظیم
گفتم ایں سرمایہ اہل حق است
در ضمیر او حیات مطلق است

وقت عصر آمد صدائے الصلوٰۃ
آنکہ مومن را کند پاک از جہات
انتہائے عاشقاں سوز و گداز
کردم اندر اقتدائے او نماز
راز ہائے آں قیام و آں سجود
جز بہ بزم محرماں نتواں کشود!

کابل کی انجمن ادبی[۲۱] نے بھی تینوں اصحاب کے اعزاز میں دعوت کا اہتمام کیا۔ اس میں افغانستان کے مشہور شاعر قاری عبداللہ خان نے منظوم خیر مقدم کرتے ہوئے کہا:

عزیزاں ز ہندوستان آمدند
در افغانستان مہمان آمدند
در آناں یکے دکتر اقبال ہند
سخن پرور و واقف حال ہند
ادیب سخن گستر و نکتہ سنج
کہ ہر نکتہ اش بہتر آمد ز گنج
چو اندر سخن جادہ نو گزید
پیامش ز مشرق بہ مغرب رسید
سخن را در آمیخت چوں باعلوم
از و زندہ شد طرز مولائے روم
چو بلبل باہنگ کہسار ما
ز ہند آمد ایں طوطی خوشنوا

اس موقع پر ڈاکٹر اقبال جوابی تقریر کی جو بہت پر اثر تھی۔ واپسی پر ڈاکٹر صاحب اور ان کے ساتھی غزنی کے راستے آئے کیونکہ ڈاکٹر صاحب کو غزنی دیکھنے کا شوق تھا۔ وہ حکیم سنائی اور محمود غزنوی کے مزار پر حاضری دینا چاہتے تھے۔ ۳۰ر اکتوبر ۱۹۳۳ء کو دن کے ایک بجے وہ غزنی پہنچے۔ شام کو مزارات کی زیارت کی۔ قبروں اور مزاروں کے بارے میں معلومات رکھنے والے ایک شخص ملا قربان نے رہنمائی کی۔ علامہ کی حکیم سنائی سے عقیدت تھی، ان کے مزار کے سرہانے دیر تک

کھڑے رہے اور بے اختیار ہو کر آنسو بہاتے رہے۔ اسلام کے عظیم فرزند سلطان محمود غزنوی کا مزار دیکھا اور حضرت داتا گنج بخش لاہور کے والد ماجد کے مزار پر بھی حاضری دی۔ ۳۱ر اکتوبر کو غزنی سے روانہ ہو کر یکم نومبر کو قندھار پہنچے۔ خرقہ شریف کی زیارت اور قندھار کی سیر و سیاحت کی۔

۲ر نومبر ۱۹۳۳ء[۱۱] کو صبح آٹھ بجے ناشتہ سے فارغ ہوئے۔ روانگی سے قبل گورنر قندھار نے خشک میووں اور قندھاری انار کے ٹوکرے مہمانوں کو تحفہ کے طور پر بھیجے۔ نو بجے کے قریب قندھار سے چمن کی طرف روانہ ہوے۔ بارہ بجے قلعہ جدید پہنچے جو افغانستان کی آخری چوکی تھی۔ دوپہر کا کھانا یہیں کھایا۔ یہاں سرور خاں گویا اور دیگر شاہی ملازمین نے اقبال اور ان کے رفقا کو الوداع کیا اور موٹریں چندمنٹ کے اندر افغانستان کی سرحد کو پار کر کے انگریزی علاقہ میں داخل ہو گئیں۔

چمن میں اقبال اور ان کے رفقا کے آنے کی خبر پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ شہر کے دروازے پر ہی مسلمانوں نے ان کا استقبال کیا اور ایک ریستوران میں لا کر بٹھایا۔ اہالیان شہر کا تقاضا تھا کہ اقبال اور سید سلیمان ندوی ایک شب چمن میں قیام کریں اور مسلمانوں کے سامنے تقریریں کریں۔ لیکن ان حضرات نے معذرت کی۔ ریستوران میں مختلف خیال کے مسلمان جمع تھے جو سیاسیات کی مختلف راہوں سے آشنا تھے۔ وہ اقبال اور سید سلیمان ندوی سے طرح طرح کے سوالات کرتے رہے۔[۱۲] ڈاکٹر اقبال صاحب کے سکول کے زمانے کے ایک ہندو ہم جماعت بھی چمن میں ڈاکٹر تھے۔ انھوں نے بھی ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کی۔

علامہ سید سلیمان ندوی نے اپنی کتاب سیر افغانستان میں لکھا ہے کہ ہم لوگوں نے ایک دن بچانے کی خاطر چمن سے کوئٹہ تک ریل پر سفر کرنے کے بجائے موٹروں پر سفر کیا۔

علامہ سید سلیمان ندوی کی زبان سے سنیے:[۱۳]

عجیب اتفاق کہ راستہ تو یہ خطرناک درپیش تھا اور ڈاکٹر اقبال نے روحانیت کے ذاتی مشاہدات و تجارب اور ایک سچے پیر کی تلاش پر گفتگو شروع کر دی۔ گفتگو طرفین سے نہایت دلچسپ ہو رہی تھی۔ اس عہد کے مختلف شیوخ اور بزرگان سلاسل کا تذکرہ رہا۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب نے اپنے آغاز زندگی اور طالب علمانہ عہد کا ذکر چھیڑا پھر اپنے والد مرحوم کا تذکرہ کیا کہ وہ خود ایک صاحب دل صوفی تھے اور دین دار علما کی صحبت میں رہتے تھے۔ اس ضمن میں یہ معلوم ہوا کہ ہمارے جلیل القدر اسلامی شاعر کے حسیات خفتہ کے تاروں میں جس مضراب نے حرکت پیدا کی وہ خود ان کے والد ماجد کی ذات بابرکات تھی۔

اثنائے گفتگو میں ڈاکٹر صاحب نے اپنی طالب علمی کے عہد کے ایک قصہ کے اثنا میں اپنے والد

مرحوم کا ایک ایسا فقرہ سنایا جس نے میرے دل پر بے حد اثر کیا فرمایا کہ اپنے وطن سیالکوٹ میں صبح کی نماز کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کیا کرتا تھا ایک صبح کو نماز کے بعد حسب دستور میں تلاوت میں مصروف تھا کہ والد مرحوم ادھر آئے اور دریافت کیا کہ کیا کرتے ہو؟ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ میں اس وقت تلاوت کرتا ہوں۔ فرمایا جب تک تم یہ نہ سمجھو کہ قرآن تمھارے قلب پر بھی اسی طرح اترا ہے جیسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اقدس پر نازل ہوا تھا، تلاوت کا مزہ نہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے پوچھا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ فرمایا کہ جب بی۔ اے پاس کرلو گے تو بتاؤں گا۔ کچھ دنوں کے بعد جب انھوں نے بی۔ اے پاس کرلیا تو اس خوشخبری کے معاوضہ میں اس دن کی گفتگو کا حوالہ دے کر اس مقام کے حصول کی تدبیر پوچھی۔ مرحوم نے ان کو کچھ طریقے اور دعائیں تلقین کیں اور نوجوان بیٹے سے عہد لیا کہ وہ ہمیشہ اپنی زبان وقلم سے ملت محمدیؐ کی خدمت بجالاتا رہے گا۔

ڈاکٹر صاحب کی شاعری ان کے والد مرحوم کی زندگی ہی میں پورا فروغ پاچکی تھی اور ایک عالم ان کے نغمہ سے سرشار و مست تھا اور مسلمانوں میں وہ قیامت انگیز تاثیر پیدا کررہا تھا اور بالآخر باپ اپنے بیٹے کی اس عیسیٰ نفسی سے مسرور، ہوکر اس دنیا سے سدھارا۔

اس سفر میں علامہ اقبال کے ایک رفیق غلام رسول خان بیرسٹر بھی ہمراہ تھے۔

مغرب اور عشا کے درمیان جب تاریکی فضا کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی تو بجلی کے چراغوں کی روشنی دور سے قطار در قطار نظر آنے لگی۔۔۔۔ یہی کوئٹہ تھا۔۔۔۔۔ افغانی سفارت متعینہ دہلی کے نمایندے نے اس مختصر سے قافلے کے لیے یہاں کے ڈاک بنگلہ میں تین کمرے لے رکھے تھے۔ سب نے وہیں قیام کیا۔

تمام بستر اور سامان لاری پر تھا جو پیچھے رہ گئی تھی۔ کوئٹہ میں اس وقت خاصی سردی تھی۔ ڈاکٹر اقبال صاحب کے کمرہ میں آتشدان روشن تھا۔ اس لیے سب اس کے گرد بیٹھے لاری کی آمد کا انتظار کرتے رہے تھے۔ بالآخر دس بجے رات کے قریب لاری آئی اور سب نے شکر کا کلمہ پڑھا۔

سب نے کھانا ڈاک بنگلہ کے ڈائننگ روم میں کھایا۔ کھانا انگریزی تھا مگر بہت معمولی اور بہت خراب پکا تھا۔ ناچار پاؤ روٹی اور مکھن پر گزر کیا۔

اگلے روز صبح سید سلیمان ندوی اور سر راس مسعود باہر گئے تو خفیہ پولیس کے انسپکٹر نے جو کلاہ و دستار، کوٹ اور شلوار میں ملبوس تھا پوچھ گچھ کی۔

۱۰ بجے کے قریب سب لوگ ڈاک بنگلہ سے چل کر اسٹیشن آئے۔ انسپکٹر موصوف موجود

تھے۔ انھوں نے اسباب کے تلوانے اور ٹکٹ لینے میں مدد فرمائی۔ ۱۱ بجے کے قریب گاڑی آئی اور سب صاحبان آرام سے سوار ہو کر روانہ ہوئے۔[۱۴] ملتان تک سید سلیمان ندوی اور اقبال کا ساتھ رہا۔ سید سلیمان ندوی ملتان ٹھہر گئے۔ اقبال اسی روز رات کو اپنے گھر پہنچ گئے۔

۱۷/اکتوبر ۱۹۳۴ء کو جب علامہ سید سلیمان ندوی داستان سفر کی آخری سفر سے فارغ ہو چکے تو ڈاکٹر محمد اقبال کی تالیف ''مسافر'' ان تک پہنچ گئی۔ جو افغانستان کی چند روزہ سیاحت پر موصوف کے شاعرانہ جذبات کا مجموعہ ہے۔ فارسی زبان میں خیبر و سرحد و کابل و غزنین و قندھار کے عبرت انگیز مناظر و مقابر پر شاعر کے آنسو ہیں اور بابر ''سلطان محمود'' حکیم سنائی اور احمد شاہ درانی کی خاموش تربتوں کی زبان حال سے سوال و جواب ہیں۔ ''مسافر'' کا آغاز نادر شاہ شہید کے مناقب سے اور اختتام شاہ محمد ظاہر خاں سے اظہار توقعات پر ہے۔

اقبال کا سفر افغانستان

پروفیسر ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی فروغ اقبال (لاہور، ۱۹۹۶ء، ص ۳۷۴ تا ۳۷۸) میں لکھتے ہیں:

اعلیٰ حضرت غازی نادر شاہ، امیر افغانستان، مختلف مذہبی اور تعلیمی امور میں ہندوستان کے چند نامور دانشوروں کا مشورہ حاصل کرنا چاہتے تھے، چنانچہ اسی مقصد سے انھوں نے علامہ ڈاکٹر محمد اقبال، مولانا سید سلیمان ندوی، سر راس مسعود اور پروفیسر ہادی حسن کا انتخاب کیا اور علامہ اقبال نے بقیہ تینوں اصحاب کو اطلاع دے کر ان کی رضا مندی حاصل کی۔ جب ادھر سے رضا مندی کے خطوط آ گئے تو حضرت علامہ نے قونصل جنرل افغانستان کو مطلع کر دیا۔ بعد ازاں قونصل جنرل نے باضابطہ دعوت نامے بھیج دیے۔ قونصل جنرل کی اصل تحریک تو یہ تھی کہ جملہ مدعوین ۱۳/اکتوبر ۱۹۳۳ء کے جشن استقلال کے موقع پر کابل پہنچ جائیں لیکن اس قدر جلد پاسپورٹ کا ملنا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ جب ۱۷/اکتوبر ۱۹۳۳ء کو حضرت علامہ، پروفیسر ہادی حسن اور راس مسعود کو پاسپورٹ مل گیا تو ۲۰/اکتوبر کو لاہور سے اور ۲۱/اکتوبر کو پشاور سے روانگی کا پروگرام بن گیا لیکن سید سلیمان ندوی کو پاسپورٹ ملنے میں دیر ہوئی، اس لیے وہ ۲۵/اکتوبر کو پشاور سے روانہ ہوئے اور بعد میں پہنچے۔ مہمانان گرامی کے قیام کا انتظام کابل کے نئے شہر دارالامان کے شاہی مہمان خانے میں کیا گیا تھا۔ وہاں کی شاندار دعوتیں ہوئیں اور معزز لوگوں سے ملاقاتوں کا سلسلہ کئی دن تک جاری رہا۔ سب سے اہم ملاقات نادر شاہ کی تھی، جس کا ذکر حضرت علامہ نے

اپنی مثنوی مسافر میں کیا ہے۔ یہاں مثنوی کے منتخب اشعار درج کیے جاتے ہیں۔

قصر سلطانی کہ نامش دلکشاست
زائراں را گرد راہش کیمیاست
شاہ را دیدم دراں کاخ بلند
پیش سلطانے، فقیرے ، دردمند
خلق او اقلیم دلہا را کشود
رسم و آئین ملوک آنجانہ بود
جانم از سوز کلامش درگداز
دست او بوسیدم از راہ نیاز
شہریارے چوں حکیماں نکتہ داں
راز داں مدوجزر امتاں
در حضور آں مسلمان کریم
ہدیہ آوردم ز قرآن حکیم
گفتم ایں سرمایہ اہل حق است
در ضمیر او حیات مطلق است
نشہ حرفم بخون او دوید
دانہ دانہ اشک از چشمش چکید
گفت، نادر در جہاں بے چارہ بود
از غم دین و وطن آوارہ بود
غیر قرآں غمگسار من نہ بود
قوتش ہر باب راند من کشود
وقت عصر آمد صدائے الصلوۃ
آنکہ مومن راکند پاک از جہات
انتہائے عاشقاں سوز و گداز
کردم اندر اقتدائے او نماز
راز ہائے آں قیام و آن سجود
جز بہ بزم محرماں نتواں کشود

ان تمام تقریبات میں سب سے اہم تقریب وہ تھی، جو کابل کی انجمن ادبی نے مہمانوں کے اعزاز میں شب کو منعقد ہوئی۔ پہلے، انجمن کے صدر نشین نے کھڑے ہو کر فارسی زبان میں خیر مقدم کا ایڈریس پڑھ کر سنایا۔ اس کے بعد افغانستان کے مشہور شاعر، جناب قاری عبداللہ خاں نے ''خیر مقدم'' کے عنوان سے ایک نظم پڑھی، جس میں سب مہانوں کے محامد وا وصاف بیان کیے۔ حضرت علامہ سے متعلق اشعار درج ذیل ہیں۔

عزیزاں ز ہندوستان آمدند
در افغانستان میہماں آمدند
در آناں یکے دکتر اقبال ہند
سخن پرور و واقف حالی ہند
ادیب و سخن گستر و نکتہ سنج
سخن پرور و واقف حالی ہند
سخن رتبہ ارجمندی گرفت
چو اندر سخن جادہ نو گزید
پیامش ز مشرق بہ مغرب رسید
جو بلبل بہ آہنگ کہسار ما
زہند آمد ایں طوطئ خوش نوا

اس نظم کے بعد مہمانوں کی طرف سے پروفیسر ہادی حسن، سر راس مسعود اور علامہ سید سلیمان ندوی نے تقریریں کیں۔ سب سے آخر میں حضرت علامہ اقبال کھڑے ہوئے اور اپنے عالمانہ وفلسفیانہ انداز میں ان کی تقریر بہت موثر ثابت ہوئی۔

انجمن ادبی کابل کی دعوت کے بعد، کابل سے واپسی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ چونکہ علامہ اقبال کو غزنی دیکھنے کا بہت شوق تھا لہٰذا واپسی کے لیے پشاور کے بجائے غزنی وقندہار کے راستہ اختیار کیا گیا، اور ۲۰ راکتوبر کو کابل سے آٹھ بجے دن کو روانگی ہوئی۔ ایک بجے دن کے قریب غزنی پہنچے۔ سب مہمانوں نے بازار کی سیر کی۔ کھانا کھانے کے بعد آرام کیا۔ پھر غزنی کے قدیم آثار، عمارات اور مزارات کی سیر کے لیے ۳ بجے کے قریب نکلے۔ علامہ اقبال کو حکیم سنائی کا مزار دیکھنے کا سب سے زیادہ اشتیاق تھا۔ جب وہ ان کے مزار مبارک پر پہنچے تو سرہانے کھڑے ہو کر

فاتحہ پڑھنے اور دیر تک روتے رہے۔ پھر ان کے مطب کو بھی دیکھا جو ایک تنگ و تاریک گلی میں تھا۔ اس کے بعد سلطان محمود غزنوی کے مزار کی زیارت بھی کی۔ مزارات کی زیارت کے بعد حضرت علامہ کو، لاہور کے حضرت داتا گنج بخش کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی تلاش ہوئی۔ چنانچہ ملا قربان صاحب کی رہنمائی میں حضرت علامہ اور بعض دیگر حضرات دور تک پیادہ پا گئے اور زیارت کر کے واپس آئے۔ ۳۱/ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو غزنی سے روانگی ہوئی۔ یکم نومبر کو تمام مہمان قندھار پہنچے۔ جہاں ''خرقہ شریف'' کی زیارت کی۔ حضرت علامہ نے مثنوی مسافر میں خرقہ کا ذکر اس شعر میں کیا ہے:

لی خرقتان الفقر و الجہاد: (میرے دو خرقے ہیں ایک فقر، دوسرا جہاد)

قندھار کی سیر و سیاحت کے بعد ۲/ نومبر ۱۹۳۳ء کو ناشتے سے فارغ ہو کر آٹھ بجے صبح کو روانگی ہوئی اور افغانستانی سرحد ختم کر کے چمن میں داخل ہوئے تو شہر کے دروازے پر مسلمانوں نے استقبال کیا اور ایک ریستوران میں لا کر بٹھایا جہاں سیاست کی مختلف راہوں سے وابستہ لوگ طرح طرح کے سوالات کرنے لگے۔ حضرت علامہ کے سکول کے زمانے کے ایک ہندو کلاس فیلو جو یہاں ڈاکٹر تھے، ملنے آئے اور اپنا تعارف کرایا۔

سفر افغانستان کی روداد تو یہاں ختم ہوئی ہے۔ لیکن افغانستان میں سرور خاں گویا اور سردار صلاح الدین سلجوقی جیسے شاعر و ادیب، اقبال کے سچے قدر شناسوں میں تھے۔ جنھوں نے جون ۱۹۳۰ء میں ''انجمن ادبی'' کے زیر اہتمام ماہنامہ کابل جاری کیا تھا۔ اس مجلے میں ۱۹۳۱ء سے ۱۹۴۱ء تک اقبال کی شخصیت اور فکر و فن کے موضوعات پر بارہ مقالات شائع ہوتے رہے۔ جون ۱۹۳۲ء کے شمارے میں شاہزادہ احمد علی خاں درانی۔ ڈائریکٹر انجمن ادبی کابل، نے ''مشاہیر'' کے عنوان سے برصغیر پاک و ہند ایران و ترکی کے چار شعرا و ادبا کا تعارف کروایا ہے: اقبال، ٹیگور، بہار مشہدی اور نامق کمال۔ پہلا نام اور مفصل تر تعارف حضرت علامہ ہی کا ہے۔ مقالہ نگار نے فکر اقبال کے مختلف پہلوؤں کی پوری وضاحت کی ہے۔ جاوید نامہ اسی سال شائع ہوا تھا۔ اس پر جداگانہ تبصرہ کیا ہے۔

اقبال نے غالباً مجلّہ کابل والوں کی دعوت پر مندرجہ ذیل چھ شعر مع اپنی تصویر کے ''پیام بہ ملت کہسار'' کے عنوان سے انھیں بھیجے تھے:

صباجوی بہ افغان کوہسار از من
بمنزلے رسد آں ملتے کہ خود نگر است

بیابیا کہ بداماں نادر، تو بزیم
کہ مرد پاک نہاد است و صاحب نظر است
یک است ضربت اقبال و ضربت فرہاد
جز ایں کہ تیشہ مارا نشانہ بر جگر است

دسمبر ۱۹۳۲ء اور جنوری ۱۹۳۳ء کے ماہنامہ کابل میں جاوید نامہ کا ''خطاب بہ جاوید'' (سخنے بانژاد نو) تماماً چھاپا گیا تا کہ جوانان ملت اسلامیہ، حضرت علامہ کے حکیمانہ پیغام کو حرز جاں بنائیں۔

دسمبر ۱۹۳۳ء کے شمارہ کابل میں، انجمن ادبی کابل کی طرف سے مہمانان گرامی کی ضیافت کی مکمل روداد، اور ان کی تصاویر چھاپی گئیں۔ تینوں مشاہیر کی تقریروں کا فارسی میں ترجمہ شدہ متن بھی اس میں شامل ہے۔ اقبال کی مثنوی مسافر ان کے سفر افغانستان کی منظوم یادگار ہے۔ دسمبر ۱۹۳۴ء کے شمارہ کابل میں اس مثنوی کا توضیفی ریویو درج ہے، اور اس کے مختلف حصوں کا حسین انتخاب بھی شامل اشاعت ہے۔ ''انجمن ادبی'' کی طرف سے تبصرہ نگار لکھتا ہے کہ اقبال کی توجہ برصغیر کے مسلمانوں تک محدود نہیں بلکہ وہ سارے عالم اسلام پر محیط ہے۔ فارسی زبان وادب کو ناز کرنا چاہئے کہ آج اسے رومی، سعدی، حافظ اور بیدل کے بعد ''اقبال'' ملا ہے، جس میں ان سب کی خصوصیات یکجا ہیں۔

علامہ اقبال کی وفات پر مجلّہ کابل نے تعزیتی پیغامات اور متعدد مقالات کے علاوہ آخر میں سرور خاں گویا کا مرتب کیا ہوا، کلام اقبال کا ایک جامع انتخاب بھی شامل اشاعت کیا گیا ہے۔ فروری و مارچ ۱۹۳۹ء کے شمارہ کابل میں اقبال کی پہلی برسی پر ایک ادبی وشعری مجلس کی مفصل روداد درج ہے۔

ستمبر و اکتوبر ۱۹۳۹ء کے شمارے میں، ڈاکٹر سید عابد حسین کے اس گراں قدر مقالے کا فارسی ترجمہ پیش کیا گیا ہے، جو غلام دستگیر کی کتاب فکر اقبال میں شامل ہے اور اردو اشعار کا فارسی نثر میں ترجمہ بھی کیا گیا ہے بلکہ مناسب توضیحات کا اضافہ بھی ہے۔

یہ ہے افغانستان میں اقبال شناسی کی مختصر روداد۔

(ماخوذ از مجلّہ المعارف مئی ۱۹۷۷ء)

حوالہ جات

۱- شکریہ سید بادشاہ، سید عبدالغفور روڈ، ژوب۔
۲- پروفیسر شیخ عطاء اللہ، اقبال نامہ، حصہ اوّل، ص ۵۔
۳- محمد عبداللہ قریشی، روح مکاتیب اقبال، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۷۲۔
۴- محمد عبداللہ قریشی، روح مکاتیب اقبال، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۷۳۔
۵- بعنوان ''میری زبانی'' تحریر ۱۸ر ستمبر ۱۹۶۷ء، کوئٹہ۔
۶- محمد عبداللہ قریشی، روح مکاتیب اقبال، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۶۳۱۔
۷- کمال الدین احمد، صحافت وادی بولان میں، کوئٹہ، ۱۹۷۸ء، ص ۴۹۔
۸- سید سلیمان ندوی، سیر افغانستان، حیدرآباد دکن، پیش لفظ۔
۹- کلیات اقبال، (فارسی)، لاہور، ۱۹۷۸ء، ص ۸۵۷-۸۵۹۔
۱۰- اقبال کا سفر افغانستان، مجلّہ تعمیر نو، کوئٹہ ۱۹۹۱ء، ص ۱۵۷-۱۵۸۔
۱۱- جاوید اقبال، زندہ رود، (جلد سوم) لاہور، ۱۹۸۴ء، ص ۵۲۷۔
۱۲- جاوید اقبال، زندہ رود، (جلد سوم) لاہور، ۱۹۸۴ء، ص ۵۲۸۔
۱۳- سید سلیمان ندوی، سیر افغانستان، حیدرآباد دکن، ص ۱۷۸-۱۸۰۔
۱۴- ایضاً، ص ۱۸۱ تا ۱۸۴، ۲۰۲-۲۰۳۔

باب سوم

بلوچستان کے بعض صاحبان علامہ کی خدمت میں

بلوچستان کا وفد اور علامہ اقبال

جناب میر عبدالعزیز کرد[1] کا شمار بلوچستان کی تحریک آزادی کے چند ممتاز رہنماؤں میں ہوتا ہے۔ وہ قلات نیشنل پارٹی مستونگ کے صدر بھی تھے۔ انھوں نے ۱۹۳۳ء میں حضرت علامہ سے بلوچستان کے مسائل کے بارے میں ملاقات کی اور اس ملاقات کی تفصیلات اپنے مضمون ''قطب عالم، عارف ہند حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ، مطبوعہ روزنامہ احسان لاہور اقبال نمبر، ۳۰رمئی ۱۹۳۸ء میں بیان کیں۔ وہ لکھتے ہیں:

۔۔۔۔ میں سال ۱۹۳۳ء کے موسم برشگال میں اپنے ایک رفیق مسٹر محمد حسین عنقا کے ساتھ عصر کے وقت حضرت علامہ مرحوم کی بارگاہ میں پہنچا۔ ان دنوں آپ میکلوڈ روڈ لاہور پر ایک تقریباً شکستہ کوٹھی میں قیام فرماتے تھے، جو اگرچہ مسلمانوں کی ناقدروانی کا زبان حال سے رونا رو رہی تھی، لیکن بارگاہ قلندر ہونے کے شرف سے اس شکستہ کوٹھی کے در و دیوار پر ایک غیر مرئی نور برس رہا تھا۔ صحن میں داخل ہو کر میری آنکھوں نے وہاں کی پاکیزہ فضا سے ایک خاص طراوت قبول کی۔ ادب اور عقیدت کے لبریز جذبات کے ساتھ ہم کوٹھی کے برآمدے کے سامنے پہنچے۔ باہر ایک ملازم بیٹھا ہوا تھا۔ ہم جیسے ملنگوں کے پاس یورپین تہذیب کے مطابق کوئی ایسا کارڈ نہیں تھا جو ملاقاتی تقریبوں پر استعمال کیا جاتا ہے اس لیے میں نے کاغذ کے ایک پرزے پر لکھ بھیجا کہ آپ کے دو عقیدت مند بلوچ زیارت کا شرف حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ملازم یہ پرزہ اندر پہنچا کر جلدی واپس آیا اور ہم سے کرسیوں پر بیٹھنے کو کہا جو برآمدے کی ایک طرف خالی جگہ پر دیوار کے سائے میں بچھی ہوئی تھیں۔

ہم کو بیٹھے ہوئے چند ہی منٹ گزرے تھے کہ حضرت علامہ باہر تشریف لائے اور ''السلام علیکم'' کہتے ہوئے وسط کی خالی کرسی پر بیٹھ گئے۔ آپ ننگے سر تھے، بدن پر ایک سفید قمیض اور ایک سفید تہبند کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ آپ کے سرخ وسپید چہرے پر ایک خاص جاہ وجلال کا نور برس رہا تھا۔ آپ کو دیکھتے ہی ہم سروقد کھڑے ہو گئے۔ ہمارے دل آپ کے احترام میں جھک گئے۔ ہم نے اپنے ملکی اور قومی شرف کے مطابق آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور اپنی نشستوں پر ادب کے ساتھ بیٹھ گئے۔

اس دن کچھ بارش ہوئی تھی اور زمین نم آلود تھی۔ حضرت علامہ نے مزاج پرسی کے بعد فرمایا کہ ''آج موسم بہت اچھا ہے۔ کیا اس موسم میں بلوچستان میں بھی بارش ہوا کرتی ہے؟'' میں نے عرض کیا کہ ہاں بارش تو ہوا کرتی ہے لیکن بہت کم۔ اس کے بعد فرمایا ''کیا آپ لوگ یہاں کالج میں تعلیم پاتے ہیں؟'' میں نے عرض کیا ''نہیں جناب! ہم ملک اور قوم کا درد لے کر نکلے ہیں۔'' اس فقرے کو سن کر آپ ذرا چونکنے ہو گئے اور فرمایا کہ ''وہ کیسے؟'' میں نے عرض کیا ''بلوچستان دنیا کی تمام اقوام اور ممالک سے پسماندہ ہے۔ وہاں نہ تعلیم ہے اور نہ اصلاح وترقی کا اور کوئی ذریعہ۔۔۔! وہاں کے اکثر رسم ورواج شریعت اسلامیہ اور شرف انسانیہ کے سراسر خلاف ہیں۔ مثال کے طور پر میں نے خوں بہا کی وہ تفریق بیان کی جو براہوئی، بلوچ قبائل کے مقابلے میں جاموٹ اور دوسرے غریب فرقوں کو کم درجے پر رکھتی تھی (جس میں اب اصلاح ہوئی ہے۔) سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے میں نے زرولور یعنی دختر فروشی کا رونا رویا۔ انگریزوں کی طرف سے بلوچستان کو اصلاحات جدید سے محروم رکھے جانے کا واقعہ عرض کیا اور بتایا کہ ایک سال سے نواب یوسف علی خاں مگسی کی رہنمائی میں ہم چند ایک قوم پرست نوجوانوں نے بلوچستان میں اصلاح وترقی کی تحریک شروع کر رکھی ہے اور حکومت سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ ہندوستان کے دوسرے صوبہ جات کی طرح بلوچستان میں بھی آئینی اصلاحات نافذ کی جائیں اور حکومت خود اختیاری کا درجہ دیا جائے۔ مگر انگریزی حکومت کے کارندوں نے ہمارے مطالبات پر ہمدردانہ غور کرنے کی بجائے الٹا ہم کو تنگ کرنا شروع کر دیا ہے۔ ہماری نقل وحرکت پر پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں۔ ہم کو اپنے ملک کے اندر اخبارات جاری کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ پبلک جلسوں اور تقریروں پر سخت پابندیاں عائد ہیں۔ اس لیے میں اور میرے یہ رفیق ہندوستان کے اخبارات اور لیڈروں کی ہمدردی حاصل کرنے نکلے ہیں اور چند دنوں سے لاہور آئے ہوئے ہیں۔ متعدد اخبارات کے ایڈیٹروں سے ملے ہیں۔ ان کو حالات سے آگاہ کیا ہے اور آج آپ

کی خدمت میں حاضر ہو گئے ہیں تا کہ زیارت کا شرف حاصل کرنے کے ساتھ بلوچستان کے لیے ہم آپ کی ہمدردی بھی حاصل کریں۔

میرے رفیق مسٹر محمد حسین عنقا نے سرداروں کی جہالت، جرگہ کے مظالم اور بلوچستان کے طریقہ تعلیم کے نقائص واضح کیے۔

ہمارے بیانات کو حضرت علامہ پورے غور سے سنتے رہے اور ہمارے خاموش رہنے پر فرمایا ''مسلم لیگ اور مسلم کانفرنس تو بارہا آپ لوگوں کی ہمدردی میں ریزولیشن پاس کر کے مطالبہ کر چکی ہیں کہ بلوچستان میں اصلاحات نافذ کی جائیں۔ ہم آئندہ بھی اپنا فرض ادا کرتے رہا کریں گے اور ''انقلاب'' کے ایڈیٹر صاحب کو بھی کہہ دیا جائے گا کہ بلوچستان کے ''کاز'' کو خصوصیت سے ہاتھ میں لیں۔ کیا آپ لوگ ان سے ملے ہیں؟'' میں نے عرض کیا۔ ''ہاں'' ہم ان کے پاس گئے تھے لیکن مولانا غلام رسول مہر موجود نہ تھے۔ اس لیے صرف سالک صاحب کو حالات بتا کر آئے ہیں۔

حضرت علامہ نے فرمایا کہ ''ہم بلوچستان کے لیے اصلاحات کا مطالبہ تو کرتے ہیں، لیکن مغرب سے آئی ہوئی اصلاحات سے بیمار قوموں کو شفا حاصل نہیں ہو سکتی۔ آپ لوگ اگر صحیح معنوں میں اپنے ملک کی اصلاح اور ترقی چاہتے ہیں تو شریعت اسلامیہ کی طرف رجوع کریں۔

میں نے عرض کیا ''ہمارے مطالبات میں شریعت اسلامیہ کا نفاذ بھی شامل ہے۔ مغربی اصلاحات سے ہم کو یہ فائدہ پہنچے گا کہ خود غرض اور جاہل سرداروں کی بجائے قوم کے فہمیدہ اور بے غرض نمائندے پبلک ووٹوں کے ذریعے برسر اقتدار آ جائیں گے اور جب بلوچستان کو دوسرے صوبوں کی طرح حکومت خود اختیاری کا درجہ حاصل ہو جائے گا تو قوم کے منتخب نمائندوں کو آزادی حاصل ہو جائے گی کہ بلوچستان میں نفاذ شریعت کا قانون پاس کرا لیں۔

حضرت علامہ نے تائیدی انداز میں سر ہلاتے ہوئے فرمایا ''لیکن بلوچستان ہمارے لیے ایک معمہ بنا ہوا ہے۔ کہیں ہم کو برٹش بلوچستان کے نام سے روشناس کیا جاتا ہے اور کہیں قلات اور لسبیلہ کی ریاستوں کا نام لے کر ہم کو بتایا جاتا ہے کہ بلوچستان کے معاملات میں انگریز دخل نہیں دے سکتا۔ اس لیے ہم اچھی طرح نہیں سمجھتے کہ بلوچستان کی سیاسی پوزیشن کیا ہے؟

میں نے عرض کیا بلوچستان براعظم ایشیا کا ایک ایسا بدقسمت خطہ ہے جو ترکستان اور کردستان کی طرح مختلف سیاسی حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، یعنی جس طرح ترکستان کا ایک حصہ روس کے زیر نگیں ہے، ایک حصہ چین کے اور ایک حصہ افغانستان کے قبضے میں ہے۔ یا جیسا کہ کردستان تین حصوں میں تقسیم ہے جس کا مغربی حصہ خواس اور بم پور وغیرہ وغیرہ کے نام سے ایران کے

قبضے میں ہے، شمال میں ''ریگ اور گرم سل'' کے نام سے ایک وسیع میدانی علاقہ افغانستان کے تسلط میں ہے۔ برٹش بلوچستان کے نام سے چند ایک اضلاع جس میں کوئٹہ بھی شامل ہے، انگریزی حکومت کے غلام ہیں۔ ڈیرہ غازی خان بھی ایک بلوچی علاقہ ہے جس کو پنجاب کے ساتھ ملا دیا گیا ہے۔ سندھ میں کسی زمانے میں تالپور بلوچوں کی حکومت رہی ہے اور آج بھی سندھ میں بلوچوں کی غالب اکثریت ہے اور جیکب آباد وغیرہ چند علاقوں میں تو خالص بلوچ لوگ آباد ہیں، لہٰذا اگر سارا سندھ نہیں تو وہاں کے خالص بلوچ آبادی کے علاقے بلوچستان ہی کا ایک حصہ ہیں جن کو انگریزوں نے ہم سے علیحدہ رکھا ہوا ہے۔ مری اور بگٹی قبائل کے وہ علاقے انگریزوں کی رہنمائی میں جداگانہ طور پر اپنے سرداروں کے تسلط میں ہیں۔ درمیان میں صرف ایک ریاست قلات کا حصہ باقی رہ جاتا ہے جو بشمول خاران اور لسبیلہ کے اپنے داخلی نظم و نسق میں بنیادی طور پر اپنی حیثیت میں تو ایک خود مختار حکومت ہے لیکن عملی طور پر انگریزی نمائندوں نے اس کو اپنی منشا پر چلنے کے لیے مجبور کر رکھا ہے۔

حضرت علامہ نے فرمایا ''کیا کوئی ایسی جماعت نہیں ہے جو بلوچستان کے ان مختلف علاقوں کو ایک لڑی میں منسلک کر کے بلوچوں کی ایک متحدہ قومی حکومت بنانا چاہتی ہو'' میں نے عرض کیا کہ میں اور میرے چند رفقا ذاتی طور پر اسی نظریے پر قائم ہیں۔ چنانچہ پچھلے دنوں میں نے یہ سوال اخبارات میں بھی اٹھایا تھا۔ لیکن ہندوستان کے بعض اخبارات اور ہمارے بعض رفیقوں نے اس نظریے سے اتفاق نہیں کیا۔ اس لیے پھوٹ پڑنے کے خوف سے ہم نے فی الحال اپنے اس نظریے کو ملتوی کر رکھا ہے۔ آپ نے سوال کیا کہ ''آپ کے مخالف رفیق اپنی مخالفت کے جواز میں کیا دلیل پیش کرتے ہیں؟

میں نے عرض کیا'' وہ کہتے ہیں بلوچستان ایک کوہستانی بنجر علاقہ ہے جس کی آمدنی بہت کم ہے اور ہرگز اس قابل نہیں کہ ایک آزاد حکومت کے اخراجات کو برداشت کر سکے۔

حضرت علامہ نے فرمایا ''اس دلیل کا آپ کے پاس کیا جواب ہے؟'' میں نے عرض کیا ''اگرچہ بلوچستان زیادہ تر خشک اور بنجر علاقہ ہے جس میں زرعی آمدنی بہت کم ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ بلوچستان کے مختلف علاقوں میں پٹرول، کول تار، مٹی کا تیل وغیرہ کے بہت سارے چشمے دریافت ہوئے ہیں اور وہاں لوہا، گندھک وغیرہ کی کانیں بھی کثرت سے ہیں اور جنوب کی طرف بلوچستان کو قدرت نے بحیرہ عرب کے ساحل پر بندرگاہوں کے لیے بہت اچھے اچھے مقامات عطا کیے ہیں۔ تیل کے چشموں اور دوسری معدنیات کو بروئے کار لانے سے،

ساحلی بندرگاہوں کی۔ بحری آمدنی کو منظم کرنے سے، ملک میں صنعت وحرفت کے کارخانے کھولنے سے اور زراعت وآبپاشی کے موجودہ پرانے طریقوں کو سائنس کے تازہ اصولوں پر ترقی دینے سے چند سالوں کے اندر اندر بلوچستان کی آمدنی کروڑوں تک پہنچ سکتی ہے جو ایک آزاد حکومت کے اخراجات کو بآسانی برداشت کر سکے گی۔

آپ نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا کہ ''میں نے بلوچستان کا ایک حصہ دیکھا ہے۔ یعنی قبیلہ مری کے علاقے کا ایک حصہ اور لورالائی وغیرہ کے علاقے، جب کہ میں نے اپنے بھائی کے ایک مقدمہ کی پیروی میں وکالت کے فرائض انجام دینے کے لیے وہاں کا سفر کیا تھا۔ میرا بھائی وہاں پولیٹیکل ایجنٹ ژوب کے دفتر میں کلرک تھا اور اس پر ایک مقدمہ چلایا گیا تھا۔

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ''میں نے بلوچی قبائل کی فطرت کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور اس کے متعلق بعض انگریزی کتابوں میں بھی کچھ پڑھا ہے۔ بلوچستان کی شجاعت بے نظیر ہے مگر افسوس ہے کہ وہ اپنی شجاعت کو خانہ جنگی میں ضائع کر رہے ہیں۔ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ قبیلوں کی خانہ جنگیوں میں بلوچ بڑی دلیری اور بے جگری سے لڑتے ہیں اور تلوار کے جوہر خوب دکھاتے ہیں۔ ایک پکا بلوچ مرنے سے کبھی خوف نہیں کھاتا۔ مگر نقص صرف یہ ہے کہ وہ آپس میں لڑ کر ایک دوسرے کو موت کے گھاٹ اتار دیا کرتے ہیں۔ اس سے ایک طرف تو ان کی شجاعت کا غلط استعمال ہو رہا ہے اور دوسرے وہ آپس میں کٹ مر کر کمزور ہو رہے ہیں۔ بلوچستان کی مردم شماری پر بھی اس کا لازمی طور پر خراب اثر پڑا ہوگا اور سب سے بڑی خراب بات یہ ہے کہ قبائل اور خاندانوں کے درمیان ایسی عداوت پیدا ہو جاتی ہے جو پشت ہا پشت تک چلی جاتی ہے۔ ضرورت ہے کہ بلوچوں کی شجاعت کا رخ تبدیل کر دیا جائے، یعنی آپس کی لڑائیوں اور ایک دوسرے کے ہاتھوں کٹ مرنے کی بجائے ان کو یہ بات سکھانا چاہیے کہ اپنے ملک اور قوم کے دشمنوں سے مردانہ جہاد کریں اور اپنے ملک کو آزاد کرا کر دم لیں۔

سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ''تیل کے چشموں اور معدنیات کے متعلق میں نے بھی کسی انگریزی کتاب میں کچھ پڑھا ہے۔ یہ واقعی ٹھیک ہے کہ بلوچستان کے پہاڑوں میں تیل کے چشموں اور اعلیٰ درجے کے لوہے اور دوسری معدنیات کی صورت میں بے شمار خزانے مدفون ہیں، جن سے فائدہ اٹھا کر بلوچستان نہ صرف اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکتا ہے بلکہ دنیا کی دوسری قوموں کے ساتھ ایک ممتاز درجہ حاصل کر سکتا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ دنیا پر کوئلے کی حکومت تھی۔ برطانیہ کے پاس سب سے زیادہ کوئلہ تھا اس لیے وہ سائنس اور کوئلے کی مدد سے ساری دنیا پر غلبہ پا گیا۔ لیکن

آج کوئلے کی جگہ پٹرول نے لے لی ہے۔ آج وہی قوم خوش حال اور مضبوط رہ سکتی ہے جس کے پاس سائنس اور پٹرول ہو۔ تم بلوچوں کو چاہیے کہ سائنس سیکھو۔ اپنے قدرتی خزانوں کو (یعنی معدنیات کو) ہاتھ سے نہ جانے دو اور ان کو اغیار و اجانب کے تصرف سے آزاد رکھنے کی کوشش کرو۔ اگر حالات نے تمھاری مساعدت کی اور تم لوگ ان قدرتی نعمتوں سے مستفیض ہو سکے تو بلوچستان کسی زمانے میں ایسی ترقی کر جائے گا جس کا آج تم لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے۔

اس کے بعد مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی مثلاً کانگرس اور مسلمانوں کے تعلقات، مجلس اقوام اور دنیا کی بین الاقوامی سیاسیات اور نپولین کے قبول اسلام کے نظریے پر خاص طور پر گفتگو ہوئی۔

آخر میں میں نے جرات کر کے عرض کیا: ''ڈاکٹر صاحب! آپ کی تعلیمات نے ملت اسلامیہ میں نئی روح پھونک دی ہے۔ ہم صدیوں سے خواب غفلت میں پڑے ہوئے تھے، آپ نے ہم کو جگایا ہے۔ تہذیب نفس، مکارم اخلاق، حسن عمل اور تکمیل انسانیت کے تمام اسرار و رموز سے آپ نے ہمیں آگاہ کر دیا ہے۔ لیکن ہم سب کو آپ سے یہ شکایت ضرور ہے کہ عملی طور پر آپ نے کوئی کام نہیں کیا۔

آپ نے فرمایا ''بیٹا! کیا میرا یہ عمل تھوڑا ہے کہ میں نے آپ لوگوں کو ایک گہری نیند سے جگا دیا ہے اور تمھارے سامنے ''کردار و عمل'' کا ایک راستہ تیار کر کے رکھ دیا ہے۔ اب یہ تمھارا کام ہے کہ اس راستے پر چلو اور میری تعلیمات پر عمل کرو۔ میرا کام تمہیں درس دینا ہے۔ آگے یہ تمھارا کام ہے کہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر مردانہ وار جہاد کرتے پھرو۔ دنیا میں آج تک کوئی ایسی ہستی پیدا نہیں ہوئی جس نے خود ہی ایک نظریہ قائم کیا ہو اور خود ہی اس پر عمل پیرا ہو کر اس کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا ہو۔ کیا تاریخ میں آپ کوئی ایسی نظیر پیش کر سکتے ہیں؟

ایک لمحہ توقف کیے بغیر سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے اس مرد باخدا نے فرمایا ''ہاں البتہ ایک ہستی ضرور ایسی گزری ہے جس نے خود ہی ایک نظریہ پیش کیا اور خود ہی اس کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا۔ جانتے ہو وہ کون تھا۔۔۔؟ وہ محمد ﷺ عربی تھا۔۔۔۔ یا پھر موسیٰ۔۔۔۔

محمد ﷺ عربی کا جملہ اس عارف کامل نے ایک ایسے پرسوز اور دردناک لہجے میں ادا کیا کہ شدت تاثیر سے میری آنکھیں بند ہو گئیں اور جب میں نے آنکھیں کھولیں تو حضرت علامہ اقبال کی نگاہیں ہمارا جائزہ اس طرح سے لے رہی تھیں۔ جس طرح ایک شکاری اپنے شکار پر تیر چھوڑنے کے بعد جائزہ لیتا ہے کہ نشانہ ٹھیک بیٹھا ہے یا نہیں۔ میں نے عرض کیا ''بجا ہے جناب! میں قائل ہو گیا ہوں۔ آپ نے ملت اسلامیہ کو بیدار کر کے واقعی بہت بڑا عمل کیا ہے۔ ایک ایسا عمل جس کی نظیر کوئی نہیں۔'' چونکہ اسی دن شام کو ہمیں دہلی جانا تھا اور وقت کم رہ گیا تھا اس لیے ہم نے بادل ناخواستہ حضرت علامہ سے رخصت چاہی اور اٹھ کر چلے آئے۔۔۔

حاجی غلام سرور بارکزئی علامہ کے حضور

بلوچستان کے ایک عالم باعمل اور درویش باصفا حاجی مولانا غلام سرور[۲] بارکزئی علامہ اقبال کے عقیدت مندوں اور پرستاروں میں سے تھے۔ اسی عقیدت کیشی کے باعث انھوں نے مستونگ (کوئٹہ سے بتیس میل اور قلات ڈویژن کا مشہور شہر) سے لاہور کا سفر کیا تھا۔ وہ علامہ موصوف کو ایک عظیم شاعر اور ایک ولی اللہ مانتے تھے اور ان کی تخلیقات کو "ہست قرآن در زبان اُردو و فارسی" سمجھتے تھے۔

حاجی غلام سرور بارکزئی کہا کرتے تھے کہ "ان دنوں ہر شخص کی زبان پر علامہ اقبال کا نام تھا۔ چونکہ میں بھی فارسی زبان سے اچھی طرح واقف تھا اس لیے میرے دل میں انھیں ملنے کی آرزو پیدا ہوئی۔" یہی آرزو کشاں کشاں حاجی صاحب موصوف کو علامہ اقبال کے آستانے پر لے گئی۔ دستک دی، گو اس زمانے میں علامہ کی طبیعت ناساز تھی پھر بھی آپ نے خود ہی دروازہ کھولا۔ حاجی غلام سرور نے دیکھتے ہی بے قابو ہو کر زور سے السلام علیکم کہا۔ سلام کا جواب فوراً دینے کی بجائے علامہ نے چند ثانیہ تک نو وارد کی طرف دیکھا اور پھر اچانک فرمایا: مرحبا وعلیکم السلام اے درویش!" یہ لفظ تا دم مرگ حاجی غلام سرور کے کانوں میں گونجتے رہے۔ ساتھ ہی حاجی سرور نے علامہ کی پرنم آنکھیں دیکھیں تو بھانپ گئے کہ یہ صرف شاعر ہی نہیں بلکہ ولی اللہ ہیں۔ ان کے سامنے یہ شعر پڑھا:

ہر عاشق کہ کاسہ چشمش پر ز آب نیست
بی اشک دیدہ ہیچ دعا مستجاب نیست

یہ سن کر علامہ مسکرائے اور مہمان کو اندر لے گئے۔ حاجی سرور کو جس کمرے میں بٹھایا گیا وہ جدید آرائش سے مزین تھا اور یہ کرسیوں پر بیٹھنے کے عادی نہ تھے اس لیے خیال کیا کہ علامہ سے کہہ دوں کہ میرے لیے ایک چارپائی کا بندوبست کریں تاکہ میں سہولت سے بیٹھ سکوں۔ ساتھ ہی ساتھ ذہن میں یہ خیال بھی ابھرا کہ یہ شاعر دوسروں کو تو سادہ زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتے ہیں مگر خود پر تکلف مکان میں اقامت گزین ہیں۔ اس روش کا فقیر سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ ابھی حاجی سرور اسی ادھیڑ بن میں تھے کہ علامہ اچانک کھڑے ہوئے اور اندر تشریف لے گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد علامہ حاجی سرور کو ایک ایسے سادہ کمرے میں لے گئے جہاں ایک چٹائی بچھی ہوئی تھی اور ایک چارپائی موجود تھی۔ علامہ نے فرمایا: لیجیے یہ درویشوں کا کمرہ ہے۔

آپ کی سہولت کے لیے چارپائی حاضر ہے۔ یہاں استراحت سے رہیے۔ اب آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی۔ یہ سن کر حاجی سرور ان کا اور قائل ہو گیا۔ پھر مختلف موضوعات پر گفتگو ہونے لگی۔ جوں جوں دوپہر کے کھانے کا وقت قریب آ رہا تھا حاجی غلام سرور کو یہ فکر دامن گیر ہو رہی تھی کہ کھانا کس ہوٹل میں جا کر کھائے۔ کیونکہ لاہور شہر سے واقفیت نہ تھی اور پھر دانت بھی قریباً گر چکے تھے۔ اس لیے ایسی غذا کی طلب تھی جسے زیادہ دیر تک چبانا نہ پڑے۔ حاجی سرور انھی خیالات کے چکر میں تھے کہ علامہ اقبال نے مسکرا کر فرمایا کہ مولانا صاحب! کھانے کا تردد نہ کریں۔ اس وقت دودھ اور چاول حاضر ہیں اور رات کو انشاءاللہ شوربہ ملے گا۔ اس پر حاجی سرور کی علامہ سے عقیدت مندی میں اور اضافہ ہو گیا۔ انھی دنوں میں علامہ اقبال نے کہا تھا:

سرود رفتہ باز آید کہ ناید؟
نسیمے از حجاز آید کہ ناید؟
سر آمد روزگار ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ ناید؟

اس پر حاجی سرور نے یہ اشعار موزوں کر کے علامہ اقبال کو سنائے:

نہ افغان دگر دیوانہ باز آید کہ ناید
چنین حق گو سخن مردان باز آید کہ ناید
بسر شد زندگانی در جنونے
دگر مجنون فرزانہ باز آید کہ ناید

علامہ نے ان اشعار کو پسند فرمایا اور حاجی سرور خوشی سے جھوم اٹھے اور پھر ان کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ قوم کو بیدار کرنے کا پیغام تو دے رہے ہیں لیکن ہندوستان کے تیرہ بخت اور نابینا اس پیغام سے بینا نہ ہو سکیں گے:

از گفتہ اقبال سالک ہندوستان بینا نشود
چشم کور شپ پرہ بینا نہ کند توتیا

یہ سن کر علامہ اقبال نے فرمایا کہ مجھے یقین ہے کہ میری یہ خفتہ قوم ضرور جاگ اٹھے گی۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ میری قوم کا مستقبل درخشاں ہے۔ صرف وقت درکار ہے:

میں نے تو کیا پردۂ اسرار کو بھی چاک
دیرینہ ہے ترا مرض کورنگاہی

جب حاجی غلام سرور بارک زئی واپس لوٹے تو علامہ اقبال نے ستر روپے بطور زاد راہ دیے۔ جتنا انکار کیا اتنا ہی اصرار بڑھا۔۔۔حتیٰ کہ حاجی موصوف کو پیسے لینے پڑے:

نہ تاج و تخت میں، نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے

میر یوسف علی خاں عزیز کی ڈاکٹر محمد اقبال سے اثر پذیری

بلوچستان میں سیاسی بیداری کے علمبردار اور مرد مجاہد میر یوسف علی خان عزیز مگسی (۱۹۰۸ء تا ۱۹۳۵ء) علامہ اقبال سے بڑے متاثر تھے۔ میر محمد امین خان کھوسہ، اپنے مضمون ''بلوچستان کے اولین انقلابی راہنما''[۳] میں لکھتے ہیں: ''بلوچستان کا اولین اولوالعزم نوجوان صاحب دل راہنما یوسف اعظم بلوچوں کے ایک سردار خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ نوجوان دنیا کی سب رعنائیوں سے واقف ہیں۔ سندھ، بلوچستان اور پنجاب کی مختلف بڑی بڑی سوسائٹیوں کی اصلی زندگی سے واقفیت حاصل کرنے میں یکا یک ان کی دل کی گہرائیوں میں سے ایک سوال اٹھتا ہے کہ ان کی مادر وطن، صوبہ بلوچستان اور ان کی قوم کیوں بظاہر ذلیل و خوار ہے، ان کی جہالت کیوں ان کی باہمی جنگ وجدل کا باعث بنی ہوئی ہے۔

انھی سوالات کے جوابات پر جب وہ غور وفکر کر رہے تھے تو انھیں علامہ اقبال کا کلام دستیاب ہوا۔ اقبال کے کلام میں ایک صحیح آدمی کے صحیح جذبات کے ابھارنے کی پوری طاقت موجود ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ آدمی بھی صحیح ہو اور جذبات بھی صحیح ہوں۔ شکوہ اور جواب شکوہ اور اقبال کی دیگر نظمیں اس نوجوان سردار کی سیاسی راہنما بنیں اور آناً فاناً یہ ناز ونعم میں پلا ہوا نوابزادہ اپنی قوم میں سے جہالت اور مفلسی دور کرنے کے خیال سے بلوچستان کے استبدادی حلقہ پر یلغار کرتا ہے۔

یوسف عزیز نے اہل بلوچستان کو ابھارنے کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے۔ خود قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ قید خانے میں پیام مشرق[۴] کا مطالعہ کرتے رہے۔ جو کاپی ان کے زیر مطالعہ رہی اس پر بعض مقامات پر اپنے خیالات کو بھی درج کیا ہے۔ جیسے صفحہ ۸ کے بعد اور لالہ طور کے مقابل لکھا ہے:

احساسات

تو نے بدی کی ۔۔۔۔۔میرے لیے نیکی ثابت ہوئی۔
اس صلہ کے عوض میری دعا ہے کہ خدا تجھے جزائے خیر دے۔
اور تجھے بد کرنے کے عوض نیکی کرنے کی طاقت دے۔
تو اچھا کرے اوروں کے لیے بھی اچھا ثابت ہو۔
بہتر ہے اس سے کہ تو بد کرے۔اوروں کے لیے نیک ثابت ہو۔

از عزیز ۳۰۔۲۔۲۲
مستونگ جیل

زندگی سوز و ساز بہ ز سکون دوام
فاختہ شاہین شود از تپش زیر دام

(اقبال)

صفحہ نمبر ۹۲ کے بعد افکار کے صفحہ پر (رباعی نمبر ۱۶۲،۱۶۳)
اس کے میں قربان ہوں جس نے مجھے رسوا کیا
میری خوابیدہ تمناؤں کو پھر برپا کیا

از عزیز مستونگ جیل
۳۰۔۲۔۲۲

صفحہ نمبر ۹۴ پر افکار (گل نختیں کے مد مقابل)
کیا کیا ہے چاہیے مجھے کیا کیا نہ چاہیے
یہ چاہیے مجھے نہیں وہ اور چاہیے

مصنفہ عزیز

ایک دوست مطلوب ہے جو انسان ہو، صرف شکل کا انسان نہ ہو بلکہ اصلیت میں انسان کہلانے کا مستحق ہو۔ ہاں۔ ہاں وہی صرف وہی میری اجڑی ہوئی بستی کو آباد کر سکتا ہے۔ صرف وہی میرے غیر مطمئن قلب کو ایک ابدی تسکین دے سکتا ہے۔ کبھی میں صنم بن کر اس سے پوجا کرواؤں کبھی آذر بن کر اس کی پوجا کروں ۔۔۔۔از عزیز

گر صنم اورا شوم گہ آذرش

ازاقبال

سبی: ۳۰-۱-۲۲

انگریزی میں لکھا ہے یوسف علی عزیز

صفحہ نمبر۱۶۴تہذیب کے مقابل، مے باقی (غزلیات صفحہ ۱۶۵ پر)

قوم براہویاں بلوچاں جاہل اند
تعلیم پیر مغرب داواست بے حیائی

صفحہ نمبر ۱۶۶ مے باقی کے مقابل:

الله جميل و يحب الجمال

ترجمہ: اللہ حسین ہے اور محبت رکھتا ہے حسن سے

ازعزیز مگسی
(قرآن)

صفحہ نمبر۲۲۲ طواف کعبہ زدی
محبت نعمت رہی ہے
نقش فرنگ کے مقابل

مسجود چاہتا ہوں میں ایک جلوہ جمیل
یک شکستگی ارزو بصد ہزار درست

مصنفہ عزیز

صفحہ نمبر۲۲۴ کے مقابل

مادیت کے ذریعہ اپنے مقصد کی تکمیل چونکہ سخت دشوار تھی اس لیے قدرت نے مجھے جسمانی قید عطا کی تا کہ مادیت کی شکستہ کشتی کا بھروسہ چھوڑ کر روحانیت کی فضا میں سرگرم پرواز بن کر ضیائے کامرانی سے اپنے قلب کی تاریک گہرائیوں کو منور کر کے روحانیت کے سبک سیر جہاز پر قطع منازل کروں۔

مجھے یقین ہے کہ یہی ایک واحد اور موثر ذریعہ ہے تکمیل مقصد کا۔

ازعزیز مستونگ جیل

۳۰-۲-۲۲

کراچی سے مختلف اخبارات[۵] (البلوچ، بلوچستان، بلوچستان جدید اور ینگ بلوچستان) جاری کیے جو یکے بعد دیگرے ضبط ہوتے گئے۔ مئی ۱۹۳۲ء میں یوسف عزیز نے بلوچستان کی آواز کے نام سے ایک پمفلٹ طبع کرا کر برطانوی پارلیمان لندن کو بھجوایا۔ اپنے احباب کو اُردو میں بے شمار خطوط تحریر[۶] کیے جو نہ صرف ان کی اپنی شخصیت کے آئینہ دار ہیں بلکہ مسلمانوں کے بارے میں اصلاحی تقاضوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ انھوں[۷] نے اسلام کے سماجی فلسفے کی روح تک پہنچنے کی کوشش کی۔ یہ روح ان کے الفاظ میں اس طرح بیان ہو سکتی ہے:

خدائے قدوس کے نزدیک انفرادی زندگی کی صلاحیت جماعتی منفعت کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ قرآن مجید میں جہاں کہیں ہمیں طریق استدعا بتایا گیا، وہ جماعت کی طرف سے ہے، فرد کی طرف نہیں، سورہ فاتحہ کو دیکھیے اھدنا الصراط المستقیم۔ اھدنی الصراط المستقیم نہیں۔ انعمت علیھم اور غیر المغضوب علیھم یہ سب جمع کے صیغہ جات ہیں۔۔ گویا یوسف عزیز کے خیالات کے مطابق اسلام کا سماجی فلسفہ یہ تھا کہ انفرادی مفاد اجتماعی مفاد کے تابع ہو۔

یوسف عزیز نے اپنے علاقے میں فلاح و بہبود کے متعدد کام کیے مثلاً کھیرتر نہر بنوائی، ایک قصبے کی بنیاد رکھی اور سکول قائم کیا۔ اس زمانے میں پچاس ہزار روپے کی ذاتی عطیے سے ''جامعہ یوسف عزیزیہ'' جیسی دینی درسگاہ[۸] قائم کی۔ مزید برآں غریبوں کے لیے شفاخانہ اور دارالاقامہ کا انتظام کیا۔

مختصراً یوسف عزیز نے جہاں اپنی دوسری گونا گوں صلاحیتوں کو قومی بیداری و ترقی کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ وہاں انھوں نے اپنی شاعرانہ صلاحیت کو بھی اسی عظیم مقصد کے حصول کے لیے استعمال کیا۔

چنانچہ انتظار حسین[۹] کا یہ کہنا برمحل ہے کہ یوسف علی عزیز کی شاعری کے ذریعے ہم بلوچستان کے سیاسی شعور کا اس وقت کے ہندوستان کے اس بھرپور سیاسی شعور سے رشتہ پیوست ہوتے دیکھتے ہیں جس کا اُردو میں علامہ اقبال، مولانا ظفر علی خاں اور دوسرے ان گنت چھوٹے بڑے شاعروں کے واسطے سے اظہار ہو رہا تھا اور جس کی بنا پر اُردو ہندوستان کی تحریک آزادی کی اور آگے چل کر تحریک پاکستان کی زبان بن گئی۔

یوسف عزیز کے چند شعر یہ ہیں:

میں اگر چاہوں تو ذرے کو بیاباں کر دوں
قطرہ آب میں پیدا سر طوفاں کر دوں
پھر وہی بھولا سبق یاد دلاؤں سب کو
ہر بلوچی کو غرض عامل قرآں کر دوں
جی میں آتا ہے کہ پھر طور کو آباد کروں
آتش دل سے پہاڑوں میں چراغاں کر دوں
گاندھی و مالوی کے وعظ دھرے رہ جائیں
میں اگر قول محمدؐ کو نمایاں کر دوں
جوش میں آ کے اگر نعرہ اللہ ماروں
حق و باطل کے تفاوت کو نمایاں کر دوں
میں وہ مجنوں ہوں اگر چاہوں جہاں کو یکسر
طرہ یار کی مانند پریشاں کر دوں
اس قدر شعلہ فشاں بزم جہاں میں ہو جاؤں
ذرے ذرے میں بپا حشر کا ساماں کر دوں
میں وہ مالی ہوں، اگر کھول دوں دل کی سوتیں
خشک صحراؤں میں پیدا گل و ریحاں کر دوں
اس ایقانِ براہیم کا وارث ہوں عزیز
اب بھی آتش کو اگر چاہوں گلستاں کر دوں

قسم اس درد کی، حصہ میں آیا جو نبوت کے
قسم اس جوش کی، پہلو میں آیا جو محبت کے
قسم ہے ان نیازوں کی جو نازِ عشق بن جائیں
قسم ہے ان نمازوں کی جو نازِ عشق بن جائیں
قسم ہے امیِّ بطحا کے ایثار و شجاعت کی
شکم پر سنگ خارا باندھنے والی سخاوت کی

کہ اپنے ملک سے داغ غلامی دھو کے چھوڑوں گا
بلوچستان کو آزادی کی مے پلوا کے چھوڑوں گا
میں پھر انداز نو سے نغمہ حب وطن گا کر
سکوت اندوز تار اسلام کا بجوا کے چھوڑوں گا
سبق دے کر اخوت کا، شجاعت کا، محبت کا
میں پھر بگڑی بلوچستان کی بنوا کے چھوڑوں گا

سن او[۱۲] غلامی کیا ہے تو
اک پیکر لعنت ہے تو
جس قوم پہ نازل ہے تو
اس قوم پہ ذلت ہے تو
اے مطرب نغمہ نواز
یہ نغمہ ہائے حریت
سن او بلوچی قوم سن
اٹھ اور آنکھیں کھول دے
اے مست سکر و نوم سن
اے مطرب نغمہ نواز
فقط دانائیوں ہی سے مرادیں بر نہیں آتیں
ضرورت ہے کہ داناؤں میں اک دیوانہ ہو جائے
ضرورت ہے وطن کو ایک ایسے مرد کامل کی
کہ دست جنس آزادی کا جو بیعانہ ہو جائے
ضرورت ہے اک ایسے کاسہ سر، شعلہ دیدہ کی
شراب آتش الفت کا جو پیمانہ[۱۳] ہو جائے
کرم ہے تیغ جفا کا بقدر وسعت شوق
جسے ہو ذوق تماشا کفن بدوش[۱۴] آئے

اب آگے مرحلہ آتا ہے سخت کوشی کا
ہمارے ساتھ نہ اب کوئی عیش کوش آئے

یوسف عزیز کی ایک اور بے نظیر نظم "پیغام عمل"[۱۵] کے چند شعر ملاحظہ فرمایئے۔

ہوئی حق کی خلافت تم کو عطا، مایوس نہ ہو، اٹھ ہمت کر
پھر نعرہ باطل سوز سے تو دنیا کو جگا، اٹھ ہمت کر
وہ زیب عرب، وہ فخر عجم روتا ہے تمھاری غفلت پر
اٹھ تھام لے باگیں دنیا کی، غازی کہلا، اٹھ ہمت کر
ہے وقت عجب امت پہ پڑا، تاخیر کے معنی موت کے ہیں
تاخیر نہ کر، تعجیل سے اٹھ، ایمان سے اٹھ، اٹھ ہمت کر
معمور گناہوں کی دنیا کسی مرد خدا کی تاک میں ہے
اے ارض خدا کی قوت اٹھ، دنیا کو سنوار، اٹھ ہمت کر
اس عالم رنگ و بو میں اگر آئی ہے خزاں تو خیال نہ کر
کر اور نیا تعمیر جہاں، معمار جہاں! اٹھ ہمت کر
بدیوں کے سلاسل کی کڑیاں اندر سے تو یہ سب کھوکھلے ہیں
بس ایک ضرب تکبیر کی پھر اے سیف خدا، اٹھ ہمت کر
فاروقی سطوت لے کر اٹھ، اور خالد کی پھر سیف بھی تھام
اے نائب حق فتنے کو مٹا، فتنہ ہے بڑا، اٹھ ہمت کر
تو فرزند توحید ہے گر، توحید پہ کٹ، توحید پر مر
سرمایہ ترا، سامان ترا ہے، ذات خدا، اٹھ ہمت کر
اعلون ہے تو، پر شرط ہے یہ، ایماں کی شعاعیں پیدا کر
اور دل کی امنگوں سے گرما، اے حزب خدا، اٹھ ہمت کر

علامہ اقبال نے فرمایا تھا:

تیر و سنان و خنجر و شمشیرم آرزواست
بامن میا کہ مسلک شبیرم آرزواست

یوسف عزیز گویا ہوئے:

بلوچم و شجاعت بلوچم آرزو است
خیزید! باز نعرہ اسلام آرزو است

ڈاکٹر اقبال کے ایک اور عقیدت مند

بلوچستان کی ایک اور معروف شخصیت سردار بہادر نواب اسد اللہ[۱۶] خاں رئیسانی (سراوان کے سردار اعلیٰ، سر سردار اسد اللہ خاں کے پوتے، نواب میر مہر اللہ خاں کے نواسے، سابقہ ریاست قلات کی کونسل کے رکن اعلیٰ، تمام بلوچستان کے نمایندے اور منجانب سابقہ ریاست قلات خط و کتابت میں ان کا ''محبّ صمیم'' کے لقب سے مخاطب کیا جاتا تھا) بھی علامہ اقبال کے بڑے گرویدہ تھے۔

۳ رمئی ۱۹۳۲ء کو ہز ہائنس نواب بہادر سر میر محمد اعظم خان صاحب خان قلات کا دربار تاجپوشی منعقد ہوا تھا۔ جس میں پہلے خان صاحب موصوف نے اُردو میں تقریر کی۔ پھر سرداران و خواتین قلات کی جانب سے سردار نواب اسد اللہ خاں نے اُردو میں تقریر کی۔

❀......❀......❀

حوالہ جات

۱- صحیفہ، لاہور، اقبال نمبر (حصہ اوّل) نادرات اقبال، قاضی افضل حق قرشی، اکتوبر ۱۹۷۳ء، ص ۲۲۱-۲۲۸۔
۲- بلوچی دنیا، ملتان، فروری ۱۹۶۹ء صفحات ۲۵ تا ۲۸۔
۳- نصرت، کراچی، (عزیز مگسی نمبر) ۵ رجون ۱۹۵۷ء۔
۴- یہ نسخہ میر عبدالعزیز کرد مستونگ کے پاس تھا۔ ہم نے ۱۹۵۷ء میں میر موصوف کے فرزند ارجمند اور اپنے شاگرد رشید عزیزی عزت عزیز کرد کے ذریعہ سے دیکھ کر یوسف عزیز کی تحریروں کو من وعن اپنی نوٹ بک میں محفوظ کر لیا تھا۔ وہیں سے انھیں غالباً پہلی بار پیش کیا جا رہا ہے۔
۵- ڈاکٹر انعام الحق کوثر، بلوچستان میں اُردو، لاہور، ۱۹۶۸ء صفحات ۱۰۹-۱۲۸۔
۶- ڈاکٹر انعام الحق کوثر، مکاتیب یوسف عزیز مگسی، لاہور، ۱۹۷۸ء، کل صفحات ۱۱۵۔
۷- یوسف عزیز مگسی، بولان، کوئٹہ، ۱۹۵۵ء۔ بلوچستان کا پہلا مرد قلندر، میزان، کوئٹہ، ۲۷ راکتوبر ۱۹۶۶ء۔

۸- ۱۹۳۴ء میں ایک نظم بعنوان ''جامعہ عزیزیہ جھل کے طلبہ'' چھپی تھی۔ ینگ بلوچستان، کراچی ۲۰/اکتوبر ۱۹۳۴ء جس کے تین شعر یہ ہیں:

عزیزی جامعہ ہے در حقیقت دولت نایاب
کچھ اس کے سامنے سمجھو نہ قاروں کے خزینے کو
کرو صد جانفشانی سے سبق اسلام کے ازبر
اسی توشے کو لے کر چل سکو گے تم مدینے کو
چھپا کب تک رہے گا آہ جھل کے تنگ گوشے میں
سر بازار لاؤ حسن ''یوسف'' کے خزینے کو

۹- بلوچستان میں اُردو پر تبصرہ، مشرق، لاہور، ۲۲/مارچ ۱۹۸۰ء۔

۱۰- ہفتہ وار تنظیم، کوئٹہ، ۲۳/دسمبر ۱۹۴۹ء، نظام، کراچی، ۲۰/مارچ ۱۹۴۷ء۔

۱۱- زمیندار، لاہور، ۲۲/اپریل ۱۹۳۴ء۔

۱۲- نوکیں دور، کوئٹہ، ۸/جون ۱۹۶۵ء۔

۱۳- بلوچستان میں اُردو، لاہور، ۱۹۶۸ء، ص ۱۲۷۔

۱۴- بلوچستان جدید، کراچی، یکم مارچ ۱۹۳۴ء۔

۱۵- نصرت، کراچی، ۵/جون ۱۹۵۷ء۔

۱۶- یادگار تاجپوشی قلات ۱۹۳۲ء، دین محمد، لاہور، ۱۳۵۱ھ، ص ۹۴۔۹۷، ۱۲۷۔

❊......❊......❊

باب چہارم

بلوچستان کی متعدد ادبی انجمنیں اور علامہ اقبال

۱۹۳۵ء کا قیامت خیز زلزلہ اور علامہ اقبال

انجمن اسلامیہ پنجاب کی مجلس منتظمہ کا ایک جلسہ ۳/جون ۱۹۳۵ء کو برکت علی اسلامیہ ہال میں منعقد ہوا، جس میں کوئٹہ کے زلزلے کے محشر خیز حالات بیان کیے گئے اور اس بارے میں قرارداد ہائے ذیل منظور ہوئیں:

سیکرٹری صاحب نے نمایاں افسوس کے ساتھ مصیبت زدگان کوئٹہ کے حالات بیان کیے۔ قرار پایا کہ علاوہ عہدے داروں کے مندرجہ ذیل اصحاب کی ایک ریلیف کمیٹی بنائی جائے جو انجمن حمایت اسلام کی کونسل کی مقرر کردہ ریلیف کمیٹی سے مل کر کام کرے اور مسلمانوں سے اس نہایت دردانگیز حادثہ میں فیاضانہ طور پر امداد کی اپیل کرے اور گورنمنٹ سے استدعا کرے کہ جوبلی فنڈ سے ایک معتدبہ رقم کوئٹہ ریلیف فنڈ کے لیے مخصوص کرے، کیونکہ اس سرمائے کا اس سے بہتر مصرف اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ نیز قرار پایا کہ لاہور میں جو مصیبت زدگان آئیں گے ان کے قیام و طعام کا بھی انتظام کرے۔ انجمن کے سرمایہ سے مبلغ پانچ سو روپیہ کوئٹہ ریلیف فنڈ میں دیا جائے گا۔ ارکان ریلیف کمیٹی حسب ذیل ہیں:

میاں نظام الدین صاحب، ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب، خان بہادر شیخ محمد نقی صاحب، خان بہادر شیخ امیر علی، خان بہادر مولوی انعام علی، نواب نثار علی خاں، خان محمد سعادت علی خاں، سید محسن شاہ، حاجی سید افضال علی شاہ، محمد بشیر، حقیر خان، خان بہادر سید قبول شاہ، حافظ حاجی محمد سعید، ماسٹر میراں بخش، حکیم سید نوازش علی، حاجی خواجہ غلام نبی، خواجہ غلام دستگیر۔

نیز قرار پایا کہ یہ جلسہ ان مسلمانوں کے لیے دعائے مغفرت کرتا ہے، جو اس حادثہ میں فوت ہو

گئے، خاص کر سر شمس شاہ صاحب اور خان بہادر نواب ریاض حسین صاحب قریشی اور ان کے پسماندگان سے اظہار ہمدردی کرتا ہے۔

(سعادت علی خان، سیکرٹری)

انقلاب۔ جلد ۱۰، نمبر ۴۷، یک شنبہ۔ ۹ رجون ۱۹۳۵ء سنڈے ایڈیشن

اقبال میموریل ہال

ہفت روزہ پاسبان[۲] میں عنوان بالا کے تحت مندرج ہے:

نہایت خوشی کی بات ہے کہ کوئٹہ میں علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ کی یادگار قائم کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ اس سلسلہ میں ینگ محمڈن فٹ بال کلب جس سرگرمی سے کام کر رہی ہے۔ اس کے لیے ہم اس کے زندہ دل ممبروں کو مبارک باد دیتے ہیں۔ اس کلب نے فٹ بال اور والی بال کے ٹورنامنٹ کھیلنے کا انتظام کیا ہے۔ اس سے جو آمدنی ہوگی وہ تمام کی تمام اقبال ہال اور لائبریری کی تعمیر پر خرچ ہوگی۔ اس کام کے لیے مخیّر حضرات سے عطیات بھی لیے جا رہے ہیں۔ چنانچہ درہ بولان کے نوجوان سردار میر دینار خاں کرد نے ۵۰ روپے خان بہادر میر غلام نبی خان نے ۲۵ روپے اور میر ولی خاں نے ۲۵ روپے اس فنڈ میں دیے ہیں۔ امید ہے بلوچستان کے دیگر صاحب ذوق حضرات بھی دل کھول کر چندہ دیں گے تا کہ کوئٹہ جیسی دور افتادہ جگہ میں یہ تاریخی یادگار جلد تعمیر کی جائے۔ خان معظم قلات کی توجہ گرامی خصوصیت سے اس طرف مبذول کرائی جاتی ہے۔ وہ ایک بیدار طبیعت والی ہیں۔ اس لیے تمام کوئٹہ کی نگاہیں ان کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ امید ہے وہ اس نیک کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے شاہانہ عطیہ دیں گے۔

ریاست قلات کے وزیر مال و ترقیات میر عبدالعزیز خاں کرد کو علامہ مرحوم سے دلی ارادت ہے۔ امید ہے وہ بھی اس سلسلہ میں کوشش فرمائیں گے۔ شہر کوئٹہ کے علم دوست اصحاب کی خدمت میں گزارش ہے کہ علم و ادب کی اس مقدس یادگار کی تعمیر میں ان کو پوری مستعدی سے حصہ لینا چاہیے۔ ہم اپنے عزیز دوست اور شہر کی علمی و ادبی مجالس کے روح رواں محمد صادق صاحب شاذ کو خاص طور پر اس طرف متوجہ کرتے ہیں۔ بہتر ہوگا اس کام کو ہاتھ میں لینے کے لیے باضابطہ ایک کمیٹی بنائی جائے۔ ہم محترمی خان صاحب میاں نصیر الدین احمد، خان بہادر حاجی مولوی عبدالرشید اور وزیر زادہ عبدالاحد خاں کی توجہ گرامی بھی اس طرف مبذول کراتے ہیں۔ اس سلسلہ میں پاسبان کی خدمات حاضر ہیں۔

اقبال لائبریری

پاسبان[۳] عنوان بالا کے تحت لکھتا ہے ''حضرت علامہ علیہ الرحمۃ کے پیغام کو بلوچستان میں عام کرنے کی غرض سے بلوچستان کے مسلم طلبہ نے اقبال لائبریری اینڈ ریڈنگ روم کی بنیاد رکھی ہے۔ ابتدائی انتظامات تقریباً مکمل ہو چکے ہیں اور فی الحال پرنس روڈ پر خان بہادر حاجی فتح محمد صاحب کی جائیداد میں ایک دوکان کرایہ پر لی گئی ہے۔ دو چار روز میں لائبریری کا افتتاح ہو جائے گا۔ ہمیں بے انتہا مالی پریشانیوں کا سامنا ہے۔ لیکن بلوچستان کے اہل قلم طبقے سے ہم امید رکھتے ہیں کہ وہ ہمارے ساتھ پورا تعاون کریں گے۔ بعض مقتدر حضرات نے اعانت بھی فرمائی ہے۔ جن کے ناموں کی فہرست مع کیفیت عنقریب ہی پریس میں بھیج دی جائے گی۔ ہم جملہ علم دوست حضرات سے پرزور اپیل اعانت کے لیے کریں گے۔

مجلس انتظامیہ کے ارکان کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

۱- صدر: بلال احمد[۴]

۲- نائب صدر: مسٹر یحییٰ بختیار[۵]

۳- جنرل سیکرٹری: مسٹر عبداللہ جان

۴- خازن: مسٹر عبدالصمد[۶] (درانی)

مخلص بلال صدر مجلس انتظامیہ اقبال لائبریری و ریڈنگ روم، کوئٹہ

بزم اقبال، کوئٹہ

جنوری ۱۹۴۱ء[۷] میں کوئٹہ میں ''بزم اقبال'' کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس کے دو مقصد تھے۔ ایک تو اقبال کی یادگار کو بلوچستان میں قائم کرنا دوسرے اُردو زبان کی نشر و اشاعت اور ادب اُردو کو فروغ دینا۔ اس کے صدر اس خطے کے مشہور وکیل ملک کرم الٰہی اور جنرل سیکرٹری ڈاکٹر غلام نبی[۸] تھے۔

الفاروق[۹] میں درج ہے کہ ملک کرم الٰہی ایم اے کے مکان پر بزم اقبال کا مشاعرہ زیر صدارت خان صاحب شیخ انور علی رجسٹرار ہائی کورٹ بلوچستان بتاریخ ۲۲ر فروری ۱۹۴۱ء ۹:۰۰ بجے رات منعقد ہوا۔ جس میں شہر کے معززین نے شرکت کی۔ شعرائے کرام نے اپنے کلام سے بزم کو مسحور کیا۔ نشتر کا مزاحیہ مضمون پسند کیا گیا۔

اگست ۱۹۴۱ء میں وار فنڈ کمیٹی کے تحت میلہ لگا۔ ۱۱راگست ۱۹۴۱ء[۱۰] کو میلے کے تھیٹر ہال میں مشاعرہ ہوا۔ مزاح نویس، ادب کثیف، ماڈرن شاعری اور پولٹیکل غزل کے موجد اور شہباز، اخبار سے منسلک حاجی لق لق نے شرکت فرمائی اور اپنے مزاحیہ کلام سے حاضرین کو مسرور کیا۔ مقامی شعرا میں سے صادق شاذ، محشر رسول نگری، غلام محمد جمیل اور راجپال صحرائی کی غزلوں کو پسند کیا گیا۔ مشاعرہ ختم ہونے کے بعد کوئٹہ کے مشہور حاذق حکیم اور شاعر مشتاق احمد نے اپنے کلام سے رونق جمائی۔ اکثر حضرات کو شربت بھی پلایا۔ پھر میجک ہال میں مشاعرہ ہوا۔ حاجی لق لق صاحب نے حاضرین کے اسرار پر اپنی مشہور نظم ''مقصد حیات'' بھی سنائی۔ اس رات بزم اقبال کوئٹہ کے شعرا نے بھی اپنا کلام سنایا۔

لٹریری[۱۱] سوسائٹی کوئٹہ کے زیر اہتمام براؤن جیم خانہ کے لان میں ۱۵راگست ۱۹۴۱ء کو ٹیگور کے ماتم میں پبلک جلسہ ہوا۔ جلسے کی صدارت سوسائٹی کے مستقل صدر سردار امر سنگھ نے کی۔ مسٹر بھارتی، میاں نصیر الدین احمد، وزیرزادہ عبدالاحد خاں، صادق شاذ وغیرہ نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ارشد امروہی نے ڈاکٹر ٹیگور کے ماتم پر ایک نظم پڑھی۔ وہ شعر زیادہ پسند کیا گیا جس میں آپ نے ٹیگور کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ہے کہ آپ بنگال میں آرمیدہ ہیں اور آپ کا ہم نوا لاہور میں خوابیدہ ہے۔

۸رنومبر ۱۹۴۲ء[۱۲] کو سوا گیارہ بجے قبل از دوپہر گورنمنٹ سنڈیمن ہائر سیکنڈری سکول (انٹر کالج) کوئٹہ میں ''مجلس مباحثہ'' کے زیر اہتمام اس موضوع پر بحث ہوئی کہ ''کیا اقبال محض اسلامی شاعر تھا؟''۔۔۔خان صاحب شیر زمان خان پبلسٹی افسر نے صدارت فرمائی۔

طلبہ کے علاوہ شہر کے ہندو مسلم معززین، اخبار نویس اور دیگر صاحب ذوق حضرات نے شمولیت کی۔ وائس کونسل دولت شہنشاہی ایران اور محترمہ بیگم مصطفیٰ بھی تشریف فرما تھے۔ خان عبدالرشید خاں بھی۔

کالج کے پرنسپل خان فیض محمد خان نے افتتاحی تقریر کرتے ہوئے حاضرین کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ یہ ان کے کالج کا دوسرا کھلا مباحثہ ہے۔ خان صاحب شیر زمان خاں نے کاروائی آغاز کرتے ہوئے اعزاز صدارت کے لیے شکریہ ادا کیا اور فرمایا۔ انھیں یقین ہے کہ آج کی بحث سب کے لیے دلچسپی کا باعث ہوگی اور ہم سب مقررین کی تقریروں سے مستفیض ہوں گے۔

بعدازاں بلوچستان کے مشہور خوش الحان شاعر غلام محمد جمیل صاحب نے ساقی نامہ کا دوسرا بند پڑھ کر سنایا۔ ان کے بعد کالج کے ایک طالب علم محمد ایوب نے علامہ مرحوم کا کلام سنایا۔ پھر

مباحثہ شروع ہوا۔ پروفیسر خواجہ عبدالحمید عرفانی ایم اے اور مرزا فیض خاں بی ایس سی سیکرٹری قونصل دولت شہنشاہی ایران نے موضوع کے حق میں اور خان صاحب میاں نصیر الدین احمد ریٹائرڈ ای اے سی مسٹر عبید اللہ خاں ایم اے (اسلامیہ سکول) سید اکبر حسین رضوی، محمد نواز خاں وکیل اور مسٹر دیوان چند ایس ڈی او محکمہ انہار نے موضوع کی مخالفت میں تقریریں کیں۔۔۔

۲۱/مارچ ۱۹۴۳ء[۱۳] کو بزم اقبال کوئٹہ کے زیر نگرانی ساڑھے تین بجے سے ساڑھے چھ بجے تک ایک مشاعرہ ہوا۔ جس میں بشیر فاروق اور غلام محمد جمیل کے کلام کو پسند کیا گیا۔ ڈاکٹر شجاع ناموس نے فلسفہ خودی پر تقریر کی۔

اسلامیہ ہائی سکول کوئٹہ کے طلبائے قدیم[۱۴] کی انجمن نے ۲۱، ۲۲/اپریل ۱۹۴۳ء کو یوم اقبال منایا۔ جلسہ کا انتظام اسلامیہ سکول کے احاطہ میں کیا گیا تھا۔

اس غرض کے لیے متعدد شامیانے نصب کیے گئے تھے جو رنگ برنگ کے قمقموں سے بقعہ نور بنے ہوئے تھے۔ آلہ بلند آہنگ کا انتظام بھی تھا۔ حاضرین تمام قوموں کے صاحب علم افراد پر مشتمل تھی اور بہت کافی تھی۔ ہندو، مسلمان اور سکھ تمام حضرات پورے ذوق و شوق سے تقریریں اور نظمیں سنتے رہے اور مقررین کو داد دیتے رہے۔ بزم ادب اور بزم اقبال کے اراکین بھی آئے ہوئے تھے۔ مستورات کے لیے پردے کا انتظام تھا۔

پہلی نشست کی صدارت راجا عدالت خاں اور دوسری نشست کی صدارت وزیر زادہ عبدالاحد خاں ڈپٹی کنٹرولر اے آر پی نے فرمائی۔ مسٹر محمد عیسیٰ، مسٹر عبدالرشید، ماسٹر محمد اسماعیل، چودھری محمد یوسف اور مسٹر محمد اسماعیل نے علامہ مرحوم کا کلام سنایا۔ وزیر زادہ عبدالاحد خاں اور جناب نثار احمد محشر نے علامہ مرحوم کے متعلق اپنی تازہ نظمیں پڑھیں۔ سردار چانن سنگھ نے بھی اپنی منظوم عقیدت پیش کی۔

مسٹر یعقوب توفیق بیگ بی اے، مسٹر الطاف گوہر بی اے آنرز، اعجاز صاحب بٹالوی ایم اے، شہزادہ فضل داد خاں شاد ایڈیٹر مجاہد ڈیرہ اسماعیل خاں، مرزا طالب شیرازی ایم اے اور راجا عبداللطیف صاحب کلیم نے اقبال کے متعلق تقریریں کیں اور خوب کیں۔ مسٹر یعقوب توفیق بیگ کی تقریر کو سب سے زیادہ پسند کیا گیا۔ ان کا موضوع تھا: ''اقبال ایک محکوم کی حیثیت میں ''غلامی اور اس کی زبوں حالی کے متعلق محبّ الوطن اقبال اپنے اثر انداز اور آفرین انداز میں جو کچھ کہہ گئے ہیں۔ توفیق صاحب نے بڑی قابلیت کے ساتھ اس کو حاضرین کے سامنے پیش کیا۔

کسی کو توقع نہیں تھی کہ اتنی عمدہ، اتنی پر جوش اور اتنی اثر انگیز تقریر سننے میں آئے گی۔ حاضرین پوری توجہ اور دلچسپی کے ساتھ تقریر کو سنتے رہے اور قابل نوجوان پر تحسین کے پھول نچھاور کرتے رہے۔ ادبی اعتبار سے بھی یہ تقریر بہت بلند پایہ تھی۔

الطاف گوہر صاحب نے دو تقریریں کیں جو بہت اچھی اور سلجھی ہوئی تھیں۔ پہلی تقریر میں انھوں نے بتایا کہ علامہ مرحوم نے دنیا کو کیا پیغام دیا ہے اور اس پیغام نے کتنی بیداری پیدا کی ہے۔ ان کی دوسری تقریر کا موضوع ''عورت اور اقبال'' تھا۔ اپنے اس مضمون کو بھی الطاف صاحب نے خوب نبھایا۔ آپ نے کہا کہ اقبال عورتوں کا ہمدرد ہے۔ ان کے حقوق کا حامی ہے لیکن وہ عورتوں کو مرد بننے کا سخت مخالف ہے اور ان کو اسی دائرہ کے اندر رکھنا چاہتا ہے۔ جس کے لیے ان کی تخلیق ہوئی ہے۔

اعجاز صاحب نے اقبال کے فلسفہ خودی پر بہت اچھی تقریر کی اور مسلمانوں کو اچھی طرح جھنجوڑا۔

صادق شاذ صاحب نے اقبال اور اسلام کے موضوع[۱۵] پر اظہار خیال کیا۔ راجا عبداللطیف صاحب کلیم نے اقبال کے نظریہ وطنیت پر تقریر کی۔ اسی موضوع پر وہ لکھتے ہیں:

اقبال وطن کا دوست ہے۔ مگر وطنیت کا دشمن، اس وطنیت کا جو بنی نوع انسان میں افتراق پیدا کرے۔ جس طرح ایک وطن دوست ماں اور باپ، قبیلہ اور شہر کا دوست ہی ہوسکتا ہے۔ اسی طرح اقبال انسانیت کا دوست ہوتے ہوئے وطن دوست ہی ہے۔ فرق صرف زاویہ نظر کا ہے۔ اس اقدام نے اقبال کے عقیدت مندوں میں بڑا اضافہ کیا ہے۔ ان پیروان اقبال میں سے مسز سروجنی نائیڈو قابل ذکر ہیں وہ اپنے ایک خط میں لکھتی ہیں کہ اقبال کی شاعری نے میری روح کو وطنیت کے سلاسل سے آزاد کر کے اس میں ایک نئی روح پھونک دی ہے اور مجھ سے تمام بنی نوع انسان سے محبت کرنے کی جسارت اور قابلیت پیدا کر دی ہے۔ یورپ نے بھی تلخ تجربات کے بعد معلوم کر لیا ہے کہ وطنیت امن عامہ کے لیے کیسے کیسے خطرناک عنصر کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔

آخر میں وزیر زادہ سردار عبدالاحد خاں نے تقریر کی۔

یوم اقبال کی یہ تقریب بہت کامیاب رہی۔ شہر میں انجمن طلبائے قدیم اسلامیہ ہائی سکول کوئٹہ کی بہت تعریف ہوئی۔ جس کے زیر اہتمام منعقدہ جلسے میں ایسی اچھی تقریریں سننے میں آئیں۔

پاسبان[۱۶] نے دو نظمیں شائع کی تھیں جو اسی دور کی یادگار ہیں اور کہنے والے غیر مسلم ہیں۔ پہلی کا عنوان ''یاد اقبال'' (منوہر لال ہاڑی) اور دوسری کا ''نغمہ اقبال'' (ہربنس لال نسیم) ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

یادِ اقبال

آہ اے اقبال اے ہندوستان کے رہنما
کاروانِ قوم کے، سارے جہاں کے رہنما
یاد آتی ہیں تری رنگیں نوائیں آہ آہ
خواب بن کر رہ گئیں تری صدائیں آہ آہ
کیا ہوا بزمِ جہاں میں گر نہیں موجود تو
نام دنیا میں ترا وردِ زباں ہے چار سو
موت کی ہے؟ صورت ظاہر کا چھپ جانا کہیں
اس سے ہو جاتے ہیں لیکن جوہر شاعر مبیں
موت پا کر جاودانی ہو گئی ہستی تیری
موت نے پیغام ترا کہ دیا ہے سرحدی
روز شب پیغام آزادی ہمیں دیتا ہے تو
اب بھی کشتی قوم کی گرداب میں کھیلتا ہے تو
تو پڑھاتا ہے ہمیں اب بھی وہی درسِ خودی
سونپ دی تدبیر کو تونے عنا تقریر کی
رہنمائے نوعِ انسان اب بھی تیرا فلسفا
ہے جہاں میں جادۂ روشن برائے ارتقا
اب بھی کرتی ہے تیری تعلیم دل پردہ فسوں
چند لمحوں میں اُلٹ جاتی ہے تقدیر پرنگوں
کھول دیں گے اک زمانے پر خودی کے راز ہم
بس کہ ہیں گرم عمل سُن کر تیری آواز ہم

نغمۂ اقبال

مبارک تجھ کو اے اقبال ذوق زمزمہ خوانی
فروغ محفل ملت ہے تیری شعلہ افشانی

فضائے اوج انسانی پہ تو آباد ہے گویا
غلامی کے جہاں کا طائر آزاد ہے گویا
سواد ہند میں چھیڑا رباب دل نشیں تو نے
دیا دنیا کو پیغام محبت آفریں تو نے
فضائے روح پر چھایا سحاب زندگی بن کر
گیا ہر باغ ملت میں شباب و تازگی بن کر
عراق و ہند سب گرما گئے تیری نواؤں سے
عرب سے تا عجم چھائے ہوئے ہیں زمزمے تیرے
حجازی نغمہ کی لہریں ہیں بھارت کی ہواؤں میں
ہے بوئے گلشن بطحا ہمالہ کی فضاؤں میں

انھی دنوں میں ''بزم اقبال''[۱۷] کوئٹہ نے ایک مشاعرہ کرایا۔ مصرع طرح تھا:

موت بنتی جا رہی ہے زندگی میرے لیے

دوسرے شعرا کے علاوہ علامہ عیش فیروز پوری اور مذاق العیشی نے بھی حصہ لیا۔ ''اقبال اور عورت'' کے عنوان سے یعقوب توفیق بیگ نے تقریر کی۔

۶ر جوالائی ۱۹۴۳ء[۱۸] کو ''بزم ادب'' کوئٹہ کا ادبی جلسہ زیر صدارت سر شیخ عبدالقادر، مقامی ٹاؤن ہال میں رات کے دس بجے منعقد ہوا۔ یہ جلسہ جیسے کہ توقع تھی، بہت کامیاب رہا۔ ہر قوم کے افراد نے شرکت فرمائی۔ سامعین کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ ہال میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ برآمدوں میں بھی کافی مجمع تھا۔ مسٹر نثار احمد محشر جنرل سیکرٹری ''بزم ادب'' نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

۱۹ر جولائی ۱۹۲۸ء کو پہلی بار بزم ادب کو عالی جناب سر شیخ عبدالقادر کی سرپرستی کا شرف حال ہوا تھا اور اب دوسری بار پھر حضرت قبلہ کے فیض سے بلوچستان کی ادبی دنیا شرمندہ احسان ہو رہی ہے۔ آپ نے ادب اُردو اور زبان اُردو پر جو جو احسانات کیے ہیں انھیں ہندوستان اور بلوچستان کے غیور فرزند کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔

سر عبدالقادر نے اپنی برجستہ تقریر میں فرمایا تھا کہ اُردو کی بنیاد کسی ایک بادشاہ، کسی ایک قوم یا کسی ایک شخص کی وجہ سے نہیں پڑی، بلکہ یہ قدرتی طور پر پیدا ہوگئی۔ اس کے پیدا کرنے اور

پرورش کرنے میں ہندو اور مسلمانوں دونوں نے حصہ لیا ہے اور یہ ان دونوں جماعتوں کے ملاپ کا نتیجہ ہے۔ اس مجمعے میں میں دیکھ رہا ہوں کہ ہندو، مسلمان اور سکھ موجود ہیں اور غالباً عیسائی بھی ہوں گے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ سب کو اُردو کے ساتھ رغبت اور تعلق ہے اور سب اس سے محبت کرتے ہیں، جو بڑی خوشی کی بات ہے۔

شیخ عبدالقادر صاحب کی تشریف آوری کے سلسلے میں بزم ادب کا تیسرا جلسہ ۲۳ر جولائی ۱۹۴۳ء[19] کو ہوا۔ بزم اقبال کوئٹہ کے دو ارکان بشیر فاروق صاحب اور یعقوب توفیق بیگ صاحب نے شرکت فرمائی۔ نثار احمد محشر، راجپال صحرائی، راجا عبداللطیف کلیم اور عبدالرب نسیم کے کلام کو پسند کیا گیا۔ ملک محمد صادق شاذ (اُردو پر ہندوؤں کے احسانات) اور یعقوب توفیق بیگ (''اقبال کا شعر کیا ہے'' اور اپنے اندر کس قدر سحر حلال رکھتا ہے) کے مقالے اچھے رہے۔ صاحب صدر نے مقالوں کی تعریف کی اور جلسے میں نظم و نثر کے جو اچھے نمونے پیش کیے گئے تھے، ان کو سراہا اور کوئٹہ کی ادبی انجمنوں کے باہمی اتحاد پر زور دیا۔

پیشتر ازیں سر شیخ عبدالقادر[20] گورنمنٹ سنڈیمن ہائر سیکنڈری سکول (انٹر کالج) کوئٹہ میں بزم اُردو کی جانب سے ترتیب دیے گئے استقبالیہ میں بھی شریک ہوئے تھے۔ کئی صاحبان نے اس موقع پر اظہار خیال فرمایا۔ آقائے باقر وُرستہ کونسل دولت ایران متعینہ کوئٹہ نے فارسی میں تقریر کرتے ہوئے علامہ اقبال کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ انھوں نے کہا کہ علامہ اقبال ایک عظیم الشان اور عالی مرتبت دانش مند ہیں۔ ان کا روئے سخن ہر وقت مشرق کے تمام ملکوں اور قوموں کی طرف ہے اور ان کے نغز اور حکمت و معرفت سے پر اشعار مشرقی اقوام سے مخاطب ہیں۔ علامہ مرحوم کی تصانیف اگرچہ ان میں سے کئی ایک فارسی زبان میں ہیں ایران میں شائع نہیں ہوئیں۔ میں نے پوری کوشش سے ان کی فارسی کتابوں کا ایک ایک نسخہ حاصل کر لیا ہے۔ ان شاء اللہ انھیں ایران بھجوا کر طباعت و اشاعت کا بندوبست کرانے کی سعی کروں گا۔

علاوہ ازیں میں مستقبل قریب میں اُردو زبان کی تدریس کو ایران کے مدرسوں کے نصاب میں شامل کرانے کے لیے ضروری کارروائی کروں گا۔ آخر میں آپ نے کہا کہ میرے خیال میں اُردو زبان میں فارسی، عربی اور ہندی کی آمیزش ایک قدرتی عامل کا اثر رکھتی ہے۔ جو اقوام مشرق میں اتحاد، یگانگت اور دوستی پیدا کرے گی اور ہم سب اس کے میٹھے پھل سے شیریں کام ہوں گے۔ مجھے اللہ کی ذات متعال پر پورا بھروسہ ہے کہ وہ ہر نیک کام میں ہماری مدد کرے گا۔

۱۴ اگست ۱۹۴۳ء [۲۱] کو "بزم اقبال" کوئٹہ کا جلسہ ہوا۔ صدارت کے فرائض جناب بشیر احمد ہاشمی سپرنٹنڈنٹ آف ایجوکیشن بلوچستان نے ادا کیے۔ پروفیسر آغا صادق، یعقوب توفیق، غلام محمد جمیل اور پروفیسر خواجہ عبدالحمید عرفانی نے حصہ لیا۔

اسی زمانے میں جناب نثار احمد محشر نے اپنے ایک مضمون میں جو علامہ اقبال [۲۲] سے متعلق تھا لکھا: "وہ چاہتا ہے کہ ہر شخص کو زندگی کے اس راز سے آگاہ کر دے جس کو پا کر انسانی درماندگیاں عظمت وجلال میں بدل جاتی ہیں:

خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نور بصیرت عام کر دے

اسی لیے وہ انسان کو استحکام خودداری اور عرفان خودی کا سبق دیتے ہوئے یوں ابھارتا ہے:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

اس کو یقین ہو چکا ہے کہ انسان اپنے تمام ارتقائی منازل طے کرتا ہوا عنقریب قدسیوں سے بڑھ جانے والا ہے اور انسانیت کائنات کی طاغوتی قوتوں کے علی الرغم کوئی دن میں مکمل ہوا چاہتی ہے:

فروغ خاکیاں از نوریاں افزوں شود روزے
زمیں از کوکب تقدیر ما گردوں شود روزے

عارف سیمابی سیالکوٹی نے اپنے مضمون "قائداعظم اور بلوچستان" [۲۳] میں لکھا ہے کہ "بزم اقبال" اسم بامسمّٰی تھی۔ اس کے روح رواں مولانا ارشد صدیقی امروہوی تھے۔ ہمارا تعلق اسی بزم سے تھا۔ الاسلام (مسلم لیگ کا ترجمان) کوئٹہ میں بزم اقبال کے مشاعروں کے اعلانات اور کارروائی چھپتی، میرا کلام اسی میں خوب خوب چھپتا تھا۔

الاسلام [۲۴] کے ایک شمارہ میں درج ہے:

بزم اقبال بڑے طمطراق سے یوم اقبال منا رہی ہے

کوئٹہ ۳ رجولائی۔ صوبہ بلوچستان کی مشہور بزم اقبال زیر صدارت شیخ سر عبدالقادر بار ایٹ لاء چیف جسٹس ریاست بہاول پور ۱۰ رجولائی کو بڑے طمطراق سے یوم اقبال منا رہی ہے۔ اس تقریب میں پنجاب کے چند نامور ادیب اور فنا فی الاقبالیات حضرات بھی شرکت فرما رہے ہیں۔ سارے شہر میں بزم کے اس زندہ جاوید کارنامہ پر بے حد تحسین کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ یہ تقریب اسلامیہ ہائی سکول کے احاطہ میں منائی جائے گی۔

یوم اقبال [۲۵]

کوئٹہ ۱۱ر جولائی۔ شب گزشتہ بزم اقبال نے زیر صدارت جناب سر عبدالقادر صاحب بار ایٹ لائے چیف جسٹس ریاست بہاول پور یوم اقبال منایا۔ اسلامیہ ہائی سکول کوئٹہ کا احاطہ تمام حاضرین سے بھر گیا تھا۔ صدر صاحب موصوف کے ارشادات بالخصوص بہت ہی معلومات افزا تھے۔ جو علامہ اقبال کی ابتدائی شاعری کے دور سے آخر تک کے کوائف پر مبنی تھے۔

۲۷ر اپریل ۱۹۴۴ء [۲۶] کو گورنمنٹ سنڈیمن ہائر سیکنڈری سکول (انٹر کالج) کوئٹہ کے ہال میں ایک مشاعرہ 'بزم فردوس' کے نام سے منعقد ہوا۔ جس میں یہ تخیل پیش کیا گیا تھا کہ فردوس میں اُردو کے معروف شعرا کی مجلس مشاعرہ برپا ہے۔ جس کی صدارت حضرت خواجہ خضر فرماتے ہیں۔ اس مجلس میں مرزا سودا، میر درد، میر تقی میر، خواجہ آتش، نظیر اکبر آبادی، استاد ذوق، مرزا غالب، میر انیس، مولانا حالی، پنڈت برج نارائن چکبست اور حضرت علامہ اقبال شامل تھے۔ شعرا کو ان کے مطابق (شبیہ) پیش کرنے کے علاوہ ان کی زبان سے ان کا کلام بھی سنایا گیا۔

کوئٹہ میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا مشاعرہ تھا۔ اس لیے عوام کے لیے دلچسپی کا باعث بنا۔ سیٹھ فدا علی، میاں محمد سعید اور پروفیسر جوگی کا کام خاص طور پر قابل تعریف تھا۔

یہ مشاعرہ دراصل مرزا فرحت اللہ بیگ کی تصنیف ہے اور سب سے پہلے علی گڑھ میں سٹیج کیا گیا تھا اور اس میں اُردو کے پچاس سے زائد شعرا کا نقشہ پیش کیا گیا تھا۔ وہ مجلس ساری رات رہی تھی۔

۲۸ر جون ۱۹۴۴ء [۲۷] کو سناتن دھرم سکول کوئٹہ میں ریڈ کراس کی امداد کے سلسلہ میں ایک تمثیلی مشاعرہ منعقد ہوا۔ جس میں اُردو کے قدیم و جدید شعرا کی نقلیں پیش کی گئی تھیں۔ جہاں تک عوام کی دلچسپی اور ریڈ کراس کے لیے امداد کا تعلق ہے۔ حالات تسلی بخش تھے۔ جہاں تک فن کا تعلق ہے اس میں زیادہ اصلاح کی ضرورت محسوس کی گئی۔ صرف داغ، فانی اور مومن کے پڑھنے کا انداز اچھا تھا اور ان کا تلفظ بھی صحیح تھا۔ لسان العصر سید اکبر الہ آبادی کے مخصوص رنگ کا کلام نہ پیدا کیا گیا تھا۔ اس مشاعرے کے صدر علامہ اقبال تھے۔

اس ادبی جلسہ میں متعدد معززین شہر کے علاوہ ضلع کوئٹہ پشین کے پولیٹکل ایجنٹ اور اس کی مسز نے بھی شرکت کی۔ پردہ دار خواتین کے لیے پردہ کا معقول انتظام تھا۔

جولائی ۱۹۴۴ء میں انجمن طلبائے قدیم اسلامیہ ہائی سکول کوئٹہ کی جانب سے ''یوم اقبال''

کا بندوبست کیا گیا جس میں مولانا نصر اللہ خاں عزیز ایڈیٹر کوثر مولانا محمد حنیف ندوی اور مولانا ثناء اللہ خاں [۲۸] نے شرکت فرمائی۔

پیشتر ازیں بھی انجمن طلبائے قدیم اسلامیہ ہائی سکول کوئٹہ نے اسلامیہ ہائی سکول ہی میں ماہ مئی ۱۹۹۴ء میں یوم اقبال منایا تھا۔ جس کی صدارت مولانا وقار انبالوی ایڈیٹر احسان لاہور نے کی تھی اور مبلغ اسلام مولانا غلام فرید سیالکوٹی کی تقریر کو بہت پسند کیا گیا تھا۔ [۲۹]

۱۱/اگست ۱۹۴۴ء کو یوم اقبال [۳۰] منایا گیا۔ جناب بشیر احمد ہاشمی سپرنٹنڈنٹ محکمہ تعلیم بلوچستان (آپ قیام پاکستان کے بعد کراچی یونی ورسٹی کے وائس چانسلر بھی رہے) نے کرسی صدارت کو رونق بخشی۔ مرید حسین نے ترنم سے علامہ مرحوم کی ایک نظم پڑھی۔ بشیر احمد صمصام اورینٹل ٹیچر اسلامیہ ہائی سکول کوئٹہ نے اپنا منظوم ہدیہ عقیدت علامہ مرحوم کی یاد میں پیش کیا۔ جناب الطاف گوہر ایم اے نے بانگ درا پر تقریر کی۔ گوہر صاحب نے شاعری اور اس کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ ۱۸۵۷ء سے پہلے شاعری کا مقصد صرف یہ تھا کہ شاعر اپنے کلام سے خود لذت اٹھائے اور دوسروں کو بھی لذت یاب کرے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد اس مقصد میں انقلاب آنا شروع ہوا۔ اب لذت اور تلطف کی بجائے عوام کو فائدہ پہنچانا شاعری کا بڑا مقصد قرار دیا گیا۔ مقرر نے اس سلسلہ میں مولانا الطاف حسین حالی، آزاد مرحوم وغیرہ کا ذکر کیا۔ اس کے بعد اصل موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا اور بانگ درا (علامہ مرحوم کی پہلی تصنیف) پر طائرانہ نظر ڈالی۔ مجموعی طور پر تقریر بہت اچھی تھی۔

جناب وقار انبالوی نے اپنے طویل مقالے میں علامہ اقبال کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ مقالہ خوب تھا۔

ازاں بعد جناب عبدالمجید سالک نے تقریر فرمائی۔ آپ ان چند خوش نصیب ہستیوں میں سے ہیں جن کو علامہ مرحوم کی صحبت کی سعادت برسوں حاصل رہی۔ علامہ کے حال و قال کے متعلق جتنی معلومات آپ کو حاصل ہیں، چودھری محمد حسین اور سر شیخ عبدالقادر کے بعد شاید ہی کسی اور کو معلوم ہوں۔ اسی لیے آپ نے اپنی بصیرت، فیروز تقریر میں علامہ مرحوم کے کلام اور ان کی شخصی زندگی کے متعلق اپنے ذاتی مشاہدات بیان کیے۔ حاضرین نے پوری محویت کے ساتھ آپ کے مشاہدات سنے۔ جلسہ کے اختتام پر صاحب صدر جناب بشیر احمد ہاشمی نے جلسہ کی کامیابی اور ''بزم ادب'' کوئٹہ کی خدمات کی تعریف کی۔

۲۳/جون ۱۹۴۵ء [۳۱] کی رات کو کوئٹہ میں ''یوم اقبال'' منایا گیا۔ صدارت کرنل فیض احمد

فیض جن کا شمار اُردو کے قابل فخر شعرا میں ہوتا ہے نے فرمائی۔ مولانا عبدالحمید صاحب نے تعلیمات اقبال کو قرآنی نقطہ نگاہ سے پیش کیا۔ صاحب صدر نے بھی بڑی اچھی اور مدلل تقریر کی۔ نشست ڈھائی بجے شب تک رہی۔ معاصر اخبار پاسبان میں درج ہے کہ جہاں تک جلسہ کی حاضری، مفید تقریروں اور مواعظ حسنہ کا تعلق ہے، زلزلہ عظیم کے بعد سے آج تک اتنا عظیم الشان جلسہ دیکھنے میں نہیں آیا۔ اسلامیہ ہائی سکول کوئٹہ کے طلبائے قدیم کی انجمن نے اپنے خلوص اور انتھک محنت سے ایسی مثال قائم کر دی جو دوسروں کے لیے مشعل راہ کا کام دے سکتی ہے۔ قوم کو آج ایسے ہی مخلص اور کارکن نوجوانوں کی ضرورت ہے جو گفتار سے زیادہ کردار پر زور دیں اور قوم کے سامنے نمونہ بن کر پیش ہوں۔ انھیں امید ہے کہ اگر ان کی سرگرمیوں کا یہی عالم رہا تو وہ دن دور نہیں جب لہریں لیتا ہوا دریا، بحر زخار کی صورت اختیار کرے گا۔ ان ہر دو جلسوں (پہلا جلسہ سیرت النبیؐ سے متعلق تھا) کی کامیابی پر مبارک باد دی جاتی ہے۔

پروفیسر آغا صادق[۳۲] لکھتے ہیں کہ ''۱۹۴۳ء میں اقبالیات کی نشر و اشاعت کے لیے ایک خاص مقصدی ادبی جماعت بزم اقبال کی بنیاد رکھی گئی۔ جس کے بانیوں میں سید اکبر حسین رضوی، خواجہ عبدالحمید عرفانی، سید اعجاز حسین رضوی، ارشد امروہوی، بشیر فاروق اور خود مقالہ نگار شامل ہے۔

اس انجمن میں حصہ لینے والے عارف سیمابی سیالکوٹی، نشتر رشدی، ماسٹر غلام محمد جمیل اور مزاح نگار شاعر حبیب تھے۔ بزم اقبال کے صدر ملک راجی داس وکیل تھے۔

مجلس فارسی، گورنمنٹ کالج، کوئٹہ

۱۴ رستمبر ۱۹۵۶ء[۳۳] کو پہلی بار گورنمنٹ کالج کوئٹہ میں پروفیسر آغا صادق صاحب کی سرپرستی میں مجلس قائم ہوئی۔ ۱۹۷۰ء تک اس کے انچارج انعام الحق کوثر رہے۔ فارسی زبان و ادب جس میں علامہ اقبال نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔ اچھا خاصا علمی و تحقیقی کام ہوا۔ اس کے پروگراموں میں طلبہ اور طالبات بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔

بزم اقبال کوئٹہ کا احیا

''بزم اقبال'' کا احیا ۱۹۵۶ء[۳۴] میں ہوا۔ سرپرستوں میں کمشنر معزالدین احمد، خلف الرشید، جناب صلاح الدین احمد ایڈیٹر ادبی دنیا اور چودھری محمد صادق ڈائریکٹر محکمہ تعلیم کوئٹہ قلات ریجن تھے۔ صدر آقای افراسیاب نوائی[۳۵]، نائب صدر صادق شاذ، آغا صادق، جنرل سیکرٹری

اے۔ ایچ دلشاد، جوائنٹ سیکرٹری، انعام الحق کوثر، خازن، عبدالعزیز ملک[۳۶] اور سیکرٹری نشرو اشاعت، یعقوب، توفیق بیگ[۳۷] تھے۔

تین سال تک یہ بزم باقاعدگی سے ''یوم اقبال'' کا وسیع پیمانے پر انتظام کرتی رہی۔ اس کے ارکان چھوٹے پیمانے پر بھی نشستوں کا بندوبست کرتے تھے۔[۳۸]

دیگر ادبی انجمنیں اور یوم اقبال

جیسا کہ پہلے بھی تحریر کیا جا چکا۔۔۔وادی شال کی بعض دوسری ادبی انجمنوں کے تحت بھی یوم اقبال منانے کا خاطر خواہ اہتمام ہوتا رہا۔ جیسے ۲۳/اپریل ۱۹۵۸ء کو حلقہ ارباب ذوق کوئٹہ کی تقریب گورنمنٹ کالج ہال میں زیر صدارت آقای افراسیاب نوائی منعقد ہوئی۔ اقبال سلمان اور مولانا عبدالکریم وغیرہ نے مقالات پڑھے۔

بزم ثقافت کوئٹہ (قائم شدہ ۳۰/مارچ ۱۹۶۱ء[۳۹]) نے تین مرتبہ یوم اقبال شایان شان طریقے سے منایا۔

۱۔ ۲۱/اپریل ۱۹۶۲ء: صدر خان سرور خان کمشنر کوئٹہ ڈویژن۔ مقالہ نگار: سعید احمد رفیق، نذیر احمد بھٹی، ڈاکٹر مس کنیز یوسف اور انعام الحق کوثر۔

۲۔ ۲۱/اپریل ۱۹۶۳ء: صدر انور عادل کمشنر کوئٹہ ڈویژن۔ مقالہ نگار: ڈاکٹر انعام الحق کوثر، بیگم آثم ملک، پروفیسر آغا صادق، مولانا عبدالکریم۔

۳۔ ۲۱/اپریل ۱۹۶۴ء: اس میں میاں بشیر احمد اور پرنسپل کرار حسین نے اہم حصہ لیا۔

رائٹرز گلڈ کوئٹہ برانچ کے زیر اہتمام ۱۹۶۵ء میں یوم اقبال کا بندوبست کیا گیا۔ خانہ فرہنگ ایران کوئٹہ، ۲۱/اپریل ۱۹۷۰ء[۴۰] عبدالمجید مفتی کمشنر کوئٹہ۔ مقالہ نگار: مادام ایران تاج، ڈاکٹر انعام الحق کوثر، سردار نقوی، عبدالصمد درانی۔ منظومات: افسر بہزاد، اکرم شاد عابد رضوی، علی محمد بختیار۔

علامہ اقبال کے صد سالہ[۴۱] یوم پیدائش کی تقریبات کے سلسلے میں ایک شاندار تقریب ٹاؤن ہال لورالائی میں بعنوان ''اقبال، پاکستان اور اسلام'' ۱۸/نومبر ۱۹۷۷ء کو منعقد ہوئی۔ جس میں لورالائی کے ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں نے حصہ لیا۔ اس کے صدر ڈاکٹر انعام الحق کوثر اور مہمان خصوصی جناب محمد علی ڈپٹی کمشنر تھے۔

اقبال یوتھ کونسل کوئٹہ[۴۲] (جو ۱۹۷۹ء سے بلوچستان میں مصروف عمل ہے) نے ۲۱/اپریل

۱۹۸۱ء کو بلوچستان پبلک لائبریری کوئٹہ میں 'یوم اقبال' کے سلسلے میں ایک باوقار تقریب کا بندوبست کیا۔ اس کی صدارت ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے کی۔ مقالہ نگار تھے۔ محمد نسیم (فلسفہ خودی) چشتی مجاہد (اقبال بحیثیت قانون دان) اور اقبال یوتھ کونسل کے بانی و کنوینر محسن راہی (جواب ایم اے، ایل ایل بی اور ایڈووکیٹ ہیں) آنسہ مسرت پروین نیلم نے اقبال کے حضور منظور خراج تحسین پیش کیا۔

۱۸؍مارچ ۱۹۸۳ء[۴۳] کو اقبال یوتھ کونسل پاکستان نے اپنے تیسرے یوم تاسیس کے سلسلے میں پاکستان نیشنل سنٹر کوئٹہ میں ایک شایان شان تقریب منعقد کی۔ صوبائی سیکرٹری تعلیم جناب فتح خاں محجک مہمان خصوصی تھے جب کہ اقبال یوتھ کونسل کے بانی و کنوینر محسن راہی نے صدارت کی۔ مقالہ نگار تھے۔ ملک محمد رمضان، ڈاکٹر انعام الحق کوثر اور پروفیسر شمیم احمد۔۔۔۔ اظہر علی خاں نے اقبال کے حضور منظور خراج عقیدت پیش کیا۔

مہمان خصوصی نے کہا کہ علامہ اقبال کے افکار گہرے اور وسیع سمندر کی مانند ہیں اور ہر کوئی اپنی بساط کے مطابق ان سے استفادہ کر سکتا ہے۔ انھوں نے اقبال یوتھ کونسل کی تعمیری سرگرمیوں کو خوب سراہا، ۲۱؍اپریل ۱۹۸۳ء[۴۴] کو اقبال یوتھ کونسل کے زیر اہتمام 'یوم اقبال' منایا گیا۔ صدر۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر۔ مقررین: جناب فضل حق میر (آج کل پرنسپل تعمیر نو کالج کوئٹہ ہیں) چشتی مجاہد، سرور جاوید، ناصر شیرازی، فیصل صدیق۔

پاکستان نیشنل سنٹر کوئٹہ[۴۵] میں ۹؍نومبر ۱۹۸۲ء کو علامہ اقبال کے یوم ولادت کی تقریب منعقد ہوئی۔ صدر: ڈاکٹر انعام الحق کوثر۔ مقالہ نگار: امداد نظامی، ناصر شیرازی، محسن راہی۔

''قلم قبیلہ'' کوئٹہ کے زیر اہتمام[۴۶] یوم اقبال کے سلسلے کی ایک تقریب زیر صدارت وائس چیئرمین پروفیسر خلیل صدیقی بتاریخ ۱۳؍نومبر ۱۹۸۲ء کو منعقد ہوئی۔ مقالہ نگار تھے۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر، پروفیسر بقائی، جناب انوار اللہ صدیقی، ریاض قمر۔ رفیق راز اور پروفیسر خلیل صدیقی نے منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔ سٹیج سیکرٹری کے فرائض جنرل سیکرٹری شاہین روحی بخاری نے انجام دیے۔

اقبال یوتھ کونسل کے زیر اہتمام ۱۱؍نومبر ۱۹۸۴ء[۴۷] کو نیشنل سنٹر کوئٹہ کے ہال میں سکولوں کے طلبہ اور طالبات کے درمیان ایک کوئز مقابلہ ہوا۔ یہ مقابلہ علامہ اقبال کے یوم پیدائش کے سلسلے میں کیا گیا۔ مہمان خصوصی ڈاکٹر انعام الحق کوثر تھے۔ مقابلے میں علامہ اقبال کی زندگی اور

شاعری کے متعلق سوالات کیے گئے۔ اس مقابلے میں سنڈیمن سکول کے نذیر احمد اوّل، پاک گرلز سکول کی شازیہ شوکت دوم اور اسپیشل سکول کے عمران شریف سوم رہے۔

۱۹۷۷ء میں علامہ اقبال کے یوم پیدائش کی صد سالہ تقریبات کے سلسلے میں جامعہ بلوچستان کوئٹہ کے شعبہ اُردو میں انعامی مضامین کا مقابلہ کرایا تھا۔ عنوانات یہ تھے:

۱- آزادیٔ نسواں یا زمرد کا گلوبند

۲- جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی

۳- کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلماں بھی ایک

انعامات کی کل رقم تین ہزار روپے تھی۔

پہلی بین الاقوامی ڈاکٹر محمد اقبال کانگرس منعقدہ دسمبر ۱۹۷۷ء لاہور میں صدر شعبہ اُردو جامعہ بلوچستان کوئٹہ (پروفیسر مجتبیٰ حسین) نے مقالہ بعنوان ''اقبال اپنے قارئین کی نظر میں'' پڑھا تھا۔

دوسری بین الاقوامی اقبال کانگرس منعقدہ ۹-۱۱ رنومبر ۱۹۸۳ء بمقام جامعہ پنجاب لاہور میں ''قلم قبیلہ'' اور چلڈرنز اکیڈمی کوئٹہ کی چیئرمین محترمہ بیگم ثاقبہ رحیم الدین خان نے ایک مقالہ بعنوان ''علامہ اقبال کا ذہنی ارتقا''[۴۸] پیش کیا تھا۔

قلم قبیلہ ادبی ٹرسٹ کوئٹہ اکثر علامہ اقبال سے متعلق ادبی تقاریب کا بندوبست کرتا رہتا ہے، جیسے ۵ردسمبر ۱۹۹۲ء کو ایک خصوصی تقریب منعقد ہوئی، جس کی صدارت ڈاکٹر انعام الحق کوثر وائس چیئرمین قلم قبیلہ نے کی۔ مہمان خصوصی محمد یوسف خٹک اکاؤنٹنٹ جنرل بلوچستان تھے۔ قلم قبیلہ کے کارکن طاہر رشید نے تلاوت کلام پاک کی جب کہ ملک ارشد خلجی نے نعت رسول مقبول پڑھ کر عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی کا اظہار کیا۔

ڈاکٹر سلطان الطاف علی نے، علامہ اقبال اور عشق رسولؐ جناب انوار اللہ صدیقی نے علامہ اقبال اور فکر وعمل، اور پروفیسر سعید احمد رفیق نے 'عورت علامہ اقبال کی نظر میں مقالات پیش کیے۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے علامہ اقبال کے کلام سے ملت اسلامیہ کی برادری پر تقریر کی۔ جناب محمد یوسف خٹک مہمان خصوصی نے اس تقریب میں پیش کیے گئے مقالات اور اظہار عقیدت کے طور پر ریاض قمر اور رفیق راز جیسے ممتاز شاعروں کی نظموں کو سراہا اور ایسی تقاریب کو جاری رکھنے پر زور دیا۔

(روزنامہ مشرق، کوئٹہ، ۲۰ردسمبر ۱۹۹۲ء)

بزم اقبال گورنمنٹ سنڈیمن ہائر سیکنڈری سکول (گورنمنٹ کالج) کوئٹہ

مئی ۱۹۴۷ء میں ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی ایران سے واپس آئے تو انھوں نے گورنمنٹ کالج کوئٹہ میں ''بزم اقبال'' قائم کی اور قیام پاکستان کے بعد دوبارہ ایران جانے تک اس کے روح رواں رہے۔ اس کے پہلے صدر مسٹر محمد یوسف کھیتران [۴۹] اور سیکرٹری مسٹر محمد رفیق پراچہ [۵۰] تھے۔اس بزم نے طلبہ میں علامہ اقبال کے خیالات وافکار [۵۱] کو پھیلانے کے لیے بھرپور کوششیں کیں۔۲۱اور۲۲راپریل ۱۹۴۸ء کو یوم اقبال بڑے احسن طریقے سے منایا گیا۔ ۱۹۴۹ء میں اس میں مزید اضافہ کیا گیا۔تین جلسوں کا اہتمام ہوا۔ پہلا جلسہ صرف خواتین کے لیے مخصوص تھا جو کوئٹہ میں اب تک خواتین کے لیے منعقد ہونے والے اجتماعات میں سب سے بڑا تھا۔

دوسرے جلسے کی صدارت آقای قدیمی ایرانی قونصل نے کی۔ مقررین میں شامل تھے جناب خاں محمد سرور خاں پرنسپل، جناب خواجہ عبدالحمید عرفانی وائس پرنسپل، جناب امتیاز احمد محمد خاں ڈائریکٹر تعلیمات بلوچستان۔ جناب صدر نے کہا کہ اقبال نے ایرانی ذہن اور ادب کو ایسی گہرائی اور گیرائی سے سمجھا ہے کہ وہ ایران میں کبھی بھی ''غیر'' متصور نہیں ہوگا۔

۲۲راپریل ۱۹۴۹ء کی شب کو تیسرا جلسہ ٹاؤن ہال میں جناب امتیاز محمد خاں ڈائریکٹر تعلیمات بلوچستان کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ایک درجن سے زائد صاحبان نے تقریریں اور نظمیں پیش کیں۔ یہ پبلک میٹنگ چار گھنٹے تک جاری رہی۔ ہال میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔

خواجہ عبدالحمید عرفانی کے ایران جانے کے بعد پروفیسر آغا صادق حسین صادق اس بزم کی آبیاری فرماتے رہے۔ جناب محمد رفیق خاں پراچہ نے اپنے مضمون ''آغا صادق [۵۲] ۔۔۔ایک شفیق استاد'' میں لکھا ہے کہ انھیں دوسری بار ''بزم اقبال'' کا سیکرٹری چنا گیا تھا۔ انھوں نے آغا صادق کی نگرانی میں بڑا کام کیا۔علامہ اقبال کے کلام کو سمجھنے سمجھانے کے لیے آغا صاحب نے بڑی جانفشانی کا مظاہرہ کیا۔ پندرہ پندرہ اور کبھی کبھی ہفتہ وار بزم اقبال کی نشستیں منعقد کرائیں۔ ہر سال یوم اقبال نہایت ترک واحتشام سے منایا گیا۔کالج کے طلبہ اور طالبات کے علاوہ پبلک میں سے دلچسپی رکھنے والے صاحبان بھی مدعو کیے جاتے تھے۔

دو سال (۱۹۵۸ء۔۱۹۵۹ء) تک بزم اقبال کی سرگرمیوں کی نگرانی ایک کمیٹی کرتی رہی جس میں آغا صادق،سعید احمد رفیق، رشید احمد اور انعام الحق کوثر شامل تھے۔

پروفیسر آغا صادق کے تبدیل ہونے پر قریباً دس سال تک بزم اقبال راقم الحروف (انعام

الحق کوثر) کے زیر نگرانی علامہ اقبال کی تعلیمات سے طلبہ کو آگاہ کرتی رہی۔ جلسوں کے علاوہ ڈاکٹر اقبال سے متعلق مختلف انداز کے عنوانات پر مضامین کے مقابلے بھی کرائے جاتے تھے اور باقاعدہ انعامات کا بندوبست ہوتا تھا۔ پبلک جلسوں کا انتظام بھی کیا جاتا تھا۔

بعض مختلف سالوں کے عہدیداران اور اراکین مندرجہ ذیل تھے۔

۱۹۵۹ـ۶۰ء صدر: توفیق احمد خاں، جنرل سیکرٹری: شاداب جہاں قدوسی، جائنٹ سیکرٹری: عبدالعزیز فاروق، خزانچی: عبدالحکیم بلوچ سرگرم اراکین افزائش علی، قیصر خاں، امین درانی، محمد اکبر، عبدالرؤف، غلام نبی، محبوب احمد، احمد ہاشمی، محمد نذیر، ولی محمد جان، حسن محمد

۱۹۶۱ـ۶۲ء صدر: جرار حیدر نائب صدر: ارشد محمود، سیکرٹری: کریم بخش، سیکرٹری نشر و اشاعت: غلام رسول، جائنٹ سیکرٹری: حشمت علی

۱۹۶۴ـ۶۵ء صدر: رؤف بھٹی، نائب صدر: رفیق احمد، سیکرٹری: علی احمد، سرگرم اراکین: کاظم حسین مولوی، محمد یوسف، عنایت اللہ، محمد اسلم، مہر اللہ، نیاز محمد، کریم بخش، محمد اسحاق، عبدالوہاب، محمد صادق

۱۹۶۵ـ۶۶ء صدر: ایم اکرم ڈار، نائب صدر: ضیاء الدین ضیائی، سیکرٹری: سلیم شاہ بخاری، نائب سیکرٹری: عبدالقیوم کاکڑ، ممتاز اراکین: محمد طاہر نعیم، عنایت سلیمانی، پرویز حمید، یار محمد کاکڑ، رحیم خاں، کلب رضا فولادی، جمال الدین، عبدالقدوس درانی، محمد یعقوب (موجودہ سینیٹر)

مضامین کے مقابلوں میں عنوان پہلے بتا دیا جاتا تھا۔ بعد ازاں طلبہ ایک کمرے میں بیٹھ کر وقت مقررہ میں مضمون لکھتے تھے۔ نام کی بجائے کاپیوں پر وقتی الاٹ شدہ رول نمبر درج ہوتے تھے۔ ۱۹۶۰ء[۵۳] میں مقابلے کا عنوان تھا۔ ''علامہ اقبال کے ہاں ایک مثالی نوجوان کا تصور'' یہ مقالہ ۳۰ ستمبر ۱۹۶۰ء کو گیارہ بجے دن منعقد کرایا گیا اور ۵ اکتوبر ۱۹۶۰ء کو یہ نتیجہ نکلا:

بی اے	اوّل	شاداب جہاں قدوسی
	دوم	ظفر احمد
انٹر	اوّل	کریم بخش دشتی
	دوم	ذوالفقار رضوی
	دوم	مختار حسن

جج صاحبان: پروفیسر انور رومان، پروفیسر خلیل صدیقی، پروفیسر سعید احمد رفیق، پروفیسر محمد اسلم قریشی۔

ان دنوں بزم اقبال کے سرپرست تھے: پروفیسر ایس-اے-انور پرنسپل۔ ۶۵-۱۹۶۴ء[۵۴] میں مقابلے کا عنوان تھا ''علامہ اقبال کی نظر میں شعر کا تصور اور شاعر کا مقام'' ڈگری کے طلبہ میں رؤف بھٹی اوّل اور حشمت علی دوم رہے۔ انٹر میں شہریار جہاں قدوسی اوّل آئے۔ اسی سال کے دوران ایک عظیم اجتماع کی صدارت ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی نے کی۔ مقررین میں ایرانی قونصل، ڈاکٹر انعام الحق کوثر اور کئی طلبہ نے حصہ لیا۔ آخر میں ڈاکٹر عرفانی نے ''علامہ اقبال اور مولانا رومی'' پر ایک سیر حاصل تقریر کی۔ ہال سامعین سے بھرا ہوا تھا۔

۱۹۶۶ء[۵۵] یوم اقبال کی اہم تقریب شایان شان طور پر منائی گئی اور یہ سعادت صرف اسی بزم کو نصیب ہوئی۔ صدارت کے فرائض پرنسپل کرار حسین نے ادا کیے۔ مقالہ نگاروں میں طلبہ کے علاوہ جناب سردار نقوی اور ڈاکٹر اکبر حسین قریشی بھی شامل تھے۔ ظہیر الحق ساقی الحسینی نے نذرانہ عقیدت کے تحت اپنے خیالات منظوم صورت میں پیش کیے تھے۔ انعامی مقابلے کے انعامات بھی تقسیم کیے گئے۔ سعید خالد اور یار محمد کاکڑ نے اوّل، دوم پوزیشن لی تھی۔

۲۹ر اپریل ۱۹۶۸ء[۵۶] کو یوم اقبال منایا گیا۔ اس تقریب کے میر مجلس چودھری عطا محمد سابق ڈائریکٹر آف ایجوکیشن تھے۔ میر عبدالباقی نے تلاوت کلام پاک سے جلسے کی کارروائی کا آغاز کیا۔ اسٹیج سیکرٹری کے فرائض خود ڈاکٹر کوثر نے انجام دیے۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے چودھری عطا محمد کا تعارف حاضرین سے کرایا۔ علامہ اقبال کے کلام سے گہرا لگاؤ رکھنے اور ادبی علمی اور سماجی بہبود کی سرگرمیوں کے باعث انھیں خراج تحسین پیش کیا۔

سب سے پہلے کالج کے پرنسپل جناب محمد اکرم انصاری نے اپنا مقالہ پڑھا اور اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ بدقسمتی سے ہم نے علامہ اقبال کے فلسفے کو عملی طور پر اپنی زندگی کا جزو نہیں بنایا۔ انھوں نے کہا کہ اقبال کے فلسفے کا عملی درس صرف برصغیر کے مسلمانوں کے لیے مخصوص نہیں بلکہ اس کا دائرہ عالم اسلام تک وسیع ہے۔ جناب انصاری نے اقبال کی شاعری پر روشنی ڈالی اور کہا کہ حقیقی شاعری اخلاقیات، نظریات اور عملیات پر مشتمل ہوتی ہے اور یہ خواص اقبال کی شاعری میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ شاعری کا مقصد بھی یہی ہونا چاہیے تاکہ ہم وقت کے تقاضوں کا مقابلہ کر سکیں۔ اس سے بڑھ کر اقبال نے یہ کام کیا کہ یونانی اور مسیحی نظریات اور زندگی کی

نفی کی اور ہمیں حقیقی طور پر اسلامی نظریہ سے روشناس کرایا۔ جناب انصاری نے مزید کہا کہ اقبال نے قوم پرستی کی حوصلہ شکنی کی اور انسانیت اور بھائی چارے اور خدا کی وحدانیت کی تعلیم دی۔

ان کے بعد مسٹر محمود الحسن نے ''علامہ اقبال اور مغربیت'' کے عنوان سے ایک مقالہ پڑھا۔ مقالے میں انھوں نے علامہ اقبال کے اس جہاد کا ذکر کیا جو انھوں نے مغربی تہذیب کے خلاف کیا تھا اور جس سے مسلمانوں کو خبردار رہنے کی تلقین کی تھی۔

ان کے بعد مسٹر محمد رفیق [۵۷] نے ''اقبال اور مثالی نوجوان'' کو موضوع بنایا۔ انھوں نے اقبال کے مردِ مومن کا یورپ کے فلاسفروں اور مفکروں کے ''مردِ کامل'' سے موازنہ کیا اور اقبال کے مثالی نوجوان کی برتری، بلندی ثابت کی۔

ان کے بعد ایم اے انگریزی کے طالب علم مسٹر صبغت منصور [۵۸] نے ''اقبال و فلسفہ حیات'' پر ایک مضمون پڑھا۔ اپنے مضمون میں انھوں نے اقبال کے اسلامی فلسفہ حیات اور اس کے عوامل اور ان کے تحت آنے والے سیاسی و معاشرتی مسائل کو واضح کیا۔

بعد ازاں پروفیسر ساقی الحسینی نے ایک نظم سنائی جس میں اقبال کو خراجِ عقیدت پیش کیا گیا تھا۔ پھر پروفیسر صفدر حسین [۵۹] نے ''ہماری نوجوان نسل اور اقبال'' مقالہ پیش کیا اس مقالہ میں انھوں نے اقبال کے حوالے سے خودی کو زندگی کی بنیادی شرط قرار دیا۔ ان کے بعد پروفیسر محمد مسعود احمد نے اسرار خودی کا ایک اجمالی خاکہ پیش کیا۔

اس کے بعد جناب چودھری عطا محمد نے صدارتی خطبہ میں کہا کہ آج اقبال کے مطالعے کی ضرورت بڑھ گئی ہے۔ انھوں نے کہا کہ اقبال کا کلام ہمارے لیے چراغِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر اسے پڑھیں اور غور کرنے کے بعد اس پر عمل کریں تو مادیت کا بہتا ہوا منہ زور طوفان ہمیں کبھی بھی منزل سے دور نہیں رکھ سکتا۔

تقریب کے اختتام پر مضمون نگار طلبہ میں انعامات تقسیم کیے گئے۔ جن میں محمد رفیق، محمود الحسن، صبغت منصور اور مشتاق احمد بالترتیب اوّل، دوم، سوم اور چہارم درجے پر رہے

اس بزمِ اقبال کی کارگزاریوں میں پروفیسر ش ضحیٰ، پروفیسر انور رومان، پروفیسر خلیل صدیقی، جناب عبدالصمد درانی، مولانا عبدالکریم [۶۰]، چودھری عطا محمد، پروفیسر کرار حسین [۶۱]، سردار نقوی [۶۲]، ڈاکٹر اسلم قریشی [۶۳]، ڈاکٹر اکبر حسین قریشی [۶۴]، ظہیر الحق ساقی الحسینی [۶۵]، پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد [۶۶]، پرنسپل اکرم انصاری [۶۷] وغیرہ بھی حصہ لیتے رہے۔ متعدد طالبات اور طلبہ اس بزم کے سرگرم رکن رہے۔ جو آج کامیاب زندگی بسر کر رہے ہیں۔

تعلیمی اداروں میں علامہ اقبال سے متعلق بعض تقاریب کا مختصر ذکر

گورنمنٹ کالج ژوب [۶۸]

۳/نومبر ۱۹۶۹ء......صدر مجلس: پرنسپل کرم الٰہی

مقالہ نگار حضرات: جناب صاحبزادہ حمید اللہ خاں، جناب سلطان الطاف علی، جناب سید اشرف علی، ڈاکٹر انعام الحق کوثر (پرنسپل)

گورنمنٹ انٹر کالج مستونگ [۶۹]

۲۱/اپریل ۱۹۷۰ء......صدارت: ڈاکٹر انعام الحق کوثر (پرنسپل)

مقررین: جناب حیات علی، جناب شیخ خوش محمد، جناب ملک محمد رمضان اور طلبہ۔

۲۱/اپریل ۱۹۷۱ء [۷۰]......صدارت: ڈاکٹر انعام الحق کوثر (پرنسپل)

مہمان خصوصی: ملک محمد رمضان ایڈیٹر ساربان مستونگ

مقررین: حسین احمد، اکبر علی شیرازی، قاضی محمد انور، بشیر احمد، فیروز خاں، نعمان افضل، جناب حیات علی، جناب سلطان الطاف علی، شیخ خوش محمد، ملک محمد رمضان۔

۱۴/اکتوبر ۱۹۷۱ء [۷۱]......صدارت: پروفیسر آغا صادق حسین صادق (ریٹائرڈ پرنسپل)

مقررین: عبدالاحد، عبدالغنی، بشیر احمد، رضوان الحق، شاہد محمود صدیقی، فیروز خاں، سید اعجاز حسین شاہ، ڈاکٹر انعام الحق کوثر۔

۱۸/اکتوبر ۱۹۷۱ء [۷۲]......صدارت: جناب پروفیسر حمید احمد خاں وائس چانسلر پنجاب یونی ورسٹی، لاہور

مقررین: سید اعجاز حسین شاہ، جناب عبدالغفور غفاری، جناب محمد طاہر، ڈاکٹر انعام الحق کوثر

۲۰/اپریل ۱۹۷۲ء [۷۳]......صدارت: سعید اللہ لودھی ایڈووکیٹ

مقررین: سہیل عابد، محمد انور، فیروز خاں، رام داس، سید اعجاز حسین شاہ، شیخ خوش محمد، سید مرتضٰی جعفری، ڈاکٹر تاج محمد

گورنمنٹ کالج ژوب

۲۱/اپریل ۱۹۷۳ء [۷۴]......صدارت: پولیٹکل ایجنٹ ژوب جناب فقیر محمد بلوچ

مقررین: غلام محمد تاج، ڈاکٹر انعام الحق کوثر اور دیگر صاحبان

جناب سعید گوہر نے علامہ اقبال کے کلام پر ایک تضمین پیش کی اور علامہ کے کلام کے بعض پشتو ترجمے بھی۔

گورنمنٹ کالج لورالائی

۲۱/اپریل ۱۹۷۳ء[۵]......صدر: جناب رب نواز مائل

مقررین: امیر محمد خاں، محمد افضل، سیف اللہ، محمد اعظم، جناب اختر عباس سعید، ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول لورالائی۔

۱۴/نومبر ۱۹۷۴ء[۶]......صدر: جناب اکرم جان غلزئی ڈپٹی کمشنر لورالائی

مقررین: قاری محمد الدین، عبدالباری، ریاض احمد، شادی خاں، رب نواز مائل، ڈاکٹر انعام الحق کوثر

شعرا: گل شاہ خوستی (پشتو میں علامہ اقبال کو خراج عقیدت) منور حسین بزدار خورشید افروز، تابش نگینوی

منور حسین بزدار کی نظم کا ایک بند:

سبز پرچم نے ہواؤں کو یہ پیغام دیا
ظلم کے فرمانرواؤں سے یہ جا کر کہہ دو
آخر اقبال کے پیغام کو عنوان ملا

خورشید افروز:

دعوت صد عمل پیام اس کا
روح قرآن ہے کلام اس کا
مر گیا وہ ، وہ مر نہیں سکتا
یونہی زندہ رہے گا نام اس کا
اس سے قائم ہے فکر کا دم خم
اس کے دم سے ہے شاعری کا بھرم

تابش نگینوی:

تیرا یہ پیام مشرق یہ ضرب کلیم
دے گئی حال مستقبل کو پیغام عظیم
اے تغیرات عالم کے شناسائے عظیم
وسعت کون و مکان اے داعی ضرب کلیم
مرتبہ ملت نے پایا ہے دو چند اقبال کا
قوم کا اقبال ہے سربلند اقبال کا

۱۹/اپریل ۱۹۷۵ء[۷۷]......صدر: جناب اکرم جان غلزئی ڈپٹی کمشنر لورالائی

مقررین: اختر حمید طارق، غلام نبی، عبدالباری، محمد انور، عبدالمجید، ڈاکٹر انعام الحق کوثر

شعرا: رب نواز مائل، خورشید افروز، سعید گوہر

۲۰/اپریل ۱۹۷۵ء[۷۸]...... پروفیسر خلیل صدیقی ناظم تعلیمات حکومت بلوچستان کوئٹہ نے یوم اقبال کے سلسلے میں اقبال کے فلسفہ خودی کی وضاحت کی اور طلبہ کو تاکید کی کہ وہ شاعر مشرق کو اپنی عملی زندگی میں جگہ دیں۔

۴/مئی ۱۹۷۶ء[۷۹]......صدر: شیخ غلام صابر ایڈووکیٹ

مقررین: محمد لطیف، عبدالمجید، آصف علی، خالد محمود، بشیر احمد، جناب خورشید افروز، ڈاکٹر انعام الحق کوثر

۱۹/جون ۱۹۷۷ء[۸۰]......مہمان خصوصی: ڈاکٹر نصیر الدین جوگیزئی صوبائی وزیر
(اقبال سے متعلق صد سالہ تقریبات کے سلسلے میں)

صدر: جناب نوشیروان خاں ڈپٹی کمشنر لورالائی

مقررین: آصف علی، جاوید رزاق، خورشید افروز، تابش نگینوی، محمد شریف، ڈاکٹر انعام الحق کوثر

ڈاکٹر نصیر الدین جوگیزئی نے اپنی تقریر میں کہا کہ ”اقبال کی تعلیمات اور نظریات دراصل قرآن اور حدیث کی تفسیر ہیں۔ انھیں سمجھنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کے لیے قرآن وحدیث سے آگاہی ضروری ہے ۔۔۔ وہ مسلمانوں کے بہی خواہ تھے اور بین الاقوامی اتحاد المسلمین کے خواہاں“۔۔۔

۲۱/اپریل ۱۹۷۸ء[۸۱]......صدر: شیخ غلام صابر ایڈووکیٹ

مہمان خصوصی: مشتاق احمد فراق

مقررین: ڈاکٹر انعام الحق کوثر، میاں محمد اشرف، عالی شان، سید حسین احمد، محمد فہیم الحق، منور حسین، جاوید رزاق، خورشید افروز

گورنمنٹ انٹر کالج نوشکی[۸۲]

۸؍نومبر ۱۹۸۲ء......صدر: ڈاکٹر انعام الحق کوثر

مقررین: پروفیسر محمد شریف، جناب اعتبار ساجد، مظفر احمد، شمس الحق، ذوالفقار علی، عبدالخالق، صلاح الدین، عبداللطیف، جمیل احمد، منیر احمد، اعجاز طیب

۸؍نومبر ۱۹۸۳ء، علامہ اقبال کوئز مقابلے گورنمنٹ انٹر کالج نوشکی میں منعقد ہوئے۔ صدارت لوٹیکل ایجنٹ ضلع چاغی نے کی۔ کوئز کمپیئر جناب پرویز محمود اور جناب اخلاق محمود تھے۔ اسٹیج سیکرٹری کے فرائض جناب اعتبار ساجد نے ادا کیے۔ پروگرام میں نہال خاں اور اس کے ساتھیوں اور شمس الحق اور اس کے ساتھیوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ پرنسپل پروفیسر محمد شریف نے بھی خطاب کیا۔[۸۳]

اقبال اکادمی پاکستان لاہور نے ۳۰؍اکتوبر ۱۹۸۷ء کو پشین میں زیر صدارت جنرل محمد موسیٰ گورنر بلوچستان، ۳۱؍اکتوبر ۱۹۸۷ء ایلیمنٹری کالج مستونگ اور یکم نومبر ۱۹۸۷ء کو قلم قبیلہ ادبی ٹرسٹ کوئٹہ کے ہال میں زیر صدارت جام میر غلام قادر وزیر اعلیٰ بلوچستان یوم اقبال کے سلسلے میں ادبی پروگرام ترتیب دیے۔ جو بہت کامیاب رہے۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے بطور صوبائی معاون ہر مرحلے پر تعاون کیا۔ انھوں نے اقبال اکادمی کی جانب سے طلبہ وطالبات کے لیے علامہ اقبال سے متعلق انعامی ادبی تقریب کا بندوبست کیا۔ انعامات اقبال اکادمی پاکستان نے مہیا کیے تھے۔

نصاب تعلیم میں اقبالیات کے سلسلے میں ۲ اور ۳؍اپریل ۱۹۸۸ء کو اقبال اکادمی پاکستان لاہور کے زیر اہتمام ورکشاپ منعقد ہوئی۔ روئیداد میں مندرج ہے: ''سب سے عمدہ کام ڈاکٹر محمد معروف کی ہدایت پر سید سجاد حیدر رضوی اور ڈاکٹر انعام الحق کوثر کا تھا جنھوں نے اپنے ماتحت سبجیکٹ سپیشلسٹوں سے پر فارمے پر کروائے تھے اور ہر جماعت کے نصاب میں اقبالیات کے موجود نصاب کی تفاصیل تیار کی تھیں۔

(اقبالیات، لاہور، جولائی، ستمبر ۱۹۸۸ء، ص ۱۷۹۔۱۹۷)

پاکستان نیشنل سنٹر، کوئٹہ

پاکستان نیشنل سنٹر کوئٹہ ۲۶ جولائی ۱۹۷۲ء کو قائم ہوا۔ اس کے پہلے ریزیڈنٹ ڈائریکٹر عبدالحفیظ الکوزئی مقرر ہوئے۔ بعدازاں محمد نسیم نے اس کا انتظام سنبھالا۔ آپ نے ۱۹۷۴ء سے ۱۹۸۸ء تک خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد صورت خاں مری اور امان اللہ کاکڑ نے یکے بعد دیگرے بطور ریزیڈنٹ ڈائریکٹر کام کیا۔ آج کل اس کی سربراہی پھر محمد نسیم کے پاس ہے۔

اب تک اس سنٹر میں مختلف نوعیت (جیسے تعلیمی، مذہبی، معاشرتی، سماجی، ثقافتی اور ادبی) کے کم و بیش اڑھائی ہزار پروگرام منعقد ہو چکے ہیں۔ نوجوانوں اور بچوں کے لیے بھی متعدد پروگرام ترتیب دیے جا چکے ہیں۔ تحریک پاکستان، تحریک پاکستان اور بلوچستان، اساسی نظریہ پاکستان، قائداعظم اور علامہ اقبال سے متعلق اچھے خاصے پروگراموں کا انعقاد ہوا ہے۔

علامہ اقبال کے ۱۹۷۷ء میں جشن ولادت کے بارے میں خصوصی تقریبات کا اہتمام کیا گیا تھا۔ جن کی تعداد تیرہ بنتی ہے۔ تفصیل یہ ہے۔

۱۵ر جنوری ۱۹۷۷ء: علامہ اقبال کا صد سالہ جشن ولادت

۱۹ر مارچ ۱۹۷۷ء: اقبال کا قومی سالمیت کا نظریہ

۳۰ر مارچ ۱۹۷۷ء: اقبال بحیثیت قومی شاعر

۲۰ر اپریل ۱۹۷۷ء: علامہ اقبال کا یوم وفات

۲۱ر اپریل ۱۹۷۷ء: اقبال کا شاہین آج کس بات کی علامت بن کر ابھرتا ہے؟

۱۷ر مئی ۱۹۷۷ء: علامہ اقبال کی صد سالہ تقریبات

۱۶ر جون ۱۹۷۷ء: بچوں کے لیے اقبال کا کلام

۲۳ر اگست ۱۹۷۷ء: اقبال، عالمی اخوت اور بھائی چارہ کا پیامبر

۲۸ر ستمبر ۱۹۷۷ء: اقبال کی شاعری میں حب الوطنی

۲۰ر اکتوبر ۱۹۷۷ء: اقبال کی نظر میں فرد اور معاشرہ کا تعلق

۷ر نومبر ۱۹۷۷ء اقبال کا پیغام نئی نسل کے نام

۸ر نومبر ۱۹۷۷ء: علامہ اقبال کی صد سالہ تقریبات

۱۴ر دسمبر ۱۹۷۷ء: برصغیر میں اسلام کی نشاۃ الثانیہ میں اقبال کا حصہ

نیشنل سنٹر کوئٹہ نے اپنے قیام سے لے کر اب تک علامہ اقبال کے یوم ولادت اور یوم اقبال پر تقریباً پچاس تقریبات منعقد کی ہیں۔

پاکستان نیشنل سنٹر کوئٹہ کی لائبریری میں دس ہزار کے قریب کتب موجود ہیں۔ جو اسلام، پاکستان، معاشیات، سوشل سائنس، اقبالیات اور دوسرے موضوعات پر مشتمل ہیں۔ جن سے لوگ استفادہ کر رہے ہیں۔ علاوہ ازیں رسائل اور اخبارات کی سہولیات بھی میسر ہیں۔

پاکستان چلڈرنز اکیڈمی، کوئٹہ

بچوں کے لیے قائم اس قومی ادارے [۸۴] نے جہاں اور مشاہیر اسلام اور پاکستان کی جدوجہد آزادی کے مجاہدین و اکابرین کے کارناموں اور زندگی کے مختلف پہلوؤں پر بچوں کی مختلف نشستوں کا انعقاد کیا۔ وہاں علامہ اقبال کے بارے میں بھی پوری پوری معلومات بہم پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے۔

اکیڈمی نے ڈاکٹر اقبال کی لکھی ہوئی بچوں کے لیے چھوٹی چھوٹی نظموں کو چارٹ کی صورت میں شائع کر کے کثیر تعداد میں بچوں میں تقسیم کیں۔ یہ چارٹ آج بھی اکثر تعلیمی اداروں میں آویزاں ہیں۔

چند اہم تقریبات

۱- ۲۱/اپریل ۱۹۸۱ء کو علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی کوئٹہ میں ایک تقریب منعقد کی جس میں بچوں کے علاوہ بڑوں نے بھی شرکت کی۔ اس تقریب میں بچوں نے ڈاکٹر اقبال کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا جب کہ بڑوں نے علامہ کی شخصیت، ان کی ذات اور اسلامی کردار پر روشنی ڈالی۔ اس تقریب میں علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی کوئٹہ کے ریجنل ڈائریکٹر نے مقرر بچوں کو کتابوں کے تحائف بھی پیش کیے۔ اس تقریب کی صدارت بیگم ثاقبہ رحیم الدین چیئرمین پاکستان چلڈرنز اکیڈمی نے کی۔

۲- ہفتہ اطفال ۱۹۸۱ء کی تقریبات میں کوئز مقابلہ میں ڈاکٹر محمد اقبال کے بارے میں بے شمار سوالات شامل کیے گئے۔ اس نوعیت کے سوالات آئندہ ہفتہ اطفال [۸۵] کی تقریبات میں بھی شامل کیے جاتے رہے۔

۳- بچوں کے لیے لکھی گئی علامہ اقبال کی متعدد نظموں پر بچوں اور بچیوں نے ٹیبلو کے کئی پروگرام پیش کیے۔ جن میں (ایک مکڑا اور مکھی) اپنی نوعیت کا انوکھا اور مشکل ترین ٹیبلو بھی شامل ہے۔

۴- اکیڈمی نے ڈاکٹر محمد اقبال کی مشہور نظم "بڈھے بلوچ کی نصیحت بیٹے کے نام" اپنے شائع کردہ سوینیر ۱۹۸۱ء میں شامل کی۔

۵- مختلف تقریری مقابلوں اور مباحثوں میں بچوں نے علامہ اقبال کے متعدد اشعار دہرائے اور ان اشعار کے حوالے سے اپنا موقف باور کرانے کی سعی کی۔

۶- علامہ اقبال کی نظمیں جو انھوں نے بچوں کے لیے لکھیں اکیڈمی نے رنگ برنگ کاغذوں پر چھپوا کر بچوں میں تقسیم کیں اور بعض تعلیمی اداروں میں آویزاں کرائیں۔ (دو تین نمونے منسلک ہیں)

۷- اب تک یہ پروگرام جاری و ساری ہیں۔

ایک پہاڑ اور گلہری

(ماخوذ از ایمرسن)

بچوں کے لیے

کوئی پہاڑ یہ کہتا تھا اک گلہری سے
تجھے ہو شرم، تو پانی میں جا کے ڈوب مرے
ذرا سی چیز ہے، اس پر غرور! کیا کہنا!
یہ عقل اور یہ سمجھ، یہ شعور کیا کہنا!
خدا کی شان ہے ناچیز چیز بن بیٹھیں!
جو بے شعور ہوں یوں باتمیز بن بیٹھیں!
تری بساط ہے کیا میری شان کے آگے؟
زمیں ہے پست مری آن بان کے آگے
جو بات مجھ میں ہے تجھ کو وہ ہے نصیب کہاں
بھلا پہاڑ کہاں، جانور غریب کہاں!

کہا یہ سن کے گلہری نے، منہ سنبھال ذرا
یہ کچی باتیں ہیں دل سے انھیں نکال ذرا!
جو میں بڑی نہیں تیری طرح تو کیا پروا!
نہیں ہے تو بھی تو آخر مری طرح چھوٹا
ہر ایک چیز سے پیدا خدا کی قدرت ہے
کوئی بڑا، کوئی چھوٹا، یہ اس کی حکمت ہے
بڑا جہان میں تجھ کو بنا دیا اس نے
مجھے درخت پہ چڑھنا سکھا دیا اس نے
قدم اٹھانے کی طاقت نہیں ذرا تجھ میں
نری بڑائی ہے! خوبی ہے اور کیا تجھ میں
جو تو بڑا ہے تو مجھ سا ہنر دکھا مجھ کو
یہ چھالیا ہی ذرا توڑ کر دکھا مجھ کو
نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں
کوئی بڑا نہیں قدرت کے کارخانے میں

بچے کی دعا

(ماخوذ)

بچوں کے لیے

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری!
دور دنیا کا مرے دم سے اندھیرا ہو جائے!
ہر جگہ میرے چمکنے سے اجالا ہو جائے!
ہو مرے دم سے یونہی میرے وطن کی زینت
جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت

زندگی ہو مری پروانے کی صورت یا رب!
علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یا رب!
ہو مرا کام غریبوں کی حمایت کرنا
درد مندوں سے ضعیفوں سے محبت کرنا
مرے اللہ! برائی سے بچانا مجھ کو
نیک جو راہ ہو اس رہ پہ چلانا مجھ کو

ایک مکڑا اور مکھی

(ماخوذ)

بچوں کے لیے

اک دن کسی مکھی سے یہ کہنے لگا مکڑا
اس راہ سے ہوتا ہے گزر روز تمھارا
لیکن مری کٹیا کی نہ جاگی کبھی قسمت
بھولے سے بھی تم نے یہاں پاؤں نہ رکھا
غیروں سے نہ ملیے تو کوئی بات نہیں ہے
اپنوں سے مگر چاہیے یوں کھنچ کے نہ رہنا
آؤ جو مرے گھر میں تو عزت ہے یہ میری
وہ سامنے سیڑھی ہے جو منظور ہو آنا
مکھی نے سنی بات جو مکڑے کی تو بولی
حضرت! کسی نادان کو دیجیے گا یہ دھوکا!
اس جال میں مکھی کبھی آنے کی نہیں ہے
جو آپ کی سیڑھی پہ چڑھا، پھر نہیں اترا
مکڑے نے کہا : واہ! فریبی مجھے سمجھے
تم سا کوئی نادان زمانے میں نہ ہو گا

منظور تمھاری مجھے خاطر تھی، وگرنہ
کچھ فائدہ اپنا تو مرا اس میں نہیں تھا
اڑتی ہوئی آئی ہو خدا جانے کہاں سے
ٹھیرو جو مرے گھر میں تو ہے اس میں برا کیا؟
اس گھر میں کئی تم کو دکھانے کی ہیں چیزیں
باہر سے نظر آتا ہے چھوٹی سی یہ کٹیا
لٹکے ہوئے دروازوں پہ باریک ہیں پردے
دیواروں کو آئینوں سے ہے میں نے سجایا
مہمانوں کے آرام کو حاضر ہیں بچھونے
ہر شخص کو ساماں یہ میسر نہیں ہوتا
مکھی نے کہا: خیر! یہ سب ٹھیک ہے لیکن
میں آپ کے گھر آؤں، یہ امید نہ رکھنا!
ان نرم بچھونوں سے خدا مجھ کو بچائے
سو جائے کوئی ان پہ تو پھر اٹھ نہیں سکتا!
مکڑے نے کہا دل میں، سنی بات جو اس کی
پھانسوں اسے کس طرح یہ کمبخت ہے دانا
سو کام خوشامد سے نکلتے ہیں جہاں میں
دیکھو جسے دنیا میں خوشامد کا ہے بندا
یہ سوچ کے مکھی سے کہا اس نے بڑی بی!
اللہ نے بخشا ہے بڑا آپ کو رتبا!
ہوتی ہے اسے آپ کی صورت سے محبت
ہو جس نے کبھی ایک نظر آپ کو دیکھا
آنکھیں ہیں کہ ہیرے کی چمکتی ہوئی کنیاں
سر آپ کا اللہ نے کلغی سے سجایا

یہ حسن، یہ پوشاک، یہ خوبی، یہ صفائی!
پھر اس پہ قیامت ہے یہ اڑتے ہوئے گانا
مکھی نے سنی جب یہ خوشامد تو پسیجی،
بولی کہ نہیں آپ سے مجھ کو کوئی کھٹکا
انکار کی عادت کو سمجھتی ہوں برا میں
سچ یہ ہے کہ دل توڑنا اچھا نہیں ہوتا
یہ بات کہی اور اڑی اپنی جگہ سے
پاس آئی تو مکڑے نے اچھل کر اسے پکڑا
بھوکا تھا کئی روز سے اب ہاتھ جو آئی
آرام سے گھر بیٹھ کے مکھی کو اڑایا

ریڈیو پاکستان، کوئٹہ

یہ اسٹیشن ۱۹۵٦ء میں قائم ہوا۔ علامہ اقبال سے متعلق مختلف النوع پروگرام اُردو، پشتو بلوچی، براہوئی اور فارسی میں نشر ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ جن کا اندازہ لگانا آسان نہیں۔ راقم الحروف نے ان کا ریکارڈ دیکھنے کی چھ ماہ تک بھرپور کوشش کی۔ مگر کامیابی نہ ہوئی۔

علاقائی دفتر علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی اور ڈاکٹر اقبال

علاقائی دفتر علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی کوئٹہ کا قیام ۱۹۷٦ء میں عمل آیا اور ۱۹۷۷ء سے اس دفتر نے باقاعدہ کام شروع کر دیا۔ اب تک اس دفتر کے علاقائی ناظم کے طور پر پانچ افسران کام کر چکے ہیں۔ موجودہ علاقائی ناظم سید خلیق الزماں غرشین ہیں جو دراصل مرکزی اعلیٰ ملازمتوں کے افسر ہیں اور علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی نے ان کی خدمات مرکزی حکومت سے حاصل کیں اور انھیں علاقائی دفتر کوئٹہ کا علاقائی ناظم مقرر کیا تاکہ وہ یونی ورسٹی کے نظام کو صوبہ بلوچستان میں منظّم کریں۔ موصوف پولیٹکل سائنس میں ایم اے ہیں اور بی اے تک فارسی کا مضمون ان کا پسندیدہ مضمون رہا اور وہ بھی صرف اس لیے کہ علامہ اقبال کے فارسی کلام سے انھیں خاص شغف اور اُردو کلام سے بھی عقیدت ہے۔

علاقائی دفتر علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی کوئٹہ کے زیر اہتمام اس کے قیام سے لے کر ہر

سال ۲۱ / اپریل کو وفات علامہ اقبال کے سلسلہ میں اور ۹ / نومبر کو پیدائش اقبال کے سلسلہ میں تقریبات منعقد کی جاتی ہیں۔ جن میں سے مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں۔

۱- علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی کے علاقائی دفتر اور ریڈیو پاکستان کوئٹہ کے تعاون سے علامہ اقبال کی زندگی، کام اور خیالات پر مبنی ایک معلوماتی مقابلہ ۱۴ / اپریل ۱۹۸۲ء کو تین بجے منعقد ہوا۔ جو ریڈیو پاکستان کوئٹہ سے نشر ہوا۔ اس مقابلہ میں گورنمنٹ گرلز کالج کی طالبہ مس شاہدہ یوسف اوّل، گورنمنٹ سائنس کالج کوئٹہ کے طالب علم عامر اشتیاق دوم آئے۔ اس مقابلہ میں گورنمنٹ سائنس کالج کوئٹہ، گورنمنٹ ڈگری کالج کوئٹہ، گورنمنٹ گرلز کالج کوئٹہ، بولان میڈیکل کالج کوئٹہ اور بلوچستان یونی ورسٹی کے طلبہ و طالبات نے حصہ لیا۔

۲- نومبر ۱۹۸۲ء مندرجہ ذیل موضوعات پر یوم پیدائش علامہ اقبال کے موقعہ پر مضمون نویسی کا مقابلہ منعقد ہوا۔

(الف) اقبال اور جوانان ملت (ب) قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلمان اس مضمون نویسی کے مقالہ میں گورنمنٹ کالج کوئٹہ کے خالد رحمٰن، گورنمنٹ گرلز کالج کوئٹہ کی طالبہ مس روبینہ کوثر لودھی، گورنمنٹ سائنس کالج کوئٹہ کے غازی خان نے حصہ لیا۔ لیکن کوئی طالب علم نمایاں پوزیشن حاصل نہ کر سکا۔

۳- اپریل ۱۹۸۳ء میں علامہ اقبال کی زندگی کے بارے میں معلوماتی مقابلہ ریڈیو پاکستان کوئٹہ کے تعاون سے منعقد کیا گیا جو ۱۷ / اپریل ۱۹۸۳ء کو ریڈیو پاکستان کوئٹہ سے نشر ہوا۔ اس مقابلہ میں مندرجہ ذیل تعلیمی اداروں کے طلبہ نے حصہ لیا۔

۱۔ گورنمنٹ کالج کوئٹہ، ۲۔ بولان میڈیکل کالج کوئٹہ، ۳۔ بلوچستان یونی ورسٹی، ۴۔ گورنمنٹ سائنس کالج کوئٹہ، ۵۔ گورنمنٹ گرلز کالج کوئٹہ، ۶۔ گورنمنٹ پولی ٹیکنیک انسٹی ٹیوٹ کوئٹہ

اس مقابلہ میں بولان میڈیکل کالج کوئٹہ کے خالد ثنا ملک اوّل اور بلوچستان یونی ورسٹی کے عامر اشتیاق دوم آئے۔

۴- نومبر ۱۹۸۲ء میں علاقائی دفتر علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی کے زیر اہتمام مندرجہ ذیل

موضوعات پر مضمون نویسی کا مقابلہ منعقد ہوا۔
الف) افکار اقبال و تعمیر پاکستان
ب) غافل نہ ہو خودی سے کر اپنی پاسبانی
ج) افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
اس مقابلہ میں گورنمنٹ سائنس کالج کوئٹہ، بلوچستان یونی ورسٹی، تعمیر نو پبلک کالج، گورنمنٹ کالج اوستہ محمد، گورنمنٹ انٹر گرلز کالج سبی اور پولی ٹیکنیک انسٹی ٹیوٹ کوئٹہ کے طلبہ/طالبات نے حصہ لیا۔ اس مقابلہ میں ناصر محمود طالب علم پولی ٹیکنیک انسٹی ٹیوٹ بلوچستان میں اوّل رہے اور انھیں پانچ سو روپے نقد اور کلیات اقبال فارسی و اُردو کا سیٹ بھی بطور انعام دیا گیا۔

۵- ۲۱/اپریل ۱۹۸۴ء کو علاقائی دفتر کوئٹہ میں پروفیسر میاں محمد صدیق کی زیر صدارت ایک تقریب منعقد ہوئی۔ جس میں طلبہ کے درمیان تقریری مقابلہ ہوا۔ اس تقریب میں علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی کے طلبہ احسان اللہ شاہ اوّل، وحید احمد شاہ دوم اور حبیب الرحمٰن نے تیسری پوزیشن حاصل کی۔ طلبہ کو بالترتیب ۱۰۰ روپے، ۷۵ روپے، اور ۵۰ روپے کے انعامات اور علامہ اقبال کی فارسی شاعری کی ایک ایک کتاب انعام کے طور پر دی گئی۔

۶- نومبر ۱۹۸۴ء میں مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت یوم پیدائش اقبال کے موقع پر ایک مضمون نویسی کا مقابلہ منعقد ہوا۔

قومی یکجہتی اور ہماری ذمہ داریاں

اس مقابلہ میں اوپن یونی ورسٹی کے طلبہ رانا محمد اقبال اور محمد یوسف شاہ غرشین نے حصہ لیا۔ سید محمد یوسف شاہ غرشین پورے ملک میں دوم آئے اور بلوچستان میں اوّل پوزیشن حاصل کی۔ انھیں ملک میں دوم آنے پر آٹھ سو روپے نقد اور صوبہ بھر میں اوّل آنے پر تین سو روپے نقد انعام دیا گیا۔

۷- نومبر ۱۹۸۴ء میں علامہ اقبال کے یوم پیدائش کے موقع پر ایک معلوماتی مقابلہ منعقد ہوا جس میں علامہ اقبال کی زندگی، شاعری، نظریات اور سیاست کے بارے میں اظہار خیال کرنا تھا۔ مقابلہ میں گورنمنٹ فیڈرل کالج کوئٹہ، ڈگری کالج سبی، تعمیر نو پبلک کالج کوئٹہ پولی

ٹیکنیک انسٹی ٹیوٹ کوئٹہ اور علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی کے طلبہ اور طالبات نے حصہ لیا۔
جب کہ بلوچستان کے تمام کالجز اور بلوچستان یونی ورسٹی کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔

اس معلوماتی مقابلہ میں ڈگری کالج سبی کے اظہر اسماعیل اور محمد خالد اوّل، ایف جی کالج کوئٹہ کے عثمان قاضی اور زعیم مالوف دوم اور تعمیر نو پبلک کالج کوئٹہ کے فیصل صدیق اور ماجد نعیم سوم آئے۔ جنھیں بالترتیب تین سو روپے، دو سو روپے اور ایک سو روپے نقد انعام کے ساتھ ساتھ اقبال کی فارسی اور اُردو کلیات اقبال کا ایک ایک سیٹ اور اقبال کی ایک ایک کتاب انعام کے طور پر پیش کی گئی۔

۸- نومبر ۱۹۸۵ء میں ایک معلوماتی مقابلہ علاقائی دفتر کوئٹہ کے تحت منعقد ہوا۔ اس مقابلہ کا موضوع علامہ اقبال کی سیاست، شاعری اور زندگی تھا۔

اس مقابلہ فیڈرل کالج کوئٹہ اور علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی کے طلبہ و طالبات نے حصہ لیا اور مندرجہ ذیل طلبہ/طالبات کو انعامات دیے گئے۔

الف) فیڈرل گورنمنٹ کالج کوئٹہ کے زعیم مالوف اوّل آئے اور انھیں تین سو روپے نقد انعام دیا گیا۔

ب) علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی کی طالبہ مس زاہدہ پروین دوم آئیں اور انھیں دو سو روپے نقد انعام دیا گیا۔

ج) علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی کے طالب علم سید وقار رضا سوم رہے اور سو روپے نقد انعام حاصل کیا۔

بعدازاں بھی علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی علاقائی دفتر کوئٹہ کے زیرِ اہتمام مختلف تقاریب کا انعقاد ہوا جیسے

۱۹۸۷ء محکمہ تعلیم بلوچستان کے تعاون سے سبی میلے میں سٹال لگایا۔ جس میں اوپن یونی ورسٹی کی علامہ اقبال سے متعلق مطبوعہ کتب بطورِ خاص رکھی گئیں۔

۱۹۸۸ء گورنمنٹ ٹیکنیکل ماڈل ہائی سکول کوئٹہ میں سائنسی نمائش میں سٹال لگایا۔
علاقائی دفتر کوئٹہ میں علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی اسلام آباد کی مطبوعہ کتب کی نمائش کا بندوبست کیا گیا۔

بک کارنر اور لائبریری کی سہولت کے لیے افتتاحی تقریب منعقد ہوئی۔

۱۹۸۹ء علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی کے عنوان سے تقریری مقابلہ ہوا۔

۱۹۹۰ء کتب کی نمائش کا اہتمام

۱۹۹۲ء یوم اقبال کے سلسلے میں ایک پروگرام کا انعقاد

۱۹۹۳ء کتب کی نمائش کا بندوبست

۱۹۹۴ء سبی میلے میں سٹال لگایا گیا

۱۹۹۵ء کتب نمائش کا انصرام

مکران اور علامہ اقبال

قیصر الہ آبادی[۸۶] نے مکران میں اُردو کے سلسلے میں جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ قیام پاکستان کے بعد مکران کے پہلے وزیر اعظم نے مکران کی ترقی کے واسطے ایک پنج سالہ سکیم بنائی تھی۔ اسی کے تحت تعلیم کی ترویج کے لیے احمد دین مارہروی[۸۷] صاحب سابق پرنسپل اسلامیہ کالج اٹاوہ کی خدمات حاصل کی گئیں۔ آپ نے تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ اُردو کی ترویج کے لیے بھی رات دن محنت کی۔ عام لوگوں کو، جن میں فقیر، دھوبی، لکڑی چننے والے اور دودھ بیچنے والے وغیرہ شامل ہیں، اس پر آمادہ کیا گیا کہ وہ اُردو کا ایک ایک فقرہ جو ان کے مناسب حال ہو سیکھ لیں۔ یہ ترکیب خاصی مفید رہی۔ سکولوں کے قیام سے باہر کے استاد کافی تعداد میں آئے اور اُردو بولی جانے لگی۔ استادوں اور لڑکوں میں بھی بات چیت اُردو میں ہوئی اور پند و وعظ بھی، جو اب تک مقامی زبان میں ہوتے تھے، اُردو میں ہونے لگے۔ پھر رفتہ رفتہ لڑکوں نے تقریریں اور بحث مباحثے بھی اسی زبان میں شروع کر دیے۔ چنانچہ پہلی مرتبہ مکران میں ''یوم اقبال'' منایا گیا۔ جس سے لوگوں کو نہ صرف اقبال کی شخصیت کا صحیح علم ہوا بلکہ جب ان کا کلام سنا تو خود بھی ان میں اقبال کو پڑھنے اور سمجھنے کا شوق پیدا ہوا۔ اس وقت راجا احمد خاں وزیر مکران تھے۔ انھوں نے جب دیکھا کہ اہل مکران میں اُردو کا شوق بڑھ رہا ہے تو ایک پبلک لائبریری قائم کرکے اس زبان کی چند مفید اور دلچسپ کتابیں منگوائیں اور اقبال کا ایک مکمل سیٹ ذاتی طور پر پیش کیا۔

دوران سال سکولوں میں اقبال پر تقریریں اور مباحثے ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ دوسرے سال

''یوم اقبال'' پر اتنا کامیاب اور شاندار جلسہ ہوا کہ اس کی مثال مکران کی تاریخ میں نہیں ملتی اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خود اہل مکران نے بھی اس موضوع پر دو ایک عمدہ تقریریں کیں۔ مکران میں بیگم احمد الدین مرحوم نے اپنے شوہر کے دوش بدوش تعلیم نسواں کی ابتدا کی اور گھر پر اس مدرسے کی بنیاد ڈالی جو بعد میں مکران کا پہلا نسوانی سکول بن گیا۔

یوں مکران میں اُردو کی ترویج کے ساتھ ساتھ علامہ اقبال کے کلام سے لگاؤ پیدا کرنے میں راجا احمد خاں (جو بعد ازاں صوبہ بلوچستان کے چیف سیکرٹری اور مشیر گورنر بھی رہے) کے علاوہ احمد الدین مارہروی اور ان کی اہلیہ مرحومہ کا ہاتھ بھی ہے۔

گوشہ اقبال، جامعہ بلوچستان، کوئٹہ

ستمبر ۱۹۹۶ء میں ڈاکٹر وحید قریشی ڈائریکٹر اقبال اکادمی پاکستان لاہور نے شعبہ اُردو، جامعہ بلوچستان، کوئٹہ کی لائبریری میں ''گوشہ اقبال'' قائم کیا ہے اور ڈیڑھ سو سے زائد کتابیں بلا قیمت پیش کی ہیں۔

اس ''گوشہ اقبال'' سے یقیناً اساتذہ کرام، طلبہ اور اہل علم حضرات مستفید ہوں گے۔ بلوچستان کے علمی وادبی حلقوں کے نزدیک اقبال اکادمی پاکستان، لاہور مبارک باد کی مستحق ہے۔

❁......❁......❁

حوالہ جات

۱- محمد حمزہ فاروقی، حیات اقبال کے چند مخفی گوشے، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۱۵۷-۱۵۸۔

۲- پاسبان کوئٹہ، ۱۵/ جون ۱۹۳۹ء۔

۳- پاسبان کوئٹہ، ۱۲/ اکتوبر ۱۹۳۹ء/ ۲۷/ شعبان المعظم، ۱۳۵۸ھ۔

ان نوجوانوں (بلال احمد، یحییٰ بختیار، عبد الصمد درانی) نے مل کر خالصہ سکول کوئٹہ میں ایک انجمن بھی بنائی تھی۔ جس کا پہلے کام صرف کلچرل اور ادبی جلسے منعقد کرانا اور طلبہ میں ادبی اور تقریری ذوق پیدا کرنا رہا۔

ہماری جدوجہد، عبد الرحمٰن غور، کوئٹہ ۱۹۵۴ء، ص ۱۲۱۔

۴- اصالت پورہ مراد آباد (انڈیا) کے رہنے والے تھے اور تعلیم کے سلسلے میں کوئٹہ اقامت پذیر رہے۔

عبدالصمد درانی مرحوم ان کی ذہانت کی بڑی تعریف کیا کرتے تھے۔ ان کے چند خطوط بنام عبدالصمد درانی ہماری نظر سے گزرے ہیں۔

ڈاکٹر انعام الحق کوثر، بلوچستان میں اُردو، کوئٹہ، ۱۹۶۸ء، ص ۱۳۲۔

۵- یحییٰ بختیار آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے نائب صدر بھی رہے۔ بلوچستان کے نامور ماہر قانون اور سیاسی رہنما ہیں۔

۶- عبدالصمد درانی یکم جنوری ۱۹۲۳ء کو کوئٹہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۳۵ء کے زلزلے سے پہلے اسلامیہ ہائی سکول کوئٹہ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ زلزلے کے باعث کچھ دنوں کے لیے دلی میں اپنے ماموں کے ہاں بھی رہے۔ پھر واپس آ کر مڈل سکول کرانی متصل کوئٹہ میں زیر تعلیم رہے۔ ۱۹۴۰ء میں خالصہ ہائی سکول کوئٹہ سے میٹرک پاس کیا اور وظیفہ بھی حاصل کیا۔ اسی زمانے میں آپ نے اُردو میں لکھنا شروع کر دیا تھا۔ فرماتے ہیں:

میں اسلامیہ سکول کوئٹہ میں درجہ ششم میں پڑھتا تھا کہ تذکیر و تانیث کی غلطی ہوگئی جس پر مجھے بنچ پر کھڑے ہونا پڑا۔ اس سے اتنا متاثر ہوا کہ گرائمر بڑی احتیاط سے سیکھی۔

اس کا یہ اثر ہوا کہ اس کے بعد درانی صاحب اپنی کلاس میں اُردو میں اوّل آنے لگے۔ خالصہ کالج امرتسر میں بھی پڑھتے رہے۔ کالج میگزین کے ایڈیٹر کے انتخاب میں حصہ لیا اور اوّل رہے۔ مقابلے کا عنوان تھا "ہندوستان کی قومی زبان کیا ہونی چاہیے؟" کالج میگزین "دربار" میں فیض احمد فیض کی غزل گوئی پر پہلا مضمون لکھا۔ آپ ہوائی فوج میں ملازم رہے۔ اپریل ۱۹۴۷ء میں ملازمت چھوڑ دی اور کوئٹہ کے کئی اخباروں کے ایڈیٹر رہے۔ بلوچستان میں مختلف اخباروں کے نمائندے کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ پھر ریڈیو پاکستان کوئٹہ سے متعلق ہو گئے۔ پروگرام منیجر کے عہدے تک پہنچے۔۔۔ آپ زیادہ تر اُردو میں بات چیت کرتے تھے۔ پشتو بولنے والوں کے ساتھ بھی اُردو میں گفتگو کرنا پسند فرماتے تھے۔ آپ کے مضامین ماہ نو، کراچی، استقلال، لاہور، نوائے وقت، لاہور، جنگ، کراچی اور حریت، کراچی میں چھپتے رہے۔ آپ کے مضامین کے موضوعات میں تنوع تھا جیسے بلوچستان کا کلچر، سیاسی تحریکیں، ادارے اور شخصیات وغیرہ، برصغیر کے مسلمان موسیقاروں کی سوانح عمریاں، کینیڈا اور برطانیہ کے سفرنامے وغیرہ۔ عبدالصمد درانی بلوچستان کے ایک کہنہ مشق صحافی اور ادیب تھے۔ ان کے قلم میں بے پناہ روانی اور خلوص تھا۔ علامہ اقبال کے کلام کے دلدادہ اور شیدائی تھے۔

۷- پاسبان، کوئٹہ، ۲۰ رجنوری، ۲۸ رجنوری ۱۹۴۱ء۔

۸- آپ تحریک پاکستان کے بھی ایک فعال اور سرگرم رکن تھے۔ آپ بلوچستان مسلم لیگ کے سیکرٹری نشر و

اشاعت تھے۔ آپ قاضی محمد عیسیٰ کے مشورہ پر اوریئنٹ پریس (۸۔ڈی، بیڈن روڈ، لاہور) کے بلوچستان میں نمایندے بھی مقرر ہوئے تھے۔ تحریک پاکستان میں بلوچستان کا حصہ، ڈاکٹر انعام الحق کوثر، راولپنڈی ۱۹۷۷ء، ص ۴۵۔

۹۔ الفاروق، کوئٹہ، ۲۶ر فروری ۱۹۴۱ء۔

۱۰۔ پاسبان، کوئٹہ، ۲۰ر اگست ۱۹۴۱ء۔

۱۱۔ پاسبان، کوئٹہ، ۲۰ر اگست ۱۹۴۱ء۔

۱۲۔ پاسبان، کوئٹہ، ۲۰ر نومبر ۱۹۴۲ء/۱۰ ذیقعد ۱۳۶۱ھ۔

۱۳۔ پاسبان، کوئٹہ، ۴ر اپریل ۱۹۴۳ء۔

۱۴۔ پاسبان، کوئٹہ، ۴ر مئی ۱۹۴۳ء/۲۸ ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ۔

۱۵۔ پاسبان، کوئٹہ، ۲۰ر جون ۱۹۴۳ء/۱۶ جمادی الثانی ۱۳۶۲ھ۔

۱۶۔ پاسبان، کوئٹہ، ۴ر مئی ۱۹۴۳ء/۲۸ ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ۔

۱۷۔ پاسبان، کوئٹہ، ۴ر مئی ۱۹۴۳ء۔

۱۸۔ پاسبان، کوئٹہ، ۲۰ر جولائی ۱۹۴۳ء۔

۱۹۔ پاسبان، کوئٹہ، ۴ر اگست ۱۹۴۳ء۔

۲۰۔ پاسبان، کوئٹہ، ۲۰ر جولائی ۱۹۴۳ء۔

۲۱۔ پاسبان، کوئٹہ، ۴ر ستمبر ۱۹۴۳ء۔

۲۲۔ پاسبان، کوئٹہ، ۲۰ر اگست ۱۹۴۳ء/۱۸ شعبان المعظم ۱۳۶۲ھ۔

۲۳۔ ماہ نو، قائداعظم نمبر، اسلام آباد، نومبر، دسمبر ۱۹۷۶ء، ص ۲۳۷۔

۲۴۔ الاسلام، کوئٹہ، ۹ر جولائی ۱۹۴۳ء/۵ رجب المرجب ۱۳۶۲ھ۔

۲۵۔ الاسلام، کوئٹہ، ۱۳ر جولائی ۱۹۴۳ء/۹ رجب المرجب ۱۳۶۲ھ۔

۲۶۔ پاسبان، کوئٹہ، ۴ر مئی ۱۹۴۴ء/۱۰ جمادی الاول ۱۳۶۳ھ۔

۲۷۔ پاسبان، کوئٹہ، ۴ر جولائی ۱۹۴۴ء/۱۲ رجب المرجب ۱۳۶۳ھ۔

۲۸۔ پاسبان، کوئٹہ، ۲۰ر جولائی ۱۹۴۴ء۔

۲۹۔ پاسبان، کوئٹہ، ۲۰ر مئی ۱۹۴۴ء۔

۳۰۔ پاسبان، کوئٹہ، ۲۰ر اگست ۱۹۴۴ء۔۔۔۔۔پاسبان، کوئٹہ، (۴ر دسمبر ۱۹۴۴ء)۔

میں درج ہے کہ ۱۹۴۴ء میں الطاف گوہر ایم۔اے نے اقبال کے سلسلے میں اپنی دلپذیر تقریروں سے عوام

کو متاثر کیا۔

۳۱- پاسبان، کوئٹہ، ۲۰/ جون ۱۹۴۵ء/ ۹/ رجب المرجب ۱۳۶۴ھ۔

۳۲- بردوش ہوا، آغا صادق، لاہور، ۱۹۶۲ء، ص ۱۶۸۔

۳۳- کالج میگزین، بولان، کی فائل پیش نظر ہے۔

۳۴- اتحاد، کوئٹہ، ۲۸/ ستمبر ۱۹۵۶ء۔

۳۵- آپ کا تعلق میر علی شیر نوائی (۸۴۴ھ۔۔۔۹۰۶ھ/ ۱۴۴۰-۱۴۱۔۔۔۱۵۰۰ء) کے خانوادہ سے تھا۔ میر علی شیر نوائی خود مشہور مصنف اور شاعر ہو گزرے ہیں۔ شعرا اور محققین کے بہت بڑے مربی تھے۔
Glimpses of Persian Poetry, Dr. Inamul Haq Kausar, Lahore, 1976,P. 67-78.

آپ کا ایک مقالہ بمناسبت روز اقبال، ۱۹۵۷ء میں کوئٹہ میں کتابچہ کی صورت میں چھپا تھا (کل صفحات ۱۰)

۳۶- آپ بحیثیت پرنسپل ریٹائر ہوئے۔ سائنسی موضوعات پر مضامین لکھنے کے علاوہ اُردو میں شعر کہتے ہیں۔

۳۷- آپ کراچی میں اقبال کونسل کے اعزازی سیکرٹری رہے۔ یادگار ہفتہ اقبال (۲۰/ اپریل تا ۲۷/ اپریل ۱۹۶۸ء) کی روداد مرتب کر کے شائع کرائی تھی۔

۳۸- قاصد، کوئٹہ، ۲۳/ اپریل ۱۹۵۹ء۔

۳۹- نعرہ حق، کوئٹہ، ۳۱/ مارچ ۱۹۶۱ء، زمانہ، کوئٹہ، ۲۲/ اپریل ۱۹۶۴ء۔
بلوچستان میں اُردو ص ۲۶۲-۲۶۳۔

۴۰- نوکیں دور، کوئٹہ، ۲۴/ اپریل ۱۹۷۰ء، دی کوئٹہ ٹائمز، کوئٹہ، ۲۵/ اپریل ۱۹۷۰ء۔

۴۱- روزنامہ مشرق، کوئٹہ، ۲۰/ نومبر ۱۹۷۷ء، بلوچستان ٹائمز، کوئٹہ، ۲۱/ نومبر ۱۹۷۷ء۔

۴۲- روزنامہ جنگ، کوئٹہ، ۲۵/ اپریل ۱۹۸۱ء، بلوچستان ٹائمز، کوئٹہ، ۲۵/ اپریل ۱۹۸۱ء۔

۴۳- روزنامہ زمانہ، کوئٹہ، ۱۹/ مارچ ۱۹۸۳ء، مشرق، کوئٹہ، جنگ، کوئٹہ، ۱۹/ مارچ ۱۹۸۳ء۔

۴۴- روزنامہ مشرق، کوئٹہ، ۲۳/ اپریل ۱۹۸۳ء، زمانہ کوئٹہ، جنگ کوئٹہ، ۲۳/ اپریل ۱۹۸۳ء۔

۴۵- روزنامہ مشرق، کوئٹہ، ۱۱/ نومبر ۱۹۸۲ء۔

۴۶- روزنامہ مشرق، کوئٹہ، ۱۴/ نومبر ۱۹۸۲ء۔

۴۷- روزنامہ جنگ، کوئٹہ، ۱۲/ نومبر ۱۹۸۴ء۔

۴۸- مطبوعہ مقالات دوسری بین الاقوامی اقبال کانگرس لاہور (جلد اوّل) ۱۹۸۳ء، ص ۴۷ تا ۶۳۔

۴۹- آپ بحیثیت ڈپٹی ڈائریکٹر (بلدیات) حکومت بلوچستان ریٹائر ہو چکے ہیں۔۔

۵۰- آپ کوئٹہ میں اے پی پی کے بیورو چیف تھے۔ ان کے علاوہ سرگرم رکن تھے۔ محمد اکبر (موجودہ ریٹائرڈ

ڈپٹی سیکرٹری محکمہ صحت بلوچستان) عبدالخالق موجودہ اسسٹنٹ کمشنر) آنسہ زرینہ ایوب، مسٹر سلیم جہانگیر۔

۵۱- بولان، کوئٹہ، ۱۹۴۹ء، ص ۱۴۔

۵۲- ماہنامہ معلم، سریاب کوئٹہ، اگست ۱۹۵۱ء (آغا صادق نمبر) ص ۳۷۔

۵۳- مقابلہ مضمون نویسی، بزم اقبال، گورنمنٹ کالج کوئٹہ کی فائل پیش نظر ہے۔

۵۴- بولان، کوئٹہ، ۱۹۶۴ء، ص ۱۰۳-۱۰۴۔

۵۵- بلوچستان میں اُردو، ص ۲۳۴۔

۵۶- روزنامہ مشرق، کراچی، ۷؍مئی ۱۹۶۸ء۔

۵۷- آپ آج کل ماہر مضمون، ادارہ نصابیات و مرکز توسیع تعلیم بلوچستان، کوئٹہ ہیں۔

۵۸- ان دنوں گورنمنٹ ایف سی کالج، لاہور میں ہیں۔

۵۹- اب گورنمنٹ ایمرسن کالج ملتان میں ہیں۔

۶۰- مولانا عبدالکریم (۶؍جنوری ۱۹۰۶ء ۔۔۔ ۱۹۶۹ء) مولانا حافظ شیخ احمد کے فرزند ارجمند تھے۔ مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کے آرگن ''الاسلام'' کوئٹہ کے مدیر رہے۔ بعدازاں اپنا اخبار میزان کوئٹہ، جاری کیا۔ جواب روزنامہ ہے اور اس کا اپنا پریس ہے۔ آپ نے ۱۹۲۵ء سے بلوچستان میں تعلیمی (آپ یوسف عزیز مگسی کی قائم کردہ ''جامعہ یوسفیہ'' جھل مگسی کے ناظم رہے) دینی، علمی و ادبی اور سیاسی خدمات کا آغاز کیا۔ مولانا عبدالکریم نے ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۷ء تک حصول پاکستان کی تحریک میں بڑی سرگرمی، محنت اور مجاہدانہ تگ و تاز کے ساتھ حصہ لیا۔ بقول فضل احمد غازی: ''آپ بلوچستان میں تحریک پاکستان کے پہلے نقیب تھے''۔ آپ کو علامہ اقبال سے بڑا گہرا تعلق تھا۔ تحریر و تقریر میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ علامہ اقبال کے اشعار کو برمحل بروئے کار لانے میں بڑے مشاق اور طاق تھے۔

۶۱- پروفیسر کرار حسین علم و ادب سے گہرا تعلق رکھتے تھے۔ آپ گورنمنٹ کالج (جواب سائنس کالج ہے) کوئٹہ اور گورنمنٹ کالج، سریاب روڈ کوئٹہ کے پرنسپل رہے۔ بعدازاں بلوچستان یونی ورسٹی کے وائس چانسلر بھی رہے۔

۶۲- آج کل ڈی۔ جے کالج کراچی میں پڑھتے رہے۔

۶۳- مرحوم ڈاکٹر محمد اسلم قریشی کا قیام بلوچستان میں اکتوبر ۱۹۵۹ء سے اپریل ۱۹۶۳ء تک رہا۔ آپ نے اپنا مقالہ ''ڈرامائی نظریے اور تکنیک کی روشنی میں اُردو ڈرامے کا جائزہ'' (برائے پی ایچ ڈی) کوئٹہ ہی میں قیام کے دوران پنجاب یونی ورسٹی کو پیش کیا تھا۔ (۱۹۶۲ء) ۔۔۔ آپ نے یہاں کی علمی و ادبی سرگرمیوں میں خاصا حصہ لیا۔

۶۴- ڈاکٹر اکبر حسین قریشی نے تلمیحات اقبال پر کام کیا۔ آپ ان دنوں گورنمنٹ کالج راولپنڈی میں پڑھتے

رہے۔ پھر ایک ناگہانی حادثے کا شکار ہو گئے۔

۶۵- بڑی ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے۔ یہاں سے گورنمنٹ کالج سرگودھا تبدیل ہو کر گئے تھے۔ اب اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔

۶۶- پروفیسر محمد مسعود احمد (جو بعد میں پی ایچ ڈی بھی کر چکے تھے) چند سال تک کوئٹہ میں سکونت پذیر رہے۔ مستقل علمی و تحقیقی کام کر رہے تھے۔ متعدد کتابوں کے مصنف، مولف ہیں۔ آپ حضرت شاہ مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی شاہی امام مسجد جامع فتح پوری دہلی کے فرزند ارجمند اور دہلی کے مشہور عالم، مفتی اور بزرگ حضرت شاہ محمد مسعود کے پڑپوتے ہیں۔

۶۷- مرحوم انگریزی کے نامور پروفیسر۔۔۔۔۔ سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ کے چیئر مین اور ڈائریکٹر کالجز بھی رہے۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی کے بارے میں ایک کتاب چھپ چکی ہے۔

۶۸- ندائے ملت، لاہور، ۲۰/نومبر ۱۹۶۹ء، نعرہ حق، کوئٹہ، ۲۳/نومبر ۱۹۶۹ء۔

۶۹- ایلم، مستونگ، ۱۰/مئی ۱۹۷۰ء۔

۷۰- ساربان، مستونگ، ۲۲/اپریل ۱۹۷۱ء زمانہ، کوئٹہ، ۲۶/اپریل ۱۹۷۱ء۔

بقول شیخ خوش محمد:

مرشد اقبال پہ خوش فرمودہ است
نکتہ توحید را بکشودہ است
بیم غیر اللہ عمل را دشمن است
کاروان زندگی را رہزن است
ہست اقبال در جہان اقبال ما
آں کہ روشن کرد بما افکار ما

۷۱- تعمیر بلوچستان، مستونگ، ۱۵/اکتوبر ۱۹۷۱ء۔

۷۲- پکار، کوئٹہ، ۲۶/اکتوبر ۱۹۷۱ء۔

۷۳- روزنامہ جنگ، کوئٹہ، ۲۱/اپریل ۱۹۷۲ء۔

۷۴- ثانوی تعلیم، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۵۹۔

۷۵- روزنامہ مشرق، کوئٹہ، ۲۷/اپریل ۱۹۷۳ء، نعرہ حق، کوئٹہ ۲۷/اپریل ۱۹۷۳ء۔

۷۶- روزنامہ زمانہ، کوئٹہ، ۱۶/نومبر ۱۹۷۴ء۔

روزنامہ نعرہ حق، کوئٹہ، ۱۷/نومبر ۱۹۷۴ء۔

۷۷- روزنامہ جنگ، کوئٹہ، ۲۴/اپریل ۱۹۷۵ء، اعتماد، کوئٹہ، ۲۴/اپریل ۱۹۷۵ء۔

۷۸- روزنامہ زمانہ، کوئٹہ، ۲۵/اپریل ۱۹۷۵ء۔
۷۹- روزنامہ جنگ، کوئٹہ، ۵/مئی ۱۹۷۶ء۔
۸۰- روزنامہ مشرق، کوئٹہ ۲۰/جون ۱۹۷۷ء۔
۸۱- روزنامہ جنگ، کوئٹہ ۲۳/اپریل ۱۹۷۸ء۔
۸۲- روزنامہ مشرق، کوئٹہ، ۹/نومبر ۱۹۸۲ء۔
۸۳- خیصار، (کالج میگزین) کوئٹہ ۱۹۸۴ء، ص ۱۱۰۔
۸۴- پاکستان چلڈرنز اکیڈمی کوئٹہ ۶/ستمبر ۱۹۷۶ء کو قائم ہوئی۔ اس کے قیام کا مقصد پاکستانی بچوں کو بلا امتیاز وہ تمام بنیادی سہولتیں بہم پہنچانا ہیں جن کا حق ایک آزاد اور خوشحال قوم کے بچوں کو ہوتا ہے۔ نصابی تعلیم کے بعد بچوں کی ذہنی وجسمانی صلاحیتوں کو ابھارنا حب الوطنی و اخلاق و تہذیب کے جواہر پیدا کرنا اس اکیڈمی کے بیش بہا مقاصد ہیں۔ اکیڈمی نے ایک کتاب میں پاکستانی ہوں شائع کر کے بلوچستان کے تمام پرائمری، مڈل اور ہائی سکولوں میں محکمہ تعلیم بلوچستان کے توسط سے مفت بھیجی۔ اس کتاب کو حکومت سرحد، حکومت پنجاب، حکومت آزاد کشمیر اور مرکزی حکومت نے اپنے علاقوں کے تعلیمی اداروں کے لیے منظور کیا۔ اس اکیڈمی نے متعدد مقامات پر بچوں کے کلب بھی قائم کیے ہیں۔ کوئٹہ میں خوجک روڈ پر "ایوان اطفال" تعمیر ہو چکا ہے اور پاکستان بھر کے بچوں کے لیے بالعموم اور بلوچستان کے بچوں کے لیے بالخصوص تعلیم و تربیت کے مواقع فراہم کر رہا ہے۔ اس کا سہرا چلڈرنز اکیڈمی کی تاحیات چیئر پرسن محترمہ بیگم ثاقبہ رحیم الدین خاں صاحبہ کے سر ہے۔
۸۵- قومی سیمینار و ہفتہ اطفال کوئٹہ، ۱۹۸۱ء، ص ۵۵۔
۸۶- مکران میں اُردو، قیصر اللہ آبادی، نمایندہ انجمن ترقی اُردو کراچی، قومی زبان، کراچی، ۱۶ نومبر ۱۹۵۱ء۔
۸۷- احمد دین مارہروی کے چچا ڈاکٹر سر ضیا الدین علی گڑھ یونی ورسٹی کے وائس چانسلر تھے جو ماہر تعلیم ہونے کے علاوہ دوسرے سرسید کہلاتے تھے۔ آپ نے علی گڑھ اور الٰہ آباد سے تاریخ کی اعلیٰ ڈگری حاصل کر کے دو سال علمی تحقیق میں گزارے۔ پھر اپنی زندگی اٹاوہ کالج کے لیے وقف کر دی جو علی گڑھ یونی ورسٹی کی ایک شاخ تھی۔ وہاں آپ نے تاریخ کا ایک عجائب خانہ قائم کیا۔ مکران آپ کو وہاں کا پولیٹیکل ایجنٹ میجر ڈیوی لے گیا تھا۔ چنانچہ وہاں آپ نے ۱۹۴۸ء تا ۱۹۵۱ء تین سال کام کیا۔ تربت میں ہائی سکول اور مختلف جگہ پرائمری سکولوں کا قیام انھی کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ پاکستان کے وزیر اعظم لیاقت علی خاں نے آپ کو اس سلسلے میں ایک سند بھی عطا کی تھی اور اپنے خطبے میں مکران کی تعلیمی ترقی کو سراہا تھا۔ احمد دین صاحب کو مکران کی آب و ہوا راس نہ آئی اس لیے وہاں سے آنا پڑا۔ لیکن اس علاقے سے اتنا لگاؤ پیدا ہو گیا کہ مکران سے متعلق کئی مضامین لکھے اور ایک جغرافیے کی کتاب بھی مرتب کی۔
ڈاکٹر انعام الحق کوثر، بلوچستان میں اُردو، لاہور، ۱۹۶۸ء، ص ۲۸۰۔

❀......❀......❀

باب پنجم

بلوچستان کی متعدد ادبی شخصیات اور علامہ اقبال

آغا صادق

پروفیسر آغا صادق حسین نقوی (صادق تخلص [1]) ۲۵ دسمبر ۱۹۰۹ء کو ڈیرہ سیداں متصل سلطان پور لودھی کپورتھلہ (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۳ء میں کوئٹہ آ گئے اور قیام پاکستان کے بعد یہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ جنوری ۱۹۴۳ء میں سر عبدالقادر نے ٹاؤن ہال کوئٹہ کے مشاعرہ میں آغا صاحب کی ایک نظم ''آنسو'' بے حد پسند فرمائی تھی اور کوئٹہ والوں کو آغا صادق کی آمد پر مبارک باد دی تھی۔ آپ نے فرمایا تھا ''آپ کے شہر میں صحیح معنوں میں شاعر آیا ہے۔ اس کی آپ لوگوں کو قدر کرنی چاہیے''۔ ''آنسو'' کے دو شعر ہیں:

مل نہیں سکتا کہیں آرام انگاروں پہ ہوں
دل سے آنکھوں میں کبھی آنکھوں سے رخساروں پہ ہوں
دفعتہً رخسار سے دامن پہ بہہ جاتا ہوں میں
ایک داغ نامرادی بن کے رہ جاتا ہوں میں

۱۹۴۴ء میں مولانا عبدالمجید سالک کی زیر صدارت ایک مشاعرہ کوئٹہ میں انعقاد پذیر ہوا۔ جس میں آغا صادق کی نظم ''دوشیزہ'' نے خراج تحسین حاصل کیا۔

آغا صاحب کی نظم ''شہکار فطرت'' جس میں عورت کی تخلیق کو اجاگر کیا ہے، ۱۹۴۷ء کے ہمایوں، لاہور کے سالنامہ میں شائع ہوئی۔ اس پر سر عبدالقادر نے ایک صفحے کا نوٹ لکھا اور سنسکرت کی ایک پرانی نظم سے اس کا موازنہ کیا۔

قیام پاکستان کے بعد آپ کی دو نظمیں ''فطرت اسلام'' جس میں مشرقی پنجاب کے فسادات کا ذکر ہے اور ''کشمیر ہمارا'' بے حد مقبول ہوئیں۔ ان دونوں نظموں میں شاعر نے یاسیت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں رجائیت کا پیغام اس انداز سے فضا میں نشر کرنے کی کوشش کی ہے کہ دل و دماغ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

آپ کو ''علم عروض'' پر اچھا خاصا عبور حاصل تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں آپ نے ایک کتاب جوہر عروض بھی لکھی۔

آپ نے ہمیشہ بلوچستان کی علمی اور ادبی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بقول انور رومان[۲] ''آپ بے شمار نوجوانوں کے استاد اور رہنما ہیں۔ مشرقی پنجاب ہاتھ سے جانے کے بعد تو وہ یہیں کے ہو رہے ہیں۔ ان کے تلامذہ میں مقامی اور غیر مقامی دونوں قسم کے لوگ شامل ہیں''۔

آغا صادق کے اُردو کلام کے دو مجموعے ۱۹۶۶ء میں شائع ہوئے۔ پہلے مجموعے کا نام نوا ہے جس میں ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۵ء تک کی نظمیں اور غزلیں شامل ہیں۔ دوسرا مجموعہ کلام صبح صادق ہے۔ جس میں ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۶ء تک کی نظمیں، اشعار اور غزلیں شامل ہیں۔ دونوں کتابیں طاہرہ نقوی نے مکتبہ آغا صادق ۸۔ شارع نجم الدین کوئٹہ سے شائع کیں۔ ''نوا'' کی قیمت دو روپے اور صبح صادق کی پانچ روپے ہے۔ ''نوا'' کے چھیانوے اور صبح صادق کے دو سو چونسٹھ صفحات ہیں۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ موزوں ---۔ صبح صادق کا تعارف سر عبد القادر مرحوم کا تحریر کردہ ہے۔

دونوں مجموعہ ہائے کلام کے مطالعے[۳] کے بعد قاری کا ذہن پچاس پچپن سال پہلے کے شعری میلانات اور ادبی شعور کی جانب منتقل ہو جاتا ہے اور وہ ادبی تاریخ کے موجودہ دور میں فکری، تہذیبی اور شعوری ارتقا کا اندازہ بآسانی کر لیتا ہے۔ آغا صادق کے بعض اشعار میں علامہ اقبال کے لب ولہجہ اور مضامین کا خاصا اثر ہے، جیسے:

یہ تہذیب لائے گی کیا رنگ صادق
بہت بستیاں بے نشاں دیکھتا ہوں

کوند رہی ہیں بجلیاں، پردۂ جاں کی خیر ہو
نغمہ نواز کون ہے، سوز دروں کے ساز میں

غریب کا اقتدار ہوگا، غریب اب تاجدار ہوگا
غلام و آقا کا پردہ امتیاز اب تار تار ہوگا

ابر میں، برق میں، تاروں میں، چمن زاروں میں
مجھ کو انسان کی تقدیر نظر آتی ہے

آغا صادق صاحب کو اُردو، فارسی اور انگریزی میں تحریر وتقریر کا خاص ملکہ حاصل تھا۔ آپ کے چوبیس آثار قلم منظر عام پر آئے۔ کئی ایک مقامی مجلوں[۴] نے ان کی زندگی میں ان کی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں شاندار ''آغا صادق'' نمبر ترتیب دیے جو بلوچستان کی تاریخ میں ایک انوکھا واقعہ ہے۔

انھوں نے اقبالیات، اصلاح زبان اور موسیقی کے فن پر کئی مضامین تحریر کیے۔ وہ ایک اچھے شکاری اور ایک اچھے خوشنویس بھی تھے۔ تلاوت کلام اللہ، کلاسیکل موسیقی اور قوالی کے دلدادہ تھے۔ آواز بہت مترنم اور گلا صاف تھا۔ ہر مشاعرہ میں ترنم کے ساتھ کلام پیش کرتے تھے۔ آپ کے ترنم[۵] کا ایک خاص انداز تھا جو بے پناہ برقی اور مقناطیسی کشش کا حامل تھا۔ سامعین مسحور ہوئے بغیر نہیں رہتے تھے۔

علامہ اقبال سے متعلق ان کے کئی مضامین فارسی میں بھی شائع ہوئے مثلاً

۱-فکر اسلامی اقبال مطبوعہ آہنگ شیراز، ملتان ۲،۱۹۷ء، ص ۲۹ تا ۳۳

۲-منابع افکار اقبال: ایضاً، ص ۳۴ تا ۴۹

۳-ترجمہ شکوہ اقبال: (درنثر فارسی امروز) ایضاً، ص ۱۰۸ تا ۱۱۴

۴-ترجمہ جواب شکوہ اقبال: ایضاً ص ۱۱۶ تا ۱۲۱

اُردو مضامین

۱-اقبال کے نفس سے ہے لالے کی آگ تیز

۲-اقبال ایک فن کار کی حیثیت سے

مطبوعہ بردوش ہوا، آغا صادق حسین، لاہور، ۱۹۶۲ء، ص ۷ تا ۲۹، ''اقبال کے نفس سے ہے لالے کی آگ تیز'' میں آغا صادق بحث کو سمیٹتے ہوئے کہتے ہیں: ''یقین سے ان کی مراد وہ ابدی صداقتیں ہیں جو اسلام کے اصول حیات اور مرد مومن کا جزو ایمان ہیں اور وہ ہیں کائنات، خالق کائنات اور انسان کی اپنی خودی کا عرفان۔۔۔ عمل سے مراد انسان کی ذہنی اور فکری صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ایک صالح معاشرے کی تشکیل ہے۔ جس میں فرد اور جماعت کے حقوق محفوظ ہیں اور قوام دین و دنیا معتدل ہو۔ یقین و عمل کا یہ حسین امتزاج ہی تو ہے جس سے انسان کا انفرادی اور

اجتماعی کردار بنتا ہے اور یہی تو وہ آگ ہے جسے اقبال کے نفس نے تیز تر کر دیا ہے۔ انھوں نے اپنی سحر آفریں حدی خوانی سے ناقہ قوم کو راہ ترقی پر گامزن کیا، اسی حجازی لے سے وطن کے غفلت کدوں میں بیداری کا صور پھونکا۔ اسی ساز یقین کی دھن پر مسلمانوں کے دلوں میں ایک نیا شعور پیدا کیا اور اسی کی بدولت ان کا پیغام اس برصغیر میں ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کا پیش خیمہ بنا۔ حضرت گرامی جالندھری نے اس حقیقت کی طرف کس قدر خوب صورت اشارہ کیا ہے۔

در دیدہ صاحب نظراں حضرت اقبال
پیغمبری کرد و پیمبر نتواں گفت

بلوچستان کے ہر اخبار میں قریب قریب ہر دوسرے چوتھے روز آغا صادق صاحب کا کلام چھپتا تھا جس سے بوڑھے، بچے اور جوان سبھی محظوظ ہوتے تھے۔ آپ نے علامہ اقبال کے کلام پر قریباً نصف صدی پیشتر تضمینات لکھنا شروع کی تھیں۔ وہ قیام پاکستان کے جلد بعد ہی بلوچستان کے اخبارات میں چھپنے لگی تھیں اور اس خطے میں اقبال کے کلام اور افکار کے پھیلاؤ میں ممد و معاون ثابت ہوئی تھیں۔

شاعر مشرق حضرت علامہ اقبال کی چالیس غزلیات و منظومات چالیس تضمینوں کا مجموعہ مع تشریحی فوائد ۱۹۶۸ء میں زخمہ و ساز کے عنوان سے کوئٹہ سے طبع ہوا۔ ملنے کا پتہ: مکتبہ آغا صادق۔ ۸ شارع نجم الدین کوئٹہ/۴۹۱ گلگشت کالونی ملتان۔ ہدیہ: چار روپے۔ کل صفحات ۱۲۰۔ لکھائی چھپائی معیاری

علامہ اقبال کی چالیس غزلیات و منظومات کی تفصیل یوں ہے:

بانگ درا: ۱۴، بال جبریل: ۲۱، ضرب کلیم: ۳، ارمغان حجاز: ۲

مصنف پیش حرف میں رقم طراز ہیں: [۶]

زخمہ بھی آپ کے سامنے ہے اور ساز بھی، اقبال کا ساز اپنے مصرعوں کے ذریعے سے چھیڑا ہے تو نغمے پیدا ہو گئے ہیں۔ حسین و جمیل کہوں تو خودستائی، دشت و زبوں کہوں تو کسر نفسی! دلدوز و جگر گداز ہیں تو اور بہشت گوش و سامعہ نواز ہیں تو فیصلہ سامعین کے ذوق سلیم پر ہے، مجھے کچھ اور عرض کرنا ہے۔۔۔ جب سے ہوش سنبھالا ہے اقبال مست ہوں، بادہ اقبال پیتا بھی رہا ہوں پلاتا بھی رہا ہوں۔ نہ صرف لب پر کلام اقبال ہے بلکہ روح کی گہرائیوں میں پیام اقبال پیوست ہے۔ اقبال سے شغف آج سے نہیں برسوں سے ہے اور اس والہانہ عقیدت میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا

گیا اور اب تو یہ حال ہے کہ بار بار پڑھتا ہوں اور سیری نہیں ہوتی دل کہتا ہے اور، اور ے

فیض ساقی شبنم آسا، ظرف دل دریا طلب
تشنۂ دائم ہوں آتش زیرپا رکھتا ہوں میں

نسیم حجازی ''تعارف'' میں لکھتے ہیں:

اقبال کے کلام کو ہر پاکستانی کے کانوں تک پہنچانا ہمارا اولین فرض ہے۔ دریا موجود ہے زرخیز مٹی کو سیراب کرنے کا کام باقی ہے!۔۔۔۔۔۔ مجھے امید ہے کہ اس کاوش کو اُردو ادب میں ایک قابل قدر اضافہ سمجھا جائے گا۔

آغا صادق کی تضمینات میں سے جستہ جستہ چند بند قارئین کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں۔

خلوص و مہر[7] کہاں دہر کے مکینوں میں
ریا نقش نمایاں ہیں ان جبینوں میں
چھپے ہیں مکر و دغا گرچہ ان کے سینوں میں
''اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذان لا الہ الا اللہ''

ہے خودی[8] کے نور سے روشن چراغ زندگی
اس کے دم سے پھولتا پھلتا ہے باغ زندگی
تو ابھی اس میخانے سے پی لے ایاغ زندگی
''اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن!''

مرادوں[9] سے خالی ہے دامن تو کیا غم!
ہوا دل امیدوں کا مدفن تو کیا غم!
خزاں سے ہے پامال گلشن تو کیا غم!
''اگر کھو گیا اک نشیمن تو کیا غم!
مقامات آہ و فغاں اور بھی ہیں''

شانِ خلوص[۱۰] اور ہے، رنگ ریا کچھ اور ہے
طاعت خودنما ہے اور صدق و صفا کچھ اور ہے
نفس کی پیروی ہے اور، راہ خدا کچھ اور ہے
''جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے
حور و خیام سے گزر بادہ و جام سے گزر''

عبث[۱۱] مٹتا رہا کافر اداؤں، بے وفاؤں پر
وفائیں تو نے کیں ارزاں وفا نا آشناؤں پر
لگا دی جان کی بازی خیالی مہ لقاؤں پر
''فدا کرتا رہا دل کو حسینوں کی اداؤں پر
مگر دیکھی نہ اس آئینے میں اپنی ادا تو نے''

خاک میں[۱۲] مل کے یہ شاداب سوا ہوتا ہے
آگ میں بیٹھ کے گلزار نما ہوتا ہے
داغ سے زخم یہ مرہون شفا ہوتا ہے
''عشق کے دام میں پھنس کر یہ رہا ہوتا ہے
برق گرتی ہے تو یہ نخل ہرا ہوتا ہے''

نجات[۱۳] کی گر تجھے طلب ہے تو سوئے یثرب ہو راہ پیما
ریاض خلد بریں کا ضامن ہے دامن شہسوار اسریٰ
وہی ہے ملجا وہی ہے ماوا وہی ہے آقا وہی ہے مولا
''یہ ہند کے فرقہ ساز اقبال آذری کر رہے ہیں گویا
بچا کے دامن بتوں سے اپنا غبار راہ حجاز ہو جا''

عمر رواں[۱۴] کا سلسلہ گرچہ نہیں یہاں دراز
ہستی مختصر میں ہے لذت عشق کا گداز
سوز میں ہے ترا نیاز، سوز میں ہے تری نماز

"شمع سحر یہ کہہ گئی ، سوز ہے زندگی کا راز
غمکدۂ نمود میں شرط دوام اور ہے"

تری قوتیں[۱۵] تو یقیں میں ہیں کبھی ان پہ بھی ہے تری نظر
کہ مقام ارفع آدمی نہیں مال و جاہ پہ منحصر
تو اسیر سود و زیاں نہ ہو کہ گراں بہا ہے ترا گہر
"تری خاک میں ہیں اگر شرر تو خیال فقر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں نان شعیر پر ہے مدار قوت حیدری"

اپنے جاوید کے نام[۱۶]
(مقتبس از بال جبریل صفحہ ۱۹۸)

یہ نظم جوہر ذاتی کے حسین شعور کی آئینہ دار ہے جو بے سروسامانی کے مواقع کو دور کر کے منصۂ شہود پر آ جاتا ہے۔ خودی کی تربیت منت غیر سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

اقبال کا یہ پیغام نہ صرف اپنے جاوید کے نام ہے بلکہ ملت مسلمہ کی ساری ابھرتی ہوئی پود یا قوم کے تمام "جاویدوں" کے لیے ایک لمحہ فکریہ ہے کہ انھیں فکر اقبال کی روشنی میں کس طرح اپنے آپ کو اسلامی کردار کے سانچے میں ڈھالنا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ہمارے شاہین بچے کس طرح اپنے آپ کو اس صحت مند پیغام کے اہل ثابت کرتے ہیں۔ تضمین کا آخری بند ملاحظہ ہو۔

خودی نہیں تو غلامی ہے سربزیری ہے
خودی کی موت خود انسان کی اسیری ہے
خودی کے فقر میں بھی لذت امیری ہے
"مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر"

دیدہ وری[۱۷]

(مقتبس از طلوع اسلام بانگ درا صفحہ ۲۰۵)

ترکیب بند طلوع اسلام کیا ہے؟ مسلمانوں کے درخشاں مستقبل کا آفتاب عالم تاب۔ یہ بند گویا اس کی ایک کرن ہے۔ جسے چمن اسلام کے ایک دیدہ ور کی چشم بینا دیکھ رہی ہے۔ یہ نظم شاعر

کی رجائی نقطہ نظر کی ترجمان ہے۔ شاعر قوم کے افسوس ناک اور حوصلہ شکن حال کے باوجود اس کی نشاۃ ثانیہ سے مایوس نہیں وہ اپنی نگاہ ژرف بین سے ملت بیضا کے تابناک مستقبل کو دیکھ رہا ہے، جب کہ وہ اقوام عالم کی رہنمائی کا حق ادا کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ تضمین کا پہلا بند یہ ہے:

فغانِ مرد مومن سے ہوئے برق و شرر پیدا
نگاہوں نے بالآخر کر لیے پھر بام و در پیدا
کیا ہے رحمتِ باری کے دل میں اس نے گھر پیدا
''سرشک چشم مسلم میں ہے، نیساں کا اثر پیدا
خلیل اللہ کے دریا میں ہوں گے پھر گہر پیدا''

آغا صادق نے ڈاکٹر اقبال کے فارسی کلام پر بھی تضمین لکھی ہے۔ ان کے ایک معروف شعر پر تضمین ملاحظہ فرمائیے:[۱۸]

(۱)

متاع علم و عمل دولت یقین ہمہ اوست
مقام فخر و مباہات عالمین ہمہ اوست
ملاذ جن و ملک مامن زمین ہمہ اوست
''مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی ست''

(۲)

ضیائے کون و مکاں نور اولین ہمہ اوست
میاں خاتم ارض و سما نگین ہمہ اوست
ظہور خلق علا صادق و امین ہمہ اوست
''مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است''

آغا صادق نے اپنا فارسی کلام شاخ طوبیٰ کے نام سے چھپوایا۔ اس کا انتساب شاعر اعظم مشرق زمین علامہ اقبال کے نام کیا گیا ہے۔

اس میں علامہ اقبال سے متعلق یہ مندرجات ہیں:

مثنویات ۔ ارتحال اقبال، منظومات ۔ درسراپائی اقبال، قطعات ۔ خطاب بہ اقبال، رباعیات ۔ بر سانحہ ارتحال حضرت اقبال، منظومہ ہائے متفرقہ ۔ اخوت اسلامی (تضمین قطعات اقبال) بیاد بود اقبال، تضمین بر شعر اقبال در نعت ۔

''بیاد بود اقبال''[۲۰] میں آغا صادق کہتے ہیں

از کلام او بہ دل ہا موجزن
جویباری، سلسبیلی، کوثری
اشک او چوں ابرنیسان دُرفشاں
چہرہ اسلام ازو زیبا تری
شرقیان راماِیل پرواز کرد
امتاں را نطق و بال و پری
ذکر او روشن کن ایمان ما
فکر او چوں روح شد در پیکری

علامہ کے ایک قطعہ پر تضمین[۲۱] ملاحظہ ہو:

مسلمانیم زیک آئین داریم
بیک رہ سوے منزل رہ سپاریم
یکے باشیم و خود را یک شماریم
''نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم
چمن زادیم و ازیک شاخساریم''

ز حرف لا الٰہ ما را نظام است
میان ما اخوت بر دوام است
دل ما رازدار یک پیام است
''تمیز رنگ و بو برما حرام است
کہ ما پروردہ یک نو بہاریم''

شہناز بانو ایم اے اُردو (شعبہ اُردو، اورینٹل کالج، لاہور، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور) نے آغا صادق ۔۔۔ احوال و آثار (تحقیقی وتنقیدی مقالہ) زیرِ نگرانی پروفیسر ڈاکٹر عبید اللہ خاں تحریر کر کے ستمبر ۱۹۸۷ء میں پیش کر کے کامیابی حاصل کی۔

یہ مقالہ ۵۶۱ صفحات پر مبنی ہے اور ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ شہناز بانو لکھتی ہیں (ص ۵۵۵):

''آغا صادق کی شاعری اور نثر میں اقبال کے واضح اثرات ملتے ہیں۔ شاعری میں موضوعات، خیالات اور اسلوب کے حوالے سے اور نثر میں اقبال کے مشہور شاعرانہ موضوعات خودی، مردِ مومن، عقل و عشق وغیرہ جیسے موضوعات کے حوالے سے بحث کر کے، آپ نے دوسرے شعرا اور نثر نگاروں کے اثرات قبول کر کے شاعری اور نثر کی روایت میں خاطر خواہ اضافے بھی کیے۔''

اقبال شناسی اور آغا صادق: ترتیب: ڈاکٹر نوید حسن، نیاز احمد نے این کیو پرنٹرز سے چھپوا کر سنگ میل پبلی کیشنز لاہور سے شائع کی۔ سن اشاعت: ۱۹۹۵ء صفحات ۱۹۹ صوری و معنوی اعتبار سے دیدہ زیب، قیمت تین سو روپیہ۔

بقول ڈاکٹر نوید حسن: ''میرے نزدیک والد بزرگوار آغا صادق کو علامہ اقبال سے کچھ ایسی قسم کی نسبت تھی جیسی حضرت علامہ کو مرشد رومی سے تھی۔ انھوں نے علامہ کے افکار کو پوری طرح جذب کر کے اپنے شعر و ادب کو آب و گل بنایا اور تفہیم اقبال کے سلسلے میں گوناگوں کوشش کیں۔ وہ خود لکھتے ہیں ''جب سے ہوش سنبھالا ہے، اقبال مست ہوں ۔۔۔ بادہ اقبال پیتا بھی رہا ہوں اور پلاتا بھی رہا ہوں۔''

ڈاکٹر سلیم اختر کے الفاظ میں: ''ہمارے ہاں ناقدین، دانشوروں اور اقبال شناسوں کے پہلو بہ پہلو عشاقِ اقبال کی صورت میں ایک اور طبقہ بھی ملتا ہے جو سر تا سر علامہ کی محبت میں سرشار، ان کے اسلوب کا قتیل اور افکار کا متوالا ہے اور بلاشبہ آغا صادق بھی قبیلہ عشاقِ اقبال کے ممتاز رکن ہیں ۔۔۔ جو عمر بھر شعر کی صورت میں علامہ اقبال کو احساساتی سطح پر خراجِ عقیدت پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے افکار کی تشریح کے لیے اپنی بہترین صلاحیتیں بروئے کار لاتے رہے۔''

یہ کتاب چار منظوم خراجِ عقیدت، سات مضامین، چالیس تشریح و تضمین زخمہ و ساز (جس کا پہلے ہی ذکر آ چکا ہے) اور اختتامیہ ۔۔۔ آغا صادق، علامہ اقبال کے روحانی شاگرد (شاخِ طوبیٰ کے حوالے سے ایک جائزہ ۔۔۔ اکبر حمیدی) پر مشتمل ہے۔

آغا صادق کی کتاب سنز و مزہ (کوئٹہ ۱۹۶۹ء) کے حوالے سے علامہ اقبال سے متعلق

ان کے چھ مضامین اقبال شناسی اور ادبائے بلوچستان کی تخلیقات جلد اوّل از ڈاکٹر انعام الحق کوثر (مطبوعہ بزم اقبال، لاہور، ۱۹۹۰ء) میں بھی شامل ہیں۔

پروفیسر اجمل صدیقی

آپ ۱۹۹۳ء سے ایف۔ جی ڈگری کالج کوئٹہ کینٹ کے پرنسپل ہیں۔ ۱۹۴۵ء میں ملتان میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۶۶ء، ۱۹۶۷ء، ۱۹۶۸ء، میں ترتیب وار معاشیات، سیاسیات اور اُردو میں پنجاب یونی ورسٹی سے ایم اے کیا۔ ۱۹۶۶ء میں لیکچرار معاشیات تعینات ہو گئے۔ ۱۹۸۶ء سے بحیثیت پرنسپل کام کر رہے ہیں۔

جب آپ گورنمنٹ ایمرسن کالج ملتان میں ۱۹۶۶ء میں ایم اے معاشیات کے طالب علم تھے تو علامہ اقبال سے متعلق انعامی مضامین کے مقابلہ میں اوّل آئے اور اسی کی وجہ سے صدر بزم اقبال اور کالج میگزین نخلستان کے ایڈیٹر بنے۔ اسی وقت سے اقبال کو اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ اب تک روز نامہ نوائے وقت، لاہور میں اقبال کی فکری جہتوں پر دو سو کے لگ بھگ مضامین لکھ چکے ہیں۔ تین سال (۱۹۸۳ء تا ۱۹۸۶ء) پاکستان ایمبیسی سکول/کالج جدہ میں پڑھاتے رہے۔ اسی دوران ڈاکٹر عبدالقیوم علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی جو جدہ میں سفارت خانہ پاکستان میں بحیثیت ایجوکیشنل اتاشی تعینات تھے، کی سرپرستی میں تین روز کے لیے اقبال سیمینار منعقد کرایا گیا۔ جناب اجمل صدیقی نے بطور معاون کام کیا اور بعد ازاں مقالات سیمینار کو مرتب کر کے شائع کرایا۔

آپ جدہ میں قیام کے دوران عرب نیوز اور سعودی گزٹ جدہ میں علامہ اقبال سے متعلق انگریزی میں لکھتے رہے۔ قریباً ایک درجن تحریریں شائع ہوئیں۔

آپ کی ایک کتاب اقبال اور جدوجہد آزادی ۱۹۸۰ء میں مکتبہ کارواں، ملتان نے چھاپی۔

آپ نے کوئٹہ میں رہتے بستے ہوئے ۱۹۹۵ء میں علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد سے بعنوان ''اقبال اور زرعی معاشیات'' ایم۔ فل کی ڈگری حاصل کی ہے۔

امداد نظامی

آپ مشہور ادیب، شاعر اور صحافی ہیں۔ تخلیق ادب میں تحقیقی مزاج کے حامل ہیں۔ کئی ادبی تنظیموں جیسے سرائیکی ادبی سنگت بلوچستان، ایوان تمدن، مرکز ادب، ادبی رابطہ کونسل بلوچستان اور

قلم قبیلہ کوئٹہ وغیرہ سے وابستہ اور بعض کے عہدیدار ہیں یا رہے ہیں۔ کئی اہم قومی اجتماعات میں شامل ہوئے ہیں۔

آپ کی کئی کتابیں جیسے کشمیر ایک تاریخی جائزہ، ہمارے تعصبات، دیہی بلوچستان (ترجمہ) چھپ چکی ہیں اور کئی غیر مطبوعہ مثلاً برف کی کلیاں، رفتگاں، زرسنگ، رنگ و سنگ، فرید رنگ، اقبال کے کولمبس، شاہین، بچوں کا اقبال، ہلک محرم سے خانے دا، (سرائیکی اقبالیات) بچوں کے لیے کہانیوں اور گیتوں کے تین مجموعے شامل ہیں۔

اقبال کے کولمبس: یہ سات مضامین کا مجموعہ ہے۔

۱۔ تفہیم اقبال: اقبال کی شخصیت، ان کے فکری ارتقا، شاعری اور پیغام کا جائزہ

۲۔ ستارہ تقدیر: کلام اقبال کی روشنی میں زندگی کی زندہ حقیقتوں اور ان کے بارے میں اقبال کے نقطہ نظر پر بحث۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔ ''اقبال کا یہ شعر اوہام شکنی کے اسی جوہر پر مشتمل ہے اور یہ کلام اس قدر خوبصورتی اور منطقی استدلال کے ساتھ کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شعور انسان اس پر ذرا سا غور کرے تو زندگی بھر کے لیے ستاروں اور سیاروں کے جال سے آزاد اور ان سے وابستہ اوہام سے محفوظ ہو جائے۔

ستارہ کیا مری تقدیر کی خبر دے گا\
وہ خود فراخی افلاک میں ہے خوار و زبوں

یہ شعر جب سے میرا ذہنی تجربہ بنا ہے، مختلف ممتاز، مشہور اور معتبر ستارہ شناسوں سے گہرے مراسم اور ان کی جانب سے از راہ اخلاص ہونے والی پیش گوئیوں کو بغور سننے کے باوجود میں ایک لمحے کو بھی ان سے متاثر نہیں ہوا، ان پر عمل کرنے کا تو سوال ہی کیا ہے؟''

۳۔ اقبال، حرکت و عمل کا شاعر: کلام اقبال کے تحریکی پہلو کا تفصیلی جائزہ۔ امداد نظامی ایک جگہ لکھتے ہیں: ''اقبال ہم سے پرستش کی نہیں، عرفان کی تمنا کرتے ہیں۔ اس پیغام کا عرفان جو اقبال نے اپنی زندگی بھر کی کاوش فکر و ہنر کے بعد ہمارے لیے چھوڑا ہے وہ ہمیں یاد دلا رہے ہیں کہ:

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو\
پھر بسر وارث میراث پدر کیونکر ہو

۴۔ مسجد قرطبہ: اقبال کی معرکہ آرا نظم کا سیر حاصل جائزہ

۵- شمع اور شاعر: اقبال کی نظم کا جائزہ اور تشریح

۶- اقبال، آج اور کل: اقبال کے بارے میں معاشرے کے عمومی رویے کا تجزیہ۔ اس میں ایک مقام پر مصنف لکھتا ہے: ''اس تصور سے ہمیں شدید نقصان پہنچ رہا ہے کہ کلام اقبال صرف اس لیے ہے کہ اس پر تحقیق کی جائے، عوام کی سمجھ سے یہ بالاتر ہے۔ سوال یہ ہے کہ جو کلام اقبال کل اس قوم کی سمجھ میں آ گیا تھا اور ایک نئی روح کی بیداری کا سبب بن گیا تھا، وہ آج کیوں قومی کردار کی تعمیر کا سبب نہیں بن سکتا۔۔۔؟''

۷- اقبال کے کولمبس: اقبال کے تذکرہ نگاروں اور نقادوں / اقبال شناسوں کے منفی رویے پر ایک تجزیاتی مضمون۔

اس مضمون کا ایک اقتباس دیکھیے: ''کسی شخص سے عقیدت کا رشتہ استوار کر لینا اچھی بات ہے۔ لیکن جوش عقیدت میں ایک اچھے خاصے انسان کو ایک تصوراتی اور ماورائی پیکر بنا دینے میں کیا خوبی ہے۔ مزید یہ کہ ایسا کرتے وقت اپنی پسند و ناپسند اور ذہنی مغالطوں کو شامل کر دینا، تاریخ کے جیتے جاگتے حقائق کو نئے معنی پہنا دینا اور پھر اپنے اس عمل کو درست اور ضروری تسلیم کرانے کے لیے ضد کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟''

۲- شاہین بچوں کا اقبال:

اقبال کی زندگی، شاعری، فلسفے اور پیغام پر بچوں کے لیے نہایت سادہ و سلیس اور عام فہم انداز میں لکھی گئی کتاب۔

۳- ہک محرم میخانے دا

اقبال کی شخصیت، فن، فکری ارتقا اور پیغام پر سرائیکی زبان میں تحقیقی کاوش۔

علامہ اقبال کے بارے میں یہ کتاب سرائیکی زبان میں مکمل کی گئی ہے اس کی بنیاد علامہ کے مندرجہ ذیل شعر کو بنایا گیا ہے اور اسی شعر سے کتاب کا نام بھی اخذ کیا گیا ہے۔

مری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ہوں محرم راز درون میخانہ

اس کتاب میں علامہ اقبال کی زندگی، کلام اور پیغام کے تمام پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔ ان کی کئی اہم نظموں کی تشریح ان کے فکری اور تاریخی پس منظر کی وضاحت کے ساتھ کی گئی ہے

اور علامہ کے شہرہ آفاق خطبات پر بھی ایک ایسا تعارفی باب شامل کیا گیا ہے جو ان خطبات میں شامل فکری عوامل اور ان سے ملنے والے پیغام کی مکمل صراحت کرتا ہے۔

کیونکہ سرائیکی اہل قلم اور محققین کی جانب سے علامہ اقبال کی شخصیت، فن اور فکر پر کوئی مستقل (مستند) کتاب لکھنے کی کوشش اب تک نہیں کی گئی، اس لیے ہِک محرم میخانے دا اس منصوبہ بندی کے ساتھ مرتب کی گئی ہے کہ اس کے ذریعہ سرائیکی قارئین کو علامہ کے بارے میں جامع اور ہمہ جہت معلومات فراہم ہو جائیں اور اہل قلم کو مزید تحقیق کے لیے بنیاد فراہم ہو جائے۔ اس طرح یہ کتاب نہ صرف اس موضوع پر پہلی مکمل سرائیکی کتاب ہو گی بلکہ اس کے ذریعہ سرائیکی میں علامہ اقبال پر ٹھوس کام کرنے کی تحریک بھی ملے گی۔

ہِک محرم میخانے دا کے چند اہم ابواب یہ ہیں:

۱- حیات اقبال: (اس باب کو حیات اقبال کے مختلف ادوار کی روشنی میں کئی ذیلی ابواب میں تقسیم کر دیا گیا ہے)

۲- اقبال کا فکری ارتقا: (یہ بھی کئی ذیلی ابواب پر مشتمل ہے)

۳- اقبال ۱۹۰۸ء کے بعد: یہ باب بطور خاص ان پہلوؤں پر بحث کرتا ہے:

☆ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے علامہ کی جدوجہد

☆ مغربی فلاسفہ کے افکار و نظریات کی روشنی میں فکر اقبال کے مختلف پہلو۔

☆ وطنی قومیت کے مقابلے میں ملت اسلامیہ کے تصور کا ارتقا۔

☆ اُردو کے ساتھ ساتھ فارسی زبان کو ذریعہ اظہار بنانے کا پس منظر

۴- اقبال کا تنقیدی شعور:

۵- اقبال کی چند اہم (اُردو۔ فارسی) نظمیں۔ (اور کلام اقبال کے محاسن)

۶- اقبال اور ان کا تصور اسلام: (ملا اور خانقاہی نظام کے مجہول Passive تصور اسلام کے مقابلہ میں اسلام کی تحریکی Dynamic کردار پر اقبال کے نقطہ نظر کی وضاحت)

۷- مسجد قرطبہ: عالمی ادب کی عظیم ترین شعری تخلیق اور بہت سے دوسرے عنوانات

کتاب کی کمپیوٹر کمپوزنگ کے انتظامات کیے جا چکے ہیں۔ پورے مسودے کا از سر نو جائزہ لینے اور اگر ضرورت محسوس ہوئی تو کمپیوٹر کے جو ماہر اس کی کمپوزنگ کریں گے ان کے اندازے کی

مطابق یہ کتاب (تعارف اور مقدمہ وغیرہ کے علاوہ) ۳۶×۲۳×۱۶/۱ کے سائز میں ۱۷۶ صفحات پر مشتمل ہوگی۔ تعارف رمقدمہ، فہرست وغیرہ شامل کر کے تقریباً ۱۹۲ صفحات بن جائیں گے۔

اس کتاب کا مقدمہ مصنف خود تحریر کریں گے۔ تعارف ڈیرہ غازی خان کے ممتاز دانش ور جناب جاوید احسن خان لکھیں گے اور اگر ضرورت محسوس ہوئی تو "فلیپ" سرائیکی کے ممتاز اہل قلم جناب اسلم رسول پوری، جناب شوکت مغل، پروفیسر اے۔ بی اشرف اور پروفیسر سجاد حیدر پرویز کے علاوہ محترمہ مسرت کلانچوی تحریر کریں گی۔

خیال ہے کہ یہ کتاب "وجدان" پبلی کیشنز" کوئٹہ سے شائع ہوگی۔

پروفیسر انور رومان

آپ یکم اکتوبر ۱۹۲۴ء کو تحصیل نکودر ضلع جالندھر (مشرقی پنجاب کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ آپ کا گھرانا دینی، علمی و ادبی تھا۔ جد امجد میاں غیاث الدین غزنی و بخارا سے علم کی پیاس بجھا کر آئے تھے۔ نانا جان میاں غلام محمد مولانائے روم سے گہرا شغف رکھتے تھے۔ تایا جان حکیم شاہ دین عابد و زاہد تھے۔ والد محترم میاں محمد مقبول متقی، زاہد شب زندہ دار، حکیم اور استاد تھے۔ آپ کے ایک استاد چودھری رحمت علی نازش تھے۔ جنھوں نے علامہ اقبال کے کلام کو سمجھنے اور سمجھانے میں اپنی عمر صرف کی۔

آپ ہر امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کرتے رہے۔ حتیٰ کہ بہت اچھے نمبروں میں ۱۹۴۵ء میں پنجاب یونی ورسٹی لاہور سے ایم۔ اے (تاریخ) پاس کیا۔ ۱۹۴۶ء میں گورنمنٹ سنڈیمن ہائر سیکنڈری سکول کوئٹہ (جو قیام پاکستان کے بعد مکمل گورنمنٹ کالج بنا) میں لیکچرار تعینات ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد کوئٹہ میں ہی سکونت پذیر ہو گئے۔ مختلف عہدوں جیسے پرنسپل (اپنے صوبے کے علاوہ پنجاب اور سرحد میں بھی) ڈپٹی ڈائریکٹر، ڈپٹی سیکرٹری، چیئرمین بلوچستان ٹیکسٹ بک بورڈ کوئٹہ پر تعینات رہ کر ۱۹۷۸ء میں ناظم تعلیمات ادارہ نصابیات و مرکز توسیع تعلیم بلوچستان کوئٹہ مقرر ہوئے اور ۳۰ رستمبر ۱۹۸۴ء کو ریٹائر ہو گئے۔

پروفیسر محمد انور رومان نے یہاں بیٹھ کر تخلیقی کام (یعنی افسانے، ڈرامے اور ادبی مضامین) کے علاوہ تحقیق و تدقیق کی مشعل روشن کی۔ یہ ماقبل پاکستان دور سے پہلے ہی ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ انھوں نے متعدد صاحبان کو متاثر کیا اور ان کو اس کٹھن راہ پر گامزن کیا۔ وہ اب

تک اُردو زبان وادب، اقبالیات اور تاریخی وتہذیبی تحقیق کے سلسلے میں نا قابل فراموش خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔

ان کا اہم ترین ادبی مقالہ تھا: ''پاکستانی ادب'' (اس کا ماضی قریب اور اس کی ذمہ داریاں) مطبوعہ مخزن، لاہور شمارے جولائی واگست ۱۹۴۹ء (دو قسطیں) ضخامت: ۳۵ صفحات۔[۲۲]

جب ہندوستان میں ملت اسلامیہ کو موت کے پسینے آ رہے تھے اور پاکستان کو وجود بری طرح ڈگمگا رہا تھا اور پاکستان کے لاکھوں نام لیوا پاکستان کی تلاش میں بے گور وکفن موت کے جام نوش کر رہے تھے اور ہمارے ادیب اور شاعر نام نہاد ترقی پسندی، متحدہ قومیت، فحاشی، عریانی، رجعت پسندی، ذات پرستی اور اسی قسم کے دیگر گھروندوں میں مقیم اس خون چکاں ماحول کا منظر دیکھ رہے تھے، اس وقت پروفیسر انور رومان نے کوئٹہ میں بیٹھ کر یہ مقالہ لکھا۔ انھوں نے ایک طرف ماقبل پاکستان ادب کو پاکستانیت کی کسوٹی پر پہلی دفعہ پرکھا، نظریہ پاکستان سے متصادم تمام رائج الوقت نظریات وافکار کا بخیہ ادھیڑا اور دوسری جانب ایسی مشعل روشن کی جس کی روشنی ہمارے ادبا وشعرا ظلمتوں اور خلاؤں میں ٹھوکریں کھانے کے بعد دیکھنے لگے۔ انور رومان صاحب کے قلم میں طاقت تھی، ان کی نگاہ مستقبل پر جمی ہوئی تھی اور ان کا تصور پاکستان کے نظریئے کا حامل اور علم بردار تھا لہٰذا وہ تنقید میں نشتر، تجویز میں دوررس اور تحقیق میں ان تھک تھے۔

مصنف نے مقالے کے پہلے حصے میں ترقی پسند تحریک کے صالح اور جاندار عناصر کی بجا تعریف کی اور اس کے فاسد حصوں کو اپنے نشتر تنقید سے صاف کر دیا۔ دوسرے حصے میں انھوں نے پاکستانی قومیت کے پیش نظر پاکستانی ادیب وشاعر اور فنکار و دانشور کے سامنے کچھ ٹھوس تجاویز پیش کیں جنھیں پاکستانی ادب کا مقدر بننا ہے۔ مثلاً

۱۔ اقبال شناسی
۲۔ ماضی کے ساتھ ہمارے ادب کو لازماً رابطہ رکھنا چاہیے۔
۳۔ ان موضوعات کو اپنانا جو پاکستانی قومیت اور ہماری پیش رفت کے لیے ضروری ہیں۔
۴۔ ادب کو پاکستان کا حقیقی نمائندہ اور رہبر ہونا چاہیے اور یہاں کے لوک ادب سے مستفید ہونا چاہیے۔
۵۔ انسانی عظمت کا تحفظ وبقا۔

متذکرہ بالا تجاویز میں ''اقبال شناسی'' سرفہرست ہے۔

انور رومان کی زبان سے سنیے[۲۳]: ''ان خیالات کے خالق انسان ہیں اور اس لیے ہمیں یہ تلاش کرنا ہوگا کہ وہ کونسی شخصیت تھی جس نے ہماری ذہنی عنان کو پاکستان کی طرف موڑا جس نے سب سے پہلے یہ خواب دیکھا، جس نے اس نقلاب کے لیے ہمارے ذہنوں کی ضروری تربیت کی جس نے اس کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا اور اس کی تشکیل کے لیے اشاراتی مینار روشن کیے۔ الغرض وہ کونسی ہستی ہے جو اس انقلاب کی ذہنی وخیالاتی بنیاد ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس انقلاب کے حاملین کو سرگرم رکھے گی اور ان کا محاسبہ کرنے کے علاوہ انھیں وقت کے مطابق نئے نئے خیالاتی اوزار مہیا کرتی رہے گی!

یہ عظیم شخصیت علامہ اقبال ہیں۔ جس کے تصورات کا مرئی ظہور پاکستان ہے اور جن کے بغیر پاکستان محض ایک ہوائی پیکر ہے وہ بجاطور پر پاکستان کی ٹھوس ترین بنیاد ہیں اور ان کے بغیر پاکستان کا تصور بھی نہیں ہوسکتا۔ پاکستان کی اس ذہنی وفکری حقیقت کو جتنا جلدی سمجھ لیا جائے اتنا ہی اچھا ہے اور جتنی گہرائی سے سمجھا جائے اتنا ہی کم ہے اور پاکستانی ادب کا اہم ترین اور افضل ترین فرض اسی بنیادی حقیقت کو اجاگر کرنا ہے۔ اب تک اس سلسلے میں جو کچھ کیا گیا ہے وہ سمندر میں قطرے کی حیثیت رکھتا ہے۔ میرے اس فقرے پر حیران ہونے کی ضرورت نہیں تاریخ عالم میں تقلیدی اور تخریبی مفکر جتنے زیادہ ہیں تخلیقی اور تعمیری مفکر اتنے ہی کم ہیں اور اسی لیے بار بار انقلابوں کی ضرورت پڑتی ہے۔

اقبال ایک ایسے ہی تخلیقی وتعمیری مفکر ہیں۔ ان کی ہمہ گیر شخصیت پر جتنا بھی لکھا جائے اتنا ہی کم ہے۔ کیونکہ زندگی کی معمولی سے معمولی حقیقت سے لے کر بلند سے بلند فلسفے تک انھوں نے اپنے خیالات کو منسلک کیا ہے۔ ہماری سماجی زندگی کے ہر پردے کو انھوں نے چاک کیا ہے۔ اجتماعی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر کماحقہٗ روشنی ڈالی ہے۔ عروجی وزوالی کیفیتوں کا بغور مطالعہ کیا ہے۔

فنون لطیفہ کے مقامات پر ہنگامہ خیز تنقید کی ہے اور موجودہ زندگی اور مستقبل کے لیے ہمیں ایک صالح ترین معیار بخشا ہے اور اس سب کچھ کا پس منظر خالص اسلامی تاریخ ہے ہماری یہ انتہائی بدقسمتی اور بے حمیتی ہوگی۔ اگر ہم ان کے ہوتے ہوئے دوسروں کے پاس دریوزہ گری کرتے پھریں وہ بلاشک وشبہ دنیا کے ان معدودے چند مفکرین میں سے ہیں جو انقلاب خیز بھی ہوتے ہیں اور انقلاب زندہ دار بھی!

ممکن ہے ہم اپنی موشگافیوں کی وجہ سے مخمصے میں الجھے رہیں کہ وہ شاعر ہیں یا فلسفی، حکیم

ہیں یا نقاد؟ میں صرف یہ کہتا ہوں کہ وہ سب کچھ ہیں لیکن سب سے زیادہ وہ پاکستان کے ذہنی جنم داتا ہیں۔ ان کے ہاں لطیف ترین منظر کشی اور حساس ترین نیچرل شاعری ہے۔ ان کے ہاں ڈانٹے کا آسمان گیر تصور ہے۔ گوئٹے کا ابدی اخلاقی ضمیر ہے اور ملٹن کی طرح ہبوط آدم اور صعود آدم کا ادراک ہے۔ لیکن ان سب سے زیادہ وہ آپ کو اسے اور مجھے کہیں بلا رہے ہیں۔ کہیں کھینچ رہے ہیں۔ کہیں لے جا رہے ہیں۔ وہ کہیں یہی پاکستان ہے صبح کے مقدس لمحات میں بیٹھ کر کبھی ان کی آواز کو تو سنیے، دن کے ہوشربا ہنگاموں میں ان کی صداؤں پر تو کان دھریے، سکوت شام میں ان کے معنی خیز اشارات کو تو سمجھئے، اندھیری رات کے عالم میں اس روشنی کو تو دیکھیے جو وہ جلا رہے ہیں! انھوں نے ہر مقام سے ہمیں بلایا ہے۔ حجاز، اندلس اور سسلی، لندن، بھوپال، مدراس، طہران اور کابل۔ ہر جگہ سے ہمیں پکارا ہے انھوں نے کارخانوں، کھیتوں، مسجدوں، گھروں، محلوں، جھونپڑیوں، سکولوں، کالجوں، خانقاہوں اور خرمنوں ہر جگہ سے ہمیں آوازیں دی ہیں۔ انھوں نے ہم سے ہر ایک کو پکارا ہے۔ کسانوں، مزدوروں، زمینداروں، فنکاروں، بچوں، بوڑھوں، عورتوں، پیروں، مریدوں، طالب علموں اور استادوں ہر ایک کو پکارا ہے۔ بانگ درا، بال جبریل، ضرب کلیم، ارمغان حجاز۔ یہ سب کیا ہیں؟ کیا یہ محض الفاظ ہیں؟ نہیں یہ وہ پیغامات ہیں جو انھوں نے ہمیں دیے ہیں۔ روشنی کے وہ مینار جو انھوں نے نصب کیے ہیں! اسرار خودی، زبور عجم، پیام مشرق، جاوید نامہ کیا یہ محض الفاظ ہیں؟ نہیں! یہ ہمیں ایک وسیع تر دنیا میں لے جاتے ہیں۔ ہماری بین الاقوامیت کے مظہر ہیں۔

نغمہ کجا و من کجا، ساز سخن بہانہ ایست
سوئے قطار می کشم، ناقہ بے زمام را

جب علامہ اقبال نے یہ لکھا تھا کہ "من نوائے شاعر فرداستم" تو یہ شاعرانہ تعلّی نہیں تھی۔ یہ وہ حقیقت ہے جسے ہمیں سمجھنا ہے۔ یہ کہنا غلط ہے کہ ہم ان کے متعلق بہت کچھ کر چکے ہیں۔ ایسا نہ ہوا ہے اور نہ ممکن تھا اگر ہم انھیں سمجھ چکے ہیں۔ ایسا نہ ہوا ہے اور نہ ممکن تھا اگر ہم انھیں سمجھ چکے ہوتے تو ہمارے ماہناموں، مباحثوں، اخباروں اور مذاکروں میں ان کے خیالات کے سوا باقی دنیا کے دوسرے مفکروں کے خیالات چھائے ہوئے نہ ہوتے۔

ان کو سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا بالترتیب، مکمل اور عمیق مطالعہ کیا جائے۔ میں یہاں آپ کو یاد دلاتا ہوں کہ انگریز قوم شیکسپیئر کو پچھلے چار سو سال سے پڑھ رہی ہے۔ چار سو سال سے اور خود آپ ہی اس کا سوا سو سال سے مطالعہ کر رہے ہیں۔ یونیورسٹیوں، اکادمیوں اور بالائی طبقوں

کو دیکھنے کی ضرورت نہیں آپ رائے عامہ کے خالق و نباض ہیں اور ضمیر ملیہ کے حامل اس لیے یہ فرض آپ پر عائد ہوتا ہے۔

اقبال شناسی کے اس کام کے لیے ایک باقاعدہ پلان کی ضرورت ہے۔ جس کی نوعیت کچھ ایسی ہو سکتی ہے۔

۱- چونکہ علامہ اقبال کا پیغام شاعری میں ہے اور ان کے مطالب گہرے ہیں۔ اس لیے اقبال شناسی کا اہم ترین قدم یہ ہونا چاہیے کہ انھیں واضح کیا جائے۔ ان کے استعارات و تشبیہات اور اشارات و کنایات کی تشریح ہو اور سلیس انداز میں ان کے پیغام کو سمجھا جائے۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ جب تک علامہ اقبال، حافظ اور شیکسپیئر کی طرح ہمارے عوامی ذہن میں جاگزیں نہیں ہو جاتے اس وقت تک ہمارے عوام اچھے یا برے فلسفے کا شکار ہوتے رہیں گے اقبال شناسی کے اس پہلو کی طرف بالکل توجہ نہیں دی گئی اس لیے سب سے بڑی ضرورت تشریحی اور عوامی ہے۔

۲- اقبال جامعیت کے لحاظ سے انسائیکلوپیڈیا ہیں اس لیے دوسرا ضروری قدم علمی و تحقیقی ہے۔ ان کے سیاسی، سماجی، معاشی، انقلابی، فنی، اخلاقی، انفرادی، اجتماعی، سائنس وغیرہ نظریات کا مطالعہ کیا جائے یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ بعض اوقات تو ان کے الفاظ براہ راست ان کے مطالب کے آئینہ دار ہیں۔ لیکن بعض اوقات ان الفاظ پر تنقیدی رنگ اتنا شوخ ہوتا ہے کہ وہ اس موضوع کی محض تنقیص معلوم ہوتے ہیں جس کی علامہ نے ترجمانی کی ہے۔ مثلاً وہ مشینوں کی مخالفت کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔

ع احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

سے بعض قارئین یہ مطلب لیتے ہیں کہ وہ سائنسی ایجادات کے مخالف ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ وہ دوسری جگہ یہ بھی کہتے ہیں:

ندرت فکر و عمل کیا شے ہے؟ ذوق انقلاب
ندرت فکر و عمل کیا شے ہے؟ ملت کا شباب
ندرت فکر و عمل سے معجزات زندگی
ندرت فکر و عمل سے سنگ خارہ لعل ناب

اس لیے درون پردہ طالب کو بہت حد تک داخلی شہادت سے واضح کیا جا سکتا ہے۔

اس کے علاوہ یہ یادرکھنا بھی ضروری ہے کہ ان کی جامعیت میں ایک اشتراک اور ان کی کثرت میں ایک وحدت ہے۔ ان کے محقق کو ان کے اس اشتراکی و وحدتی پہلو کو ہمیشہ ذہن میں رکھنا ہوگا۔ مختصر طور پر اس کا مطلب ان کی انفرادیت اور ماضی اسلام کا پس منظر ہے۔ اس کا بھی خیال رکھنا ہے کہ وہ مسلمان ہوتے ہوئے عالمگیر ہیں۔ ڈانٹے یا ملٹن یا گوئٹے کی طرح لیکن ان میں اور اقبال میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ ڈانٹے نے پروٹسنٹ ردعمل کے پیش نظر رومن کیتھولک کے نظام فکر کے حسن کو اجاگر کیا۔ ملٹن نے بادشاہت کی دوبارہ فتح (جو پیوری ٹن پابندیوں کے برعکس ایک ہمہ سوز آزادی تھی) پیوری ٹن انقلاب کے فکری پہلوؤں کو روشن کیا، گوئٹے نے مادیت کے خلاف روح اور اس کی تسکین پرور کائنات کو نمایاں کیا۔ لیکن یہ سب کسی ضائع شدہ یا زوال پذیر چیز کو محفوظ کر رہے تھے۔ اس کے برعکس علامہ شوکت اسلام کو محفوظ کرتے ہوئے اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ان کا لہجہ شروع سے آخر تک انقلابی ہے۔ ہنگامہ خیز اور جدت انگیز! وہ محفوظ کرنے سے کہیں بڑھ کر مسلمانوں کی روح انقلاب کو جگا رہے ہیں اور عملی طور پر اس میں کامیاب بھی ہو گئے ہیں۔

۳- اقبال شناسوں کا تیسرا اہم قدم تنقیدی ہے۔ جہاں علامہ مرحوم و مغفور کے نظریات کا محاکمہ کرنا ہے۔ صحیح محاکمے کا ضروری ترین نکتہ یہ ہے کہ پہلے ڈاکٹر اقبال کو پڑھا جائے اور پھر دوسرے مفکرین کو نہ کہ ہمارے موجودہ طریقے کے مطابق کہ پہلے دوسروں کو پڑھ کر ڈاکٹر اقبال کا مطالعہ کیا جائے۔ اس سے اقبالیات کی روح مسخ ہو کر رہ جاتی ہے اور خود نقاد بھی الجھ کر رہ جاتا ہے اور علامہ میں ایک تضاد پاتا ہے۔

میں اس پر مصر نہیں ہوں کہ اقبال شناسی کی ترتیب یہی رہے۔ تشریحی قدم کے ساتھ ساتھ دوسرے قدم بھی اٹھائے جا سکتے ہیں۔ لیکن میں نے جہاں تک سوچا ہے۔ اقبالیت کے یہ تینوں پہلو بہت ہی ضروری اور اہم ہیں۔

ضرورت ہے کہ ہمارا پاکستانی ادب پروفیسر انور رومان کے اس مضمون کو حرز جان اور وظیفہ حیات بنا لے۔

پروفیسر انور رومان کا ایک مقالہ ''علامہ اقبال اور تاریخ'' بولان، کالج میگزین، گورنمنٹ کالج کوئٹہ.........اگست ۱۹۴۹ء[۲۴] میں چھپا تھا۔

اس مختصر مگر دقیق مقالہ میں فاضل پروفیسر نے بتایا ہے کہ علامہ اقبال نے تاریخ سے کیا سمجھا ہے۔ اسے کیسے پیش کیا ہے اور ان کا فلسفہ تاریخ کیا ہے۔ یوں تو علامہ اقبال کا ہر پہلو اور ہر زاویے سے مطالعہ کیا گیا ہے مگر یہ مقالہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے انفرادی خصوصیات کا حامل ہے۔

۱۹۷۷ء[25] کی مناسبت سے پروفیسر انور رومان نے جو ان دنوں ''بلوچستان ٹیکسٹ بک بورڈ کوئٹہ'' کے چیئرمین تھے۔ انگریزی میں ایک طویل مقالہ تحریر کیا تھا جس کا عنوان ہے:

IQBAL A HERO AND HIS HEROES

یہ مقالہ سہ ماہی اقبال لاہور کے شمارہ نمبر ۲۴...... اکتوبر ۱۹۷۷ء میں صفحہ ۵۵ تا ۱۰۰ چھپا......

پروفیسر انور رومان نے ۱۹۸۳ء کے شروع میں ایک کتابچہ بعنوان اقبال اور مغرب کے تہذیبی اور سیاسی استعمار کے خلاف جدوجہد تحریر کیا تھا۔ جو مسودے کی صورت میں ہمارے پیش نظر ہے۔ کل صفحات ۱۱۳ ہیں۔ (سائز 8.5× 14×21/5.5)۔ آئینہ مندرجات یوں ہے: انتساب، حرف آغاز، پس منظر، سید احمد خان، اقبال کا تشکیلی دور، مغرب سے رابطہ بعید، مغرب سے رابطہ قریب۔ استعمار کے خلاف جدوجہد، پیش منظر، منابع۔

انتساب انوکھا ہے ملاحظہ ہو:

یوم اقبال ۱۹۸۲ء مختلف سکولوں کی ننھی، منی، تازہ رو طالبات تقریری مقابلہ کے لیے ایک ہال میں جمع ہیں۔ مقابلہ شروع ہونے میں ابھی کچھ وقت باقی ہے۔ وہ خوب زور شور سے خوش گپیاں کر رہی ہیں اتنے میں ایک بچی نہایت سنجیدگی سے بولتی ہے:

میرے ابو کہتے ہیں کہ علامہ اقبال سیالکوٹی تھے کیونکہ وہ سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ دوسری بچی فوراً متوجہ ہوتی ہے اور لب کشائی کرتی ہے: ''میری امی بتاتی ہیں کہ علامہ اقبال پاکستانی تھے کیونکہ سیالکوٹ پاکستان کا شہر ہے''۔ تیسری بچی گویا ہوتی ہے: ''میری استانی فرماتی ہیں کہ وہ ہندوستانی تھے کیونکہ پاکستان ان کی وفات کے بعد بنا''۔ چوتھی بچی بولتی ہے: ''میرے استاد کا فرمان ہے کہ وہ ایشیائی تھے کیونکہ انھوں نے اردو سے زیادہ فارسی میں لکھا''۔ پانچویں بچی کہتی ہے: ''میرے ابو کا خیال ہے کہ وہ پوری دنیا کے تھے کیونکہ وہ انسانوں کو اچھا بنانا چاہتے تھے!''

میں یہ ادنیٰ سی قلمی کاوش انھی بچیوں کے نام منسوب کرتا ہوں۔ پروفیسر انور رومان پیش منظر کے آخر میں کہتے ہیں: (ص، ۱۰۸-۱۰۹) ''ان کا مشن تجزیاتی ہی نہیں تھا بلکہ اس سے کہیں زیادہ تعمیری و انقلابی تھا۔ ان کا خطاب پوری بنی نوع انسان سے تھا، ان کا کلام پوری بنی نوع

انسان کے لیے خواہ وہ مغرب میں مقیم ہو یا مشرق میں، اس لیے وہ رڈیارڈ کپلنگ کے بالکل برعکس مشرق و مغرب دونوں کے لیے تھے۔ دونوں کے لیے سوچتے اور محسوس کرتے تھے، دونوں کے لیے بے قرار اور مضطرب تھے۔ بیچارہ کوتاہ نظر کپلنگ کہاں اور آفاقی اقبال کہاں! ضرب کلیم میں ان کی نظم ''شعاعِ امید'' ان کی اسی جامعیت و عالم گیریت کا بھرپور اظہار ہے اور عالمی ادب کا ایک جمیل و جلیل شاہکار!

مشرق سے ہو بیزار، نہ مغرب سے حذر کر
فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر

یہ مسودہ ڈاکٹر وحید قریشی نے بعنوان اقبال اور مغربی استعمار ۱۹۸۹ء میں بزم اقبال لاہور کی جانب سے شائع کیا۔

اس کے بارے میں ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی رقم طراز ہیں:

مولانا مودودی نے ایک جگہ لکھا ہے:

سب سے اہم کام، جو اقبال نے انجام دیا تھا وہ یہ تھا کہ انھوں نے مغربیت اور مغربی مادہ پرستی پر پوری قوت کے ساتھ ضرب لگائی۔

اقبال کا یہی کارنامہ، پروفیسر انور رومان کی مختصر، مگر جامع اور مفید تالیف ''اقبال اور مغربی استعمار'' کا موضوع ہے۔ ابتدائی ابواب میں مغربی استعمار کے ارتقا کا سراغ لگاتے ہوئے مصنف نے ہندوستان پر قبضے کے سلسلے میں، فرنگیوں کی چال بازیوں کا ذکر کیا ہے اور اس کے ساتھ اپنوں کی بے تدبیریوں اور کوتاہیوں کی نشان دہی بھی کی ہے۔ مغرب سے اقبال کا اولین رابطہ تعلیم اور تعلیم کے حوالے سے ہوا۔ پروفیسر انور رومان کے خیال میں اقبال کا ابتدائی تجربہ و تاثر انفعالی تھا۔ بعدازاں جب انھوں نے مغربی تہذیب کو، اس کے پورے تاریخی پس منظر میں، بہ نظر غائر دیکھا تو وہ اس کی تاجرانہ ذہنیت، استعماری ریشہ دوانیوں اور فکری کور باطنی سے آگاہ ہوئے۔ درحقیقت وہ یورپ کو بنیادی اور روحانی روشنی سے محروم سمجھتے تھے۔ بہ قول مصنف:

حقیقت یہ ہے کہ انسان پر کسی قوت ماورا کی گرفت نہ ہو، تو انسان ہی اپنے مسکن، کوہ ارض اور بنی نوع انسان کا مہیب ترین دشمن بن جاتا ہے۔ (ص، ۵۹)

بہرحال علامہ اقبال نے مغربی تہذیب و استعمار کے خلاف ایک مسلسل اور ہمہ جہتی جدوجہد کا آغاز کیا۔ مصنف کے نزدیک خطبہ الہ آباد کے ذریعے، اقبال کا پیش کردہ تخیل پاکستان، فی

الاصل اسی جہد و کاوش کا تسلسل اور اس کی ایک کڑی ہے، لہٰذا: ''پاکستان کے ذہنی جنم داتا وہی ہیں'' (ص، ۱۸)۔ مصنف کا یہ اظہار تاسف بالکل بجا اور معنی خیز ہے کہ استعمار نے بھیس بدل لیا ہے اور اب یہ چور دروازوں سے نفوذ کرتا ہے۔ اہل مغرب ہمارے حاکم تو نہیں، مگر ہمارے ''آقایان ولی نعمت ضرور ہیں''۔

اپنے موضوع پر یہ ایک اچھا ٹھوس مطالعہ ہے۔ پروفیسر انور رومان ایک صحیح الفکر او صاف ذہین قلم کار اور اس تحریر کے پس منظر میں ان کا وسیع الاطراف مطالعہ جھلکتا ہے۔

(سہ ماہی، اقبال، لاہور، جنوری، اپریل ۱۹۹۱ء ص ۲۴۲۔ ۲۴۳)

پیر محمد زبیرانی

پیر محمد زبیرانی[۲۶] خلف الرشید لعل محمد ۱۹۲۵ء کے لگ بھگ بمقام دشت عمر ڈھور (ضلع قلات) میں پیدا ہوئے۔ آبائی پیشہ زمینداری تھا۔ خانہ بدوشانہ زندگی کے مطابق چھ ماہ اسی دشت میں گزارتے اور چھ ماہ ایری نامی بستی (ضلع کچھی) میں قیام پذیر ہوتے۔ ناظرہ قرآن مجید پڑھنے کے بعد بلوچستان کے دینی مدرسوں میں مروجہ فارسی کی درسی کتابیں کریمائے سعدی سے لے کر بہار دانش تک پڑھیں۔ بعد ازاں مولوی عبدالحلیم سے فن کتابت سیکھا اور ۱۹۴۶ء میں عزیز پریس کوئٹہ میں کاتب کی حیثیت سے ملازمت اختیار کی۔ کچھ عرصہ کراچی میں گزارا۔ ۱۹۵۰ء سے کوئٹہ کے مختلف پریسوں اور جریدوں میں کتابت کر رہے ہیں۔

۱۹۵۵ء سے شعر و ادب کے میدان میں خاصا کام کیا ہے۔ ریڈیو سے بھی ان کے اشعار وغیرہ نشر ہوتے رہتے ہیں۔ براہوئی اردو آسان گرائمر، گلدستہ غوثیہ (سوانح غوث الاعظم) کریمائے سعدی بلوچی میں اور رپتگیں لال (دو کتابیں قدیم بلوچی اشعار پر مشتمل، مطبوعہ بلوچی اکیڈمی کوئٹہ) چھپ چکی ہیں۔ کئی مسودے طباعت کے منتظر ہیں۔ ان میں سے ایک نہایت اہم مسودہ ہے:

ارمغان حجاز (اقبال) کا منظوم براہوئی ترجمہ

پیر محمد زبیرانی کا ایک ترجمہ کردہ کتابچہ براہوئی گیچن (کلام اقبال) حکومت پاکستان بارڈ پبلسٹی آرگنائزیشن کوئٹہ نے ۱۹۷۸ء میں شائع کیا تھا۔ ضخامت ۸۰ صفحات۔

خدائے رحیم بیتاب

آپ دالبندین ضلع چاغی میں رہائش پذیر ہیں۔ بلوچی اور براہوئی کے مشہور شاعر و ادیب

ہیں۔ اردو میں بھی مضمون لکھتے رہتے ہیں۔ اردو میں ایک ناول خواب کی پری لکھا ہے۔

آپ میٹرک پاس ہیں۔ ایران میں علوم فارسی کی تحصیل کی تھی۔ آپ زہدان (ایران) میں بارہ جون ۱۹۳۶ء کو پیدا ہوئے۔ دبستان (پرائمری سکول) میں ایرانی بچے انھیں 'ہندی غلام' کہہ کر چھیڑتے تھے۔ یہ ناراض ہوتے۔ ایک مرتبہ اپنے والد سے پوچھا کیا ہم غلام ہیں؟ کیونکہ ایرانی ڈاکٹر کا لڑکا مجھے کہتا رہتا ہے کہ تم لوگ ہندی غلام ہو۔ والد پڑھے لکھے نہ تھے۔ کہنے لگے: ''نہیں بیٹا ہم تو بادینی بلوچ ہیں۔ بنیادی طور پر رند ہیں۔ نوشکی میں ہماری جائیداد، گھر بار اور قوم ہے''۔ بعد میں آپ نوشکی آ گئے۔ نوشکی میں لوگوں نے کہا کہ ہم تو اب انگریزوں سے آزاد ہو چکے ہیں اور پاکستان قائم ہو چکا ہے۔ بیتاب کا کہنا ہے کہ اس وقت انھیں محسوس ہوا کہ وہ ایرانی لڑکے کیوں انھیں غلام کہا کرتے تھے۔

آپ نے شوق سے معلّمی کا پیشہ اختیار کیا ہے اور اس بات کے خواہاں ہیں کہ اپنے علاقے کے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ تعلیم یافتہ دیکھیں۔ اس وقت ضلع چاغی میں پانچ سو کے قریب اساتذہ مقامی ہیں۔ ان سب کے شاگرد ڈاکٹر و انجینئر ہیں۔

آپ کا شعری مجموعہ دیوان بیتاب عنقریب چھپ جائے گا۔ آپ علامہ اقبال سے بہت متاثر ہیں۔ ان کی فکر سے استفادہ کرتے ہیں۔ ان پر بلوچی میں نظمیں لکھتے ہیں۔ علامہ کے افکار کو عام کرنے کی کوشش میں مصروف رہتے ہیں۔ ایک ملاحظہ کیجیے:

علامہ اقبال

شاعر مشرق علامہ اقبال
برمنی ناقصین عقل و خیال
مومن و خدا رسیدہ نیک اعمال
عاشق بہ رسولؐ عربی جمال
آئی حد نظر و فکرانی بال
خدمتِ خلق و اسلام احوال
نظریہ پاکستان بانی ء
علم و فضل تا حد درجہ کمال

یورپ ء گشت و کرتے یال
فلسفہ و تہذیب چارت باز سال
دانش مغرب بنیاد تباہی و زوال
آئی تہذیب وت انت آئی قتال
مغرب ء نیست دراصل ء خبر
یہ فلسفہ و فکر وت انت آئی زوال [۲۷]

پروفیسر خلیل صدیقی

آپ اُردو کے نامور ادیب، محقق، ماہرلسانیات، شاعر اور اُستاد تھے۔ ۱۹۴۸ء میں کوئٹہ آئے اور پھر یہیں کے ہو رہے۔ محکمہ تعلیم بلوچستان میں مختلف اہم عہدوں جیسے پرنسپل، ڈائریکٹر ایجوکیشن اور چیئرمین ثانوی و اعلیٰ ثانوی بورڈ بلوچستان اور جامعہ بلوچستان کے شعبہ مطالعہ پاکستان کے سربراہ بھی رہے۔ آپ ون یونٹ کے زمانے میں (۱۹۶۷ء تا ۱۹۷۰ء) گورنمنٹ کالج بوسن روڈ ملتان کے صدر شعبہ اُردو اور وائس پرنسپل بھی رہے اور وفات (۱۰ مارچ ۱۹۹۶ء) سے چند ایام پہلے تک شعبہ اُردو زکریا یونی ورسٹی ملتان میں بحیثیتِ مہمان پروفیسر طالب علموں کے لیے فیض رسان رہے۔ آپ وزیر اعلیٰ بلوچستان (نواب محمد اکبر خاں بگٹی) کے امورِ تعلیم میں مشیر رہے۔ بلوچستان یونی ورسٹی اور زکریا یونی ورسٹی ملتان سے پی ایچ ڈی کے ایک ایک طالب علم نے ان کی نگرانی اور معاونت سے اپنی تحقیق مکمل کی۔ ایم فل اور ایم اے کے درجنوں طالب علم ان کی تحقیق و تنقید سے بہرہ یاب ہو کر تحقیقی مقالات لکھ سکے۔ [۲۸]

پروفیسر سعید احمد رفیق کے الفاظ میں: [۲۹]

بحیثیت استاد وہ اعلیٰ شہرت کے مالک تھے۔ ان کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے اور ان کے تمام شاگرد ان کی تعریف میں ہمیشہ رطب اللسان رہے ہیں۔ منتظم کی حیثیت سے بھی ان کی ہمیشہ تعریف کی جاتی رہی ہے۔ وہ دوستوں کے دوست تھے اور دشمن کسی کے نہ تھے۔ نرمی ان کی طبیعت کا خاصہ تھی۔ زندگی کے ہر شعبہ میں وہ نرم رو تھے۔ ادب میں وہ ترقی پسندی کے قائل تھے لیکن اعتدال کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔

پروفیسر انور رومان کی رائے میں:

خلیل صاحب بہت مزے کے آدمی تھے۔ دوست دار، ملنسار، منکسر المزاج، بے حد متواضع، آپ آہستہ چلتے یا تیز وہ آپ کا ساتھ دیتے، سکھ میں دو چار منٹ لیٹ بھی ہو جاتے (اکثر پان کی وجہ سے) لیکن دکھ میں بالکل شانہ بشانہ، قدم بقدم ساتھ رہتے، اپنا مفاد ہوتا تو بھی ساتھ کے مفاد کا ضرور سوچتے، اجتماعی جدوجہد ہوتی تو سب کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے، گھومتے پھرتے! بے حد حوصلہ منداور صاحب تدبیر! کوشش کی نہ کوئی حد تھی اور نہ اس پر کسی قسم کی کوئی قدغن! ایک تدبیر کام نہ آتی تو دوسری، تیسری، چوتھی، لامتناہی! ان کے ذہن وقلب کا ترکش کبھی خالی نہ ہوتا! بس کوشش کیے جاؤ، محنت کیے جاؤ، محبت کیے جاؤ، خدمت کیے جاؤ، دوستی کیے جاؤ، یہ سب آج نہیں تو کل، کل نہیں تو کبھی نہ کبھی اپنا میٹھا پھل ضرور دیتی ہیں!

پروفیسر خلیل صدیقی صاحب نے بالخصوص بلوچستان اور بالعموم پاکستان کی علمی و ادبی سرگرمیوں میں نمایاں حصہ لیا۔ وہ قلم قبیلہ ادبی ٹرسٹ کوئٹہ کے ایک عرصہ تک وائس چیئر مین رہے۔ آپ کی متعدد کتابیں (جیسے زبان کا مطالعہ، مستونگ ۱۹۶۱ء زبان کا ارتقا، کوئٹہ، ۱۹۷۷ء، زبان کیا ہے، ملتان ۱۹۸۹ء، لسانی مباحث، کوئٹہ ۱۹۹۱ء، آواز شناسی، ملتان، ۱۹۹۳ء) شائع ہو چکی ہیں اور بعض اشاعت کی منتظر ہیں۔

علامہ اقبال کے بارے میں انھوں نے منظوم اظہار کیا اور متعدد بار ان کے افکار کے بارے میں تقریریں کیں۔ پروفیسر صاحب موصوف کی شستہ اور دل پذیر تقریروں کا اسلوب منفرد تھا۔ ایسا محسوس ہوتا کہ موقع ومحل کے مطابق الفاظ ان کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ ان کی چند منظومات ملاحظہ کیجیے:

اقبال

جس کی آوازوں سے لذت گیر اب تک گوش ہے
''وہ جرس اب کیا ہمیشہ کے لیے خاموش ہے''
جس کی تابانی تھی خضر راہ دنیا کے لیے
وہ ستارہ کس اُفق پر ہے، کہاں روپوش ہے
جس نے سوز آرزو سے روح کو گرما دیا
وہ مجدد اعظم شعر و سخن خاموش ہے

ہائے اے مشرق ترا اقبال تجھ سے چھن گیا
کیا متاع زندگی کٹنے کا تجھ کو ہوش ہے
منتظر ہے ایشیا کی روح اب کس بات کی
''محرم راز درون میکدہ'' خاموش ہے
آہ اے چشم بصیرت خون کے آنسو بہا
آخری مومن غلام آباد کا خاموش ہے
ہے خموش اب ساز بیداری فضا میں گونج کر
چھائی ہے افسردگی سی امت مرحوم پر

O

ایک عرفاں جو قلندر، قوم کا درد آشنا
اک کلیم طور معنی زندگی کا رہ نما
اک حکیم نکتہ داں، نباض مشرق فلسفی
اک مفکر، شاعر فطرت، حقیقت آشنا
اک مجدد، ترجمان سوز و ساز زندگی
جس نے مردہ سے رگوں میں بجلیوں کو بھر دیا
عقل کی باریکیاں ہیں عشق میں جس کے نہاں
جس نے اسرار خودی کو آشکارا کر دیا
خاکیوں کو جس نے بخشیں عرشیوں کی عظمتیں
کر دیا خاشاک کو بھی جس نے طوفاں آزما
ضرب کاری سے تمدن کے بتوں کو توڑ کر
اک مجاہد رزم گاہ خیر و شر کا چل بسا
کارواں کو جو بڑھائے وہ حدی خواں اب کہاں!
ظلمتوں پر جو اُمڈ آئے وہ طوفاں اب کہاں!

O

عصر نو کے اہرمن سے آہ ٹکرائے گا کون!
زندگی کی ظلمتوں میں راہ دکھلائے گا کون!

کون گائے گا ترانے عظمت رفتہ کے اب
اک سراپا درد بن کے دل کو تڑپائے گا کون!
ظلمت یاس و الم میں، بے بسی کے وقت پر
حسرتوں کو شمع امید آہ دکھلائے گا کون!
کون مجبوروں کو دے گا قسمتوں کی باگ دوڑ
اب غلاموں کو خودی کا راز بتلائے گا کون!
مستی افکار کو پھر دے کے احساس عمل
مستی گفتار پر اب طنز فرمائے گا کون!
ملت بیضا کو مغرب سے بچانے کے لیے
اب حجازی کیف ہندی خم سے چھلکائے گا کون!
گرمی محفل گئی، شمع تجلی بجھ گئی
تھا پیام زندگی جس میں وہ رونق اُٹھ گئی

O

اے مجدد! پھر سنا دے کوس بیداری وہی
امت مرحوم کی ہے سست رفتاری وہی
جسم مشرق پر ابھی ہیں مغربیت کے جذام
عصر حاضر کے خداؤں کی ہے عیاری وہی
دفن ہیں ویرانہ دل میں ہماری غیرتیں
آج بھی ہے جراتوں کی سرد بازاری وہی
موت سے نظریں ملا کر مسکرانا اب کہاں
ہے ابھی مرمر کے جینے کی طلب گاری وہی
کربلا تو ہے مگر شبیر اب کوئی نہیں
...... وہی، باطل کی عیاری وہی (ندا)
ہے وہی باطل کی عیاری وہی
خرمن انسانیت میں پھر بھڑک اُٹھی ہے آگ
ہے فضا میں سانس لینے کی بھی دشواری وہی

''آگ ہے اولادِ ابراہیم ہے نمرود ہے''
''کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے''

خورشید احمد

جناب خورشید احمد نے محکمہ تعلیم بلوچستان میں گذشتہ ۳۲ برس تک درس و تدریس کے فرائض سرانجام دیے۔ ملازمت کے سلسلے میں بلوچستان کے پورے عرض وبلد کی دشت نوردی کی۔ آپ ژوب، پشین، گلستان، دالبندین، پسنی، خضدار اور اوستہ محمد میں تعینات رہے۔ گورنمنٹ ایلیمنٹری کالج برائے اساتذہ کوئٹہ سے بحیثیت پرنسپل ریٹائر ہوئے۔

آپ نے علامہ اقبال کے اُردو اور فارسی کلام کا مطالعہ دقت نظر سے کیا ہے۔ آپ تحریر و تقریر کا خداداد ملکہ رکھتے ہیں۔ علامہ اقبال کے خیالات وافکار کو بڑی خوبصورتی سے پیش کر کے حاضرین محفل سے داد لیے بغیر نہیں رہتے۔

بلوچستان میں ان جیسے اساتذہ کا وجود نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ تھا۔

ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی

آپ مئی ۱۹۳۱ء میں محکمہ تعلیم بلوچستان سے بحیثیت سینئر انگلش ٹیچر منسلک ہوئے۔ آپ کو شروع ہی سے علامہ اقبال کے کلام سے گہری دلچسپی تھی۔ اس لیے آپ جس تعلیمی درسگاہ میں رہے وہاں ان کے کلام کا پرچار کرتے پھرتے۔ چودھری عطا محمد مرحوم جو خود بھی محکمہ تعلیم بلوچستان سے منسلک تھے اور ناظم تعلیمات کے عہدہ تک پہنچے اور شعبہ تعلیم میں ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں، اکثر کہا کرتے تھے کہ خواجہ عبدالحمید عرفانی ''فنافی الاقبال[۳۰]'' ہیں اور اس طرح اقبال کے کلام سے لگاؤ پیدا کرتے ہیں کہ استاد ہوں یا شاگرد بھی اقبال کے کلام کا اشتیاق سے مطالعہ کرنے لگتے ہیں'' یہ بہت بڑی خوبی ہے۔

آپ نے یہیں رہتے ہوئے انگریزی اور فارسی میں ایم-اے پاس کیا تھا۔ ۱۹۴۳ء میں گورنمنٹ سنڈیمن ہائر سیکنڈری سکول (انٹر کالج) کوئٹہ میں تبدیل ہوئے۔ معاصر ''اسبان''[۳۱] لکھتا ہے:

بزم ادب کا ایک مخصوص مشاعرہ

کوئٹہ ۲۲ مئی، کل شام ساڑھے چھ بجے ملک محمد صادق شاذ کے دولت کدے پر بزم ادب کی ایک مخصوص مجلس شعر وسخن منعقد ہوئی۔ خان بہادر قاضی حفیظ الدین افسر جنگلات نے صدارت

فرمائی۔ مولانا وقار انبالوی ایڈیٹر احسان، محترمہ بیگم صاحبہ وقار، مولانا غلام فرید، نثار احمد محشر، راجپال صحرائی، خواجہ عبدالحمید عرفانی، غلام محمد جمیل اور دوسرے شعرا نے شرکت کی۔ خواجہ عبدالحمید عرفانی نے اپنے نئے رنگ کا کلام سنایا۔ وقار صاحب کی ایک رزمیہ نظم پڑھی گئی۔ محترمہ بیگم صاحبہ وقار نے اپنی غزل سنائی جو سلاست، نزاکت اور نسوانی جذبات لیے ہوئے تھی۔ ایسے لطیف جذبات کا اظہار عورت ہی کرسکتی ہے۔ مولانا غلام فرید مبلغ اسلام نے اپنا کلام[۳۲] سنایا اور کوئٹہ کو پہلی دفعہ معلوم ہوا کہ مولانا مبلغ ہونے کے علاوہ شاعر بھی ہیں۔

بعدازاں خواجہ عبدالحمید عرفانی نے مشاعرے پر تنقیدی نظر ڈالی اور نہایت قابلیت سے آج کی غزلوں اور نظموں پر تبصرہ کیا۔ بزم ادب کی خوش نصیبی ہے کہ خواجہ عبدالحمید عرفانی پشین سے یہاں آگئے ہیں۔

خواجہ عبدالحمید عرفانی لکھتے ہیں کہ:[۳۳]

> پہلی مرتبہ ۱۹۴۳ء میں کوئٹہ میں مقیم ایران کے قونصل آقای باقر وارستہ نے گورنمنٹ سنڈیمن ہائرسیکنڈری سکول (انٹر کالج) کوئٹہ کے وسیع ہال میں اقبال کی ایران دوستی کے موضوع پر مقالہ پڑھا۔ صدر شعبہ فارسی پنجاب یونی ورسٹی پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر سے ملاقات کی اور ایران میں اقبال کی ترویج اور برصغیر ہند میں بالاخص کوئٹہ میں فارسی کی مقبولیت اور جدید فارسی سے شناسائی کے متعلق تبادلہ خیال کیا۔ فارسی کی مقبولیت میں علامہ اقبال کی اہمیت پر ایران کی حکومت کو مفصل نوٹ لکھا[۳۴] (خاکسار راقم نے قونصل کی رپورٹ کے لیے مناسب مواد مہیا کیا۔ ضمناً ذکر کروں کہ ایرانی قونصل اور نائب قونصل مجھ سے انگریزی پڑھتے اور ٹینس سیکھتے تھے۔)

اسی زمانے میں علامہ اقبال کے دوست اور مربی سر عبدالقادر،[۳۵] ان کے فرزند ریاض قادر (جو انگریزی زبان میں شعر کہتے تھے) اور مشہور نومسلم کے۔ ایل گابا (جن کا اسلامی نام خالد لطیف گابا تھا) کوئٹہ میں موجود تھے۔ ان حضرات کے اعزاز میں گورنمنٹ سنڈیمن ہائرسیکنڈری سکول (انٹر کالج) کوئٹہ کے پرنسپل فیض محمد خان ایم ایس سی، ایل ایل بی (آپ کا تعلق صوبہ سرحد سے تھا۔ انھوں نے بیشتر تعلیم گورنمنٹ سکول پشاور اور علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے حاصل کی تھی۔ وہ پشتو، اُردو، فارسی اور بلوچی بول سکتے تھے۔ اپنے زمانے کے بہترین اتھلیٹ اور فٹ بالر رہ چکے تھے۔ انھیں شخصاً علامہ اقبال سے عقیدت تھی) نے اپنے گھر کے وسیع لان[۳۶] میں ڈنر کا اہتمام کیا۔ بقول خواجہ عبدالحمید عرفانی ایسے سکالر حضرات کی کوئٹہ میں موجودگی سے ''بزم اقبال'' کوئٹہ کو خاص اعزاز حاصل ہوا۔

۱۹۴۵ء[۳۷] میں خواجہ عرفانی کو حکومت ہند برٹش قونصلیٹ جنرل مشہد میں معلم زبان انگریزی اور ہند کے کلچرل نمائندہ کی اسامی پر متعین کردیا۔ چنانچہ مئی ۱۹۴۵ء میں آپ نے انگریزی زبان کی تدریس اور ایرانیوں سے ادبی روابط کا آغاز کردیا۔ اس سلسلے میں آقای باقر وارستہ کا پرائیویٹ خط آقای منصور الملک سے متعارف کرانے میں مددگار ثابت ہوا اور باہمی خلوص کی فضا پیدا ہونے لگی۔ آپ نے بزم اقبال، کی تشکیل کی۔ برٹش قونصل جنرل مشہد مسٹر سکرین اور لیڈی سکرین نے تعاون کیا۔ کیونکہ عرفانی صاحب کا یہ اقدام دہلی سے شائع ہونے والے فارسی مجلّات ونشریات سے ہم آہنگ تھا۔

خواجہ عرفانی کے شاگردوں میں انگریزوں کے مخالف وموافق سبھی طبقات کے اشخاص شامل تھے۔ حزب تودہ کے بعض برجستہ ممبر آپ سے قریب تر ہونے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کو اقبال کا پیام مشرق سوشلسٹ تحریک کا علم بردار نظر آتا تھا۔ تہران میں انجمن ایران و ہند قائم ہو چکی تھی اور مشہد میں اقبال کے کلام کے ذریعے بزم اقبال کے زیر اہتمام ایرانیوں کی انا کو از سر نو تعمیر کرنے کی کوشش کی گئی۔ اقبال کا مصرع

آتشی در سینہ دارم از نیاگان شما

ہر مکتب فکر کے ایرانی کی زبان پر تھا۔

انھی دنوں کا ایک واقعہ عرفانی صاحب نے قلم بند کیا ہے جس کا دوررس اثر ہوا۔ میجر سید محمد حسن (زمانہ جنگ میں ایران میں مشغول خدمت تھے، قیام پاکستان کے بعد کئی سال پاکستان کے سفیر رہے) اپنے سرکاری دورے پر مشہد آئے اور سید موصوف جو علامہ اقبال کے خاص عقیدت مندوں میں سے ہیں، خواجہ عبدالحمید عرفانی کے گھر پر منعقدہ بزم اقبال کے جلسہ میں شامل ہوگئے اور نہایت رواں فارسی میں اقبال کی فارسی دوستی پر اظہار خیال کیا۔ جس کا سامعین پر گہرا اثر پڑا۔ سید کی تقریر ہندوستان میں فارسی کی مقبولیت کا ایک مزید زندہ ثبوت تھی۔

خواجہ عبدالحمید عرفانی نے ایران جانے سے قبل کوئٹہ میں اپنے ایرانی شاگردوں سے تھوڑی بہت متداول فارسی سیکھ لی تھی۔ مشہد پہنچنے پر آپ نے فارسی بولنے کے علاوہ متداول فارسی لکھنے کی مشق شروع کردی اور یہی فارسی بولنا اور لکھنا قیام پاکستان کے بعد سالہا سال کے مخالف پاکستان پراپیگنڈہ کے اثر کو زائل کرنے میں قوی ترین اور سریع الاثر حربہ ثابت ہوا۔ جس کا ذکر خواجہ عرفانی نے اپنی متعدد تحریروں اور تقریروں میں کیا ہے۔

مئی ۱۹۴۷ء میں حسب الامر برٹش قونصلیٹ جنرل خواجہ عبدالحمید عرفانی نے پہلے وزارت خارجہ ہند کے مرکزی دفتر میں رپورٹ کی پھر وزارت تعلیم سے ہوتے ہوئے گورنمنٹ سنڈیمن ہائرسیکنڈری سکول (انٹر کالج) کوئٹہ میں وائس پرنسپل کی اسامی پر واپس آ گئے۔

قریباً دو سال بعد خواجہ عبدالحمید عرفانی کو ایران میں پاکستان کا پہلا پریس اتاشی تعینات کیا گیا۔ معمول کے مطابق آپ کو تین ماہ پبلسٹی وغیرہ کی ٹریننگ اور دیگر ضروری ہدایات لینے کے بعد تہران پہنچنا تھا لیکن صورت حال کی نزاکت کے پیش نظر آپ کو تہران پہنچا دیا گیا۔

خواجہ عبدالحمید عرفانی جانتے تھے کہ دس گیارہ سال سے تحریک پاکستان، راہبران پاکستان اور مملکت پاکستان کے خلاف اسلامی ممالک خاص طور پر ایران میں ہر ممکن زاویہ نگاہ سے پراپیگنڈہ ہوتا رہا ہے۔ ڈھیروں کتابیں اور کتابچے شائع ہو چکے ہیں اور مسلسل ہفتگی اور یومیہ تصویر دار نشریے سفارت ہند کی طرف سے شائع ہو رہے ہیں۔ گاندھی کو اولیا اللہ کا مرتبہ حاصل ہے اور مسلمان رہبروں کو امپیریلزم کا آلہ کار اور سفارت پاکستان کو مغربی استعمار کے لیے جاسوسی کا ادارہ تک کہنے سے دریغ نہیں کیا جاتا۔ اس صورت حال میں مخالفین کے صدہا، ہزارہا مقالات ونشریات کا جواب ممکن نہ تھا۔

خواجہ عبدالحمید عرفانی نے بغیر ایک لحہ انتظار کیے برجستہ علمی، ادبی اور اخباری شخصیتوں سے بالمشافہ گفتگو کا آغاز کر دیا اور اجادہ صد سالہ منٹوں اور گھنٹوں میں، دنوں اور ہفتوں میں طے ہونے لگا۔

آپ نے مذہبی اور دینی علما و مجالس میں سامعین کو یاد دلایا کہ برصغیر کے دس کروڑ مسلمان ایرانی مبلغین اسلام کے مدیون ہیں۔ آپ نے علامہ اقبال کے کلام سے نعت، مناجات اور تجلیل اہل بیت سے لے کر پیام مشرق کے انقلابی پیغام پر مشتمل اشعار، موقع اور محل کی نسبت سے پیش کیے۔ لیکن اقبال کو ایک مسلمان شاعر پیش کرنے سے پہلے آزادی ہند کی تحریک میں گاندھی کے پیشرو ہندو مسلم اتحاد کے علم بردار کی حیثیت سے تصویر درد اور نیا شوالہ کے حوالے سے متعارف کرایا۔ ایران میں ایسا کرنا نہایت ضروری تھا۔ ورنہ ایرانی ہماری بات سننے کو تیار نہ تھے۔ اس کے بعد اقبال کو بزرگان ادب وعرفان ایران کا مرید اور ان بزرگوں (خاص کر رومی و سعدی و حافظ کے حوالے سے) کی مغربی مفکرین وغیرہ پر برتری کا مبلغ اور ایران کے درخشاں مستقبل کی نوید دینے والا ثابت کیا۔ علاوہ ازیں خواجہ عرفانی ایران کے متعدد مبلغین اور مجاہدین اسلام کا ذکر کرتے جو برصغیر میں وارد ہوئے تھے۔ پھر بتاتے کہ ان کے مذہبی، ثقافتی، لسانی اور

ادبی ورثہ کی حفاظت اور تجدید و ترقی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک درویش صفت، مشرق و مغرب کے گذشتہ اور حال سے آگاہ عارف شاعر محمد اقبال کو مبعوث کیا۔

افراد ہوتے یا ادبی و مذہبی مجالس ہوتیں خواجہ عرفانی بالمشافہ گفتگو کرتے، تبادلہ افکار ہوتا اور نا قابل تردید حقائق سامنے آتے۔ یوں برصغیر میں اکثریتی قوم کے کردار کو مختلف انداز سے واضح کر کے غلط فہمیوں پر تعمیر شدہ پراپیگنڈہ متزلزل ہونے لگا۔ یہ سب تائید ایزدی سے تھا۔ خواجہ عبدالحمید عرفانی کے ایک دیرینہ دوست ملک اسلم نے بی بی سی میں اپنے ایرانی رفیق کار مجتبیٰ مینوی سے اقبال لاہوری لکھوائی۔ ناشر حبیب یغمائی خواجہ عرفانی کے پاس آیا اور بتایا کہ ایران میں ایک کاپی بھی فروخت نہیں ہوئی۔ حتیٰ کہ سفارت نے بھی نہیں خریدی۔ ایک ڈیڑھ سو کاپیاں مفت ہدیہ کی ہیں۔ ایک تبصرہ بھی نہیں چھپا۔ خواجہ عرفانی کی مالی حالت...... آپ نے تمام کاپیاں خرید لیں اور تقسیم کر دیں۔ آپ کا مقصد اور فریضہ علامہ کی شعر و شاعری اور شخصیت سے بالاتر پاکستان کی تبلیغ تھی اور پاکستان کے لیے ایرانیوں کی حمایت حاصل کرنا تھا۔ آپ نے ہر نقطہ نظر رکھنے والے کے لیے اس کے مطابق کلام اقبال کے جستہ جستہ حصے پیش کیے اور یوں پاکستان کو ایرانی پریس، ریڈیو اور تعلیمی اداروں کی حمایت حاصل ہوگئی۔

جون ۱۹۵۰ء میں وزارت اطلاعات حکومت پاکستان نے جب خواجہ عرفانی کو دو ماہ کے لیے مطالعاتی دورے پر بلایا تو شیخ محمد اکرم جائنٹ سیکرٹری اور جی احمد سیکرٹری نے ملک الشعرا بہار کی حمایت حاصل کر لینے پر خواجہ صاحب کو بار بار مبارک باد کا مستحق قرار دیا۔

۱۹۵۶ء میں ایران کے معروف سکالر علامہ استاد سعید نفیسی اقبال اکادمی کراچی کی دعوت پر پاکستان تشریف لائے تو انھوں نے گورنمنٹ کالج کوئٹہ کے ہال میں کہا کہ کراچی سے پشاور اور کوئٹہ تک میرا ہر جگہ نہایت پر محبت استقبال ہوا ہے۔ لیکن جس شور و شغف اور خلوص اور حرارت سے میرا استقبال کوئٹہ ریلوے اسٹیشن سے لے کر تعلیمی اداروں خاص طور پر اس کالج میں کیا گیا اس کی مثال میری زندگی میں نہیں ملتی۔ عرفانی نے پاکستان اقبال کی ایران دوستی اور زبان فارسی کی مقبولیت کا جو تصور پیش کیا تھا حقیقت اس سے دل پذیر تر اور میرے لیے افتخار کا باعث ہے۔ ڈائریکٹر تعلیم محمد سرور خان نے مجھے بتایا ہے کہ میرے رفیق سفر اور مترجم خواجہ عبدالحمید عرفانی کا تعلق خاک بلوچستان سے ہے اور سالہا سال اسی کالج میں جہاں آپ تشریف فرما ہیں۔ تدریس کے فرائض انجام دیتا رہا ہے محمد سرور خاں نے فارسی زبان میں کہا کہ بلوچستان اور اس کے سب

سے اعلیٰ تعلیمی ادارے کو فخر ہے کہ ہمارے محکمہ تعلیم کے ایک رفیق کار کو یہ تاریخی افتخار اور سعادت حاصل ہوئی ہے کہ بقول آپ کے ایران اور پاکستان کے درمیان سے سرحدی خط محو ہو گیا ہے۔

خواجہ عرفانی کو پنجاب یونی ورسٹی نے شرح احوال و آثار ملك الشعرا بہار پر رسالہ لکھنے پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی تھی۔ ڈاکٹر عرفانی کا یہ رسالہ فارسی جب تہران میں شائع ہوا تو اپنے سال کا Best Seller (بہترین فروخت ہونے والی کتاب) ثابت ہوا۔

ڈاکٹر عرفانی کی ایک درجن[۴۸] سے زائد کتابیں تہران اور کراچی سے شائع ہوئی ہیں اور پاکستان اور ایران کے تحکیم روابط کا باعث بنی ہیں۔ عرفانی پہلا شخص ہے جسے حکومت ایران نے بزرگ ترین اعزازات سے نوازا ہے اور حکومت پاکستان نے بھی خطاب دے کر اس کی قدر افزائی کی ہے۔ بقول پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر: ''عرفانی کی صحیح خدمات کا اندازہ مستقبل کا مورخ لگا سکے گا جو بالتفصیل اس بات کا جائزہ لے گا کہ اگر عرفانی ایران نہ پہنچتا تو پاکستان اور اقبال کی صحیح قدر و قیمت کا احساس ایران میں پیدا کرنا کیسے ممکن تھا۔''

متعدد ایرانی شعر و ادبا نے ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی کی خدمات کو سراہا ہے۔ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان راولپنڈی نے چند سال پہلے پاکستان کے فارسی گو شعرا کا ایک تذکرہ شائع کیا ہے جو گرامی سے عرفانی تک کے شعرا کے احوال و آثار پر مبنی ہے۔ فاضل تذکرہ نویس نے پاکستان کی فارسی شاعری کے میدان میں عرفانی کو سنگ میل کے طور پر استعمال کیا ہے اور حقیقت میں عرفانی اس اعزاز کا مستحق ہے۔ گرامی جیسے بلند پایہ شاعر کی شہرت ابھی تک ایران میں کماحقہ، نہیں پہنچی۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر کے الفاظ میں: ''ایران نے عصر حاضر میں صرف دو شعرا کو پہچانا ہے۔ ایک حضرت علامہ اقبال اور دوسرے عرفانی'' یہی وجہ ہے کہ ایران کے صدیوں میں پیدا ہونے والے برجستہ ترین شعرا کے سرخیل اور معاصر بزرگ ملک الشعرا بہار نے حضرت علامہ اقبال کے متعلق فرمایا:

عصر حاضر خاصہ اقبال گشت
واحدی کز صد ہزاراں برگزشت

اور پھر ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی کے بارے میں کہا۔

دوش آمد پی عیادت من
ملکی در لباس انسانی

گفتمش چیست نام پاک تو گفت
خواجہ عبدالحمید عرفانی

بلوچستان میں اقبال[۳۹] شناسی کی روایت قائم کرنے والے پاکستان کے پہلے پریس اتاشی پھر کلچرل اتاشی جنھوں نے یہ روایت علامہ اقبال کے حوالے سے سرتاسر ایران پہنچائی۔ ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی ہیں جن پر سرزمین بلوچستان بھی فخر کرتی ہے۔

اقبال کو ایران میں روشناس کرانے میں جو خدمت ڈاکٹر عرفانی نے انجام دی ہے۔ اس کے متعلق ایران کے مشہور عالم اور ادیب ڈاکٹر رضا زادہ شفق کی نظم کا ایک بند یہ ہے۔[۴۰]

آنکہ اقدام مقبلان کردہ
شعر اقبال رابیان کردہ
دفتر خویش از گل عرفان
پاک محود گلستان کردہ
مسلک عارفان ایران را
بہر پیر و جوان عیان کردہ
شاعر دل نشین پاکستان
پیش صاحب دلاں نشان کردہ
گر پرسی زنام او کہ چنین
کار نیکی درین زمان کردہ
من نمی گویمت تو خود دانی
خواجہ عبدالحمید عرفانی

اور خانم ڈاکٹر کاظمی رومی عصر کے مقدمہ میں فرماتی ہیں:

تو ز کشمیر و خاک پاکستان
ارمغانی برای ایرانی

امان اللہ، ریسرچ سکالر نے ''خواجہ عبدالحمید عرفانی بحیثیت اقبال شناس'' پر ایم فل اقبالیات کے لیے زیرنگرانی ڈاکٹر محمد ریاض/ ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی مقالہ تحریر کر کے شعبہ اقبالیات، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد کو پیش کیا اور کامیابی حاصل کی۔

اس کا سال تکمیل ۱۹۹۵ء ہے اور یہ ۲۶۸ صفحات پر مبنی ہے۔حرف آغاز کے علاوہ مقالہ پانچ ابواب (۱۔شرح احوال ۲۔تصنیفات و تالیفات عرفانی ۳۔عرفانی بطور شاعر و نثر نگار ۴۔عرفانی بحیثیت اقبال شناس و مترجم اقبال ۵۔حاصل بحث) پر مشتمل ہے۔

ڈاکٹر انعام الحق کوثر

محمد انعام الحق کوثر[۱۲] (قلمی نام انعام الحق کوثر) خلف الرشید میاں محمد مقبول ۱۹۳۱ء میں ضلع جالندھر (مشرقی پنجاب) کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔علمی و ادبی گھرانے سے تعلق ہے۔قیام پاکستان کے بعد کوئٹہ میں رہائش اختیار کی۔کوئٹہ میں بیٹھ کر پی ایچ ڈی کے لیے تحقیقی کام کیا اور ۱۹۶۳ء میں ڈگری حاصل کی۔محکمہ تعلیم سے تعلق ہے۔ساٹھ سو سے زائد کتابیں چھپ چکی ہیں۔ دسمبر ۱۹۸۴ء میں آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک بلوچستان میں پر صدارتی ایوارڈ ملا۔پیشتر ازیں آپ نے بلوچستان میں اُردو پر ۱۹۷۰ء میں ''رائٹرز گلڈ'' پرائز حاصل کیا تھا جوئے کوثر، مرد حر اور نیکی کی کلیاں پر بھی انعامات ملے ہیں۔

فارسی اور انگریزی کے علاوہ اُردو میں تین سو سے زائد مضامین شائع ہو چکے ہیں۔بلوچی، براہوئی اور پشتو میں ترجمے چھپتے ہیں۔قومی اور بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کرتے رہتے ہیں۔بین الاقوامی ادبا کی ڈائری (مطبوعہ انگلینڈ اور امریکہ) میں بھی ان کا ذکر موجود ہے۔ زمانہ طالب علمی سے لے کر اب تک متعدد علمی و ادبی انجمنوں سے آپ کا تعلق رہا ہے۔

انعام الحق نے پہلا مضمون بعنوان ''مجدد عصر (ڈاکٹر) علامہ اقبال''[۱۳] ۱۹۴۵ء میں لکھا تھا جوان کی ڈائری (۱۹۴۲ء تا ۱۹۴۸ء) میں مندرج ہے۔

انعام الحق کوثر نے ۵۴-۱۹۵۳ء میں علامہ اقبال سے متعلق کل پاکستان مضامین کے مقابلے میں اقبال اکادمی، کراچی (اب لاہور) سے پہلا انعام حاصل کیا تھا۔عنوان تھا، اقبال اور قومیت......

علامہ اقبال سے متعلق آپ کے متعدد مضامین چھپے ہیں جیسے

اقبال اور قومیت: سہ ماہی، اقبال، لاہور، اکتوبر ۱۹۵۸ء

اقبال کا ذہنی ارتقا، بانگ درا کی روشنی میں، روزنامہ امروز، لاہور، ۸/اکتوبر ۱۹۶۱ء، ۱۹/نومبر ۱۹۶۱ء، ۳/دسمبر ۱۹۶۱ء

علامہ اقبال کا نظریہ اجتہاد: ہفت روزہ کوہسار، کوئٹہ، ۲۵/اپریل ۱۹۶۳ء

علامہ اقبال کا نظریہ ارتقا، ہفت روزہ کوہسار، کوئٹہ، ۲۵/اپریل ۱۹۶۳ء

علامہ اقبال کا ذہنی ارتقا، سہ ماہی الزبیر، بہاول پور، مئی ۱۹۶۳ء

علامہ اقبال اور مرد کہستانی (ترجمہ)، ماہنامہ اولس، (بلوچی) کوئٹہ، اپریل ۱۹۶۶ء

علامہ اقبال اور مردِ خود آگاہ (ترجمہ) ماہنامہ اولس (پشتو) کوئٹہ اپریل ۱۹۷۰ء

مردِ حر (ترجمہ)، ماہنامہ اولس (پشتو) کوئٹہ، جولائی ۱۹۷۲ء

اقبال مرد مومن (ترجمہ) نیم ماھی زمانہ، بلوچی کراچی، اپریل ۱۹۷۱ء

اقبال، مرد خود آگاہ، سال نامہ رگ سنگ، گورنمنٹ کالج لورالائی، دسمبر ۱۹۷۴ء

اقبال ءِ توار (ترجمہ) ماہنامہ اولس (بلوچی)، کوئٹہ، اپریل ۱۹۷۶ء

علامہ اقبال اور بلوچستان، روزنامہ امروز، لاہور، ۶ر نومبر ۱۹۷۷ء

اقبال اور بلوچستان، خصوصی شمارہ، ثانوی تعلیم، لاہور، دسمبر ۱۹۷۷ء

تفہیم اقبال-اقبال اور عصبیت، خیابان دانائے راز، شعبہ اُردو پشاور یونی ورسٹی، دانائے راز نمبر، شمارہ ۹ر اکتوبر ۱۹۷۷ء

علامہ اقبال بعنوان بزرگ ترین مبلغ خودی، یاد نامہ اقبال، لاہور ۱۹۷۸ء

۱۹۷۷ء کی مناسبت سے ڈاکٹر انعام الحق کوثر کے تین مختلف مقالوں کے ترجمے پشتو، بلوچی اور براہوئی میں شائع ہوئے۔

علامہ اقبال اور تحریک پاکستان، ماہنامہ ماہ نو، لاہور، اپریل ۱۹۷۸ء

اقبال کا نظریہ قومیت، ماہنامہ اوقاف، اسلام آباد، جولائی ۱۹۷۸ء

اقبال کا شاہین اور آج کا طالب علم، ماہنامہ اظہار، کراچی، مارچ، اپریل ۱۹۸۱ء

اقبال کا نظریہ اجتہاد، پاک جمہوریت، لاہور، ۲۱ر اپریل تا ۶ مئی ۱۹۷۹ء

اقبال، مرد خود آگاہ، پاک جمہوریت، لاہور، یکم تا ۱۵ر نومبر ۱۹۷۹ء

علامہ اقبال اور تحریک پاکستان، جنگ، نعرہ حق، زمانہ، کوئٹہ، ۹ر نومبر ۱۹۸۲ء

اقبال کا مرد حر، ماہنامہ ماہ نو، لاہور، نومبر ۱۹۸۲ء

خودی اور شیخ سعدی، (علامہ اقبال کی خودی کا بھی ذکر) مقالات خودی، ہمدرد فاؤنڈیشن کراچی، ۱۹۸۲ء

علامہ اقبال اور بلوچستان، روزنامہ میزان، کوئٹہ، ۲۳ر جنوری ۱۹۸۳ء

علامہ اقبال اور بلوچستان، مقالات جلد اول، اقبال دوسری بین الاقوامی کانگرس، جامعہ

پنجاب لاہور، ۹-۱۱ر نومبر ۱۹۸۳ء
اقبال کا شاہین اور آج کا طالب علم، ماہنامہ آموزش، کوئٹہ، جنوری ۱۹۸۵ء
اقبال اور تحریک پاکستان، برگ گل، (اقبال نمبر) میگزین گورنمنٹ ڈگری کالج سمندری (ضلع فیصل آباد) لاہور، ۱۹۸۷ء
مذاکرہ متعلق بہ علامہ اقبال......سوالنامہ، برگ گل (اقبال نمبر) میگزین گورنمنٹ ڈگری کالج سمندری (ضلع فیصل آباد) لاہور، ۱۹۸۷ء
نسل نو اور اقبال کا شاہین، ماہنامہ زینہ، کوئٹہ، نومبر ر ۱۹۸۷ء
علامہ اقبال و شہید دکتر علی شریعتی، صریر بولان، کوئٹہ، بہار ۱۹۹۲ء
علامہ اقبال اور تیسری دنیا، ماہنامہ ماہ نو، لاہور، اپریل ۱۹۹۳ء
بلوچستان میں مطالعہ اقبال کی تحریک، سہ ماہی اقبال، حصہ اول، لاہور، اکتوبر ۱۹۹۵ء
بلوچستان میں مطالعہ اقبال کی تحریک، سہ ماہی اقبال، حصہ دوم، لاہور، اپریل ۱۹۹۶ء

۱۹۷۷ء میں علامہ اقبال کی یوم پیدائش کی صد سالہ تقریبات کی مناسبت سے ''مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد'' نے جو کتب شائع کیں اور جن کا انتساب حضرت علامہ کے نام کیا گیا۔ ان میں ایک کتاب شعر فارسی در بلوچستان از دکتر انعام الحق کوثر تھی۔

دسمبر ۱۹۷۷ء میں گورنمنٹ ڈگری کالج لورالائی کے میگزین رگ سنگ کا خصوصی شمارہ قائداعظم و اقبال، چار زبانوں (اُردو، انگریزی، فارسی، پشتو) میں شائع ہوا۔ جس کے سرپرست تھے: ڈاکٹر انعام الحق کوثر، پرنسپل اور مدیر اعلیٰ پروفیسر خورشید افروز۔

ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے اپنی کتاب اقبال، تصور قومیت اور پاکستان (لاہور، ۱۹۷۷ء) میں ڈاکٹر انعام الحق کوثر کا مقالہ ''قومیت اور اقبال'' (ص ۲۳-۴۱) شامل کیا ہے۔

ڈاکٹر انعام الحق کوثر کا بچوں کے لیے تحریر کردہ ایک سلسلہ نیکی کی کلیاں (کتاب نمبر ۱-۶) ہے۔ اس میں کتاب نمبر ۴ میں علامہ اقبال اور بچے آیا ہے۔ اب تک یہ کتابیں بالخصوص بلوچستان بھر میں اور بالعموم پاکستان کی کئی جگہوں میں ایک لاکھ کے قریب لائبریریوں اور بچوں میں تحفتہً تقسیم ہو چکی ہیں۔

۱۹۷۷ء کی مناسبت سے ڈاکٹر انعام الحق کوثر کی دوسری کتاب جوئے کوثر (مطبوعہ

بابر سٹیشنری مارٹ، لیاقت بازار کوئٹہ) تھی۔ جس کا ابتدائیہ پروفیسر انور رومان نے لکھا۔

اس پر ٹی وی (۵ ستمبر ۱۹۷۷ء)، کوئٹہ ریڈیو (۱۷ ستمبر ۱۹۷۷ء) لاہور ریڈیو (۴ اکتوبر ۱۹۷۷ء) اور لورالائی میں منعقدہ تعارفی تقریب بتاریخ ۱۰ اکتوبر ۱۹۷۷ء (زیر صدارت کرنل محمد یعقوب، مقالہ نگار حضرات محمد رمضان عامر، پروفیسر خورشید افروز، پروفیسر سید حسین احمد، سید بادشاہ، شیخ غلام صابر، منظوم تبصرہ نگار تابش نگینوی، قاضی ضمیر عالم)[42] میں تبصرے کیے گئے۔ لورالائی کی تعارفی تقریب کا اہتمام بزم ادب گورنمنٹ ڈگری کالج لورالائی اور بزم فن و ادب لورالائی نے کیا تھا۔ قاضی ضمیر عالم نے کہا۔

سب سے اعلیٰ جو سب سے اکبر
وہ خدائے بزرگ و برتر ہے
ایک بندے کی کوششوں کا صلہ
حق کا انعام ''جوئے کوثر'' ہے

ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے اپنے نشری تبصرے (لاہور ریڈیو ۴ اکتوبر ۱۹۷۷ء) میں کہا:

جوئے کوثر میں مختلف موضوعات سے متعلق مضامین ہیں۔ اگرچہ ان تمام موضوعات پر ڈاکٹر انعام الحق کوثر کے اہم مقالے زیر نظر کتاب میں شامل ہیں مگر اقبالیات کا سیکشن خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔ اس سیکشن میں چار مضمون شامل ہیں:

۱- علامہ اقبال کا ذہنی ارتقا بانگ درا کی روشنی میں
۲- اقبال مرد خود آگاہ
۳- علامہ اقبال کا نظریہ اجتہاد
۴- اقبال اور قومیت

ان چاروں مضامین میں فکر اقبال کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ علامہ اقبال کا ذہنی ارتقا بانگ درا کی روشنی میں، ایک ایسا مقالہ ہے جس میں علامہ اقبال کی نظموں پر عملی تنقید کر کے ان کے فکر کے تدریجی ارتقا کو واضح کیا گیا ہے۔

علامہ اقبال کا نظریہ اجتہاد، میں ڈاکٹر صاحب نے اس خیال کی وضاحت کی ہے کہ علامہ کے نزدیک اسلام کی ہیئت ترکیبی میں اجتہاد میں ایک ایسا عنصر ہے جو اس کے اندر حرکت اور تغیر قائم رکھتا ہے۔ اس لیے اقبال نے اجتہاد کی ضرورت پر زور دیا ہے اور جدید دور میں جو مسائل پیدا

ہوئے ہیں انھیں اجتہاد کے عمل سے حل کرنے کی ضرورت کا احساس دلایا ہے۔

''اقبال اور قومیت'' اس کتاب کا سب سے وقیع مضمون ہے۔ اس مضمون میں انھوں نے قومیت کے عمومی تصورات اور اس کے تاریخی پس منظر پر روشنی ڈال کر علامہ اقبال کے نظریہ قومیت کی تشریح و توضیح کی ہے۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے اس مسئلے کو آج کے حوالے سے بھی بیان کیا ہے۔ ان کے بقول اگر آج یا کم از کم ۱۹۴۷ء میں علامہ اقبال زندہ ہوتے تو وہ یقیناً اس آزادی کا گیت گاتے، اس ملک (پاکستان) کی محبت کے گیت گاتے اور یہی محبت وہ اپنے قارئین کے رگ و پے میں دوڑاتے کیونکہ قومیت اسلام اپنے وطن کی محبت کی نفی نہیں ہے بلکہ صرف ایک مخصوص طرزِ فکر اور زاویہ نگاہ کی ترجمان ہے!

بقول انور قاضی (تبصرہ نشر شدہ از ریڈیو پاکستان کوئٹہ ۱۷ ستمبر ۱۹۷۷ء)

ڈاکٹر انعام الحق کوثر کی تحریر میں مورخ، محقق، نقاد، ادیب اور اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو شاعر بھی موجود ہے۔ جوئے کوثر، میں معلوماتی مضمون ہیں۔ چھوٹے چھوٹے دلچسپ مضامین۔ عبارت میں رندانہ خرام اور دل کشی ہے۔ جس کے باعث کتاب کی افادیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔

علامہ اقبال سے متعلق آپ کی ایک اور کتاب مرد حر کے نام سے طبع ہوئی۔ ناشر اصغر سٹیشنرز اینڈ بک سیلرز پرنس روڈ کوئٹہ نے منظور پرنٹنگ پریس لاہور سے اپریل ۱۹۷۸ء میں چھپوائی۔ اس کے مضامین (مرد حر، مرد مومن، علامہ اقبال اور عصبیت، تعلیم علامہ اقبال کی نظر میں، تعلیم ایک تاریخی عمل کی حیثیت سے) علامہ موصوف کے افکار کی وضاحت کرتے ہیں۔ سیارہ ڈائجسٹ (لاہور، جولائی ۱۹۷۹ء ص ۱۵۹) کے تبصرہ نگار نے لکھا تھا: ''ڈاکٹر موصوف کے تحقیقی و تنقیدی مرتبے سے کسے انکار ہے۔ اس مجموعے میں انھوں نے علامہ کے افکار کو ایک نئے تناظر سے دیکھنے کی کوشش کی ہے جو منفرد بھی ہے اور خوش آئند بھی۔''

پہلی ''ڈاکٹر محمد اقبال بین الاقوامی کانگرس'' لاہور میں پنجاب یونی ورسٹی کے زیر اہتمام ۲ دسمبر تا ۷ دسمبر ۱۹۷۷ء منعقد ہوئی۔ اس میں ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے ۶ دسمبر ۱۹۷۷ء کو ایک مقالہ بعنوان ''علامہ اقبال اور تحریک پاکستان''[۴۳] پڑھا۔ اس میں وہ کہتے ہیں:

قائداعظم اس کلیے سے مستثنیٰ نہیں تھے۔ وہ علامہ اقبال کے ذہنی پیرو تھے۔ تاریخ میں پاکستان کا ذکر انھوں نے کیا۔ علامہ اقبال تین صلاحیتوں کے مالک تھے۔ وہ والٹیئر کی طرح ہمہ سوز اور روسو کی طرح جذباتی نہیں تھے۔ یہ تین صلاحیتیں ان کے خیالات کی دنیا میں ہر وقت موجود تھیں۔

۱۔ قوت تنقید ۲۔ قوت تجدید ۳۔ قوت تخلیق

ان تینوں کے جسمانی مجموعہ کا نام تھا اقبال!!

قوت تنقید ان کے وسیع مطالعہ، مشاہدہ حقائق اور ژرف نگاہی کا نتیجہ تھی۔ چنانچہ وہ موجودہ تہذیب، ہندوستانی سماج اور موجودہ مسلمانوں کے معائب کے نقاد بنے۔

ان کی قوت تجدید کا انحصار اصل میں ان کی قوت تنقید پر ہی تھا۔ کیونکہ جہاں وہ معاشرے اور معاشرتی نظام کے معائب کو دیکھتے تھے وہیں ان کے محاسن کو نظر انداز بھی نہیں کرتے تھے مثلاً وہ اگر یورپ کی تاجرانہ وظالمانہ ذہنیت اور اس کی لوٹ کھسوٹ کے سخت خلاف تھے تو دوسری طرف وہ اس کی ندرت فکر وعمل، اس کی تسخیر فطرت، اس کے ذوق حیات اور اس کی مصروفیت کے قائل بھی تھے۔ ان کے خیال میں موجودہ دور کے بعض طبقوں نے مسلمان ذہن کے دروازے بند کردیے تھے لیکن وہ تاریخ اسلامیہ کے مثبت اور تعمیری پہلوؤں پر مسلسل نظر رکھتے تھے۔ حضور پاک سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا عقیدت تو تھی ہی، خلافت راشدہ، عمر بن عبدالعزیز، ہارون الرشید، محمد بن قاسم، طارق بن زیاد، محمود غزنوی، اورنگ زیب اور ٹیپو سلطان وغیرہ سے وہ بہت متاثر تھے۔ چنانچہ وہ مسلسل اپنے قارئین کو ان ادوار گذشتہ اور ان کی روح رواں اقدار زندہ و پائندہ کی طرف کھینچتے تھے۔

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

لیکن ان کی یہ تجدید اصل میں ایک نئی تخلیق کے لیے رہنما تھی وہ اندھی تجدید کے قائل نہیں تھے بلکہ تہذیب کو رواں دواں اور ترقی پذیر سمجھتے تھے۔

جوہر میں ہو لا الٰہ تو کیا خوف
تعلیم ہو گو فرنگیانہ

وہ مستقل ایک جہان نو کا تصور اپنے ذہن میں رکھتے تھے۔

پرانے ہیں یہ ستارے زمین بھی فرسودہ
جہاں وہ چاہیے مجھ کو جو ہو ابھی نوخیز

اس نوخیز جہان کو وہ روایت ماضیہ، تقاضائے وقت اور ذوق تخلیق کے سہارے ایک مثالی جہاں بنانا چاہتے تھے۔ ان کے اسی جذبہ تخلیق کا اظہار ان کی دسمبر ۱۹۳۰ء کی الہٰ آباد کی تقریر میں ہوا تھا۔ نتیجتاً ۱۹۴۰ء میں قرارداد لاہور سامنے آئی۔ مگر خود علامہ اقبال بھی ایک ثمرہ تھے بہت سے افراد، بہت سے نظریات اور صدہا سال کی تاریخ کے...... پاکستان جس کا سیاسی ظہور قائداعظم تھے اور نظریاتی ظہور علامہ اقبال مرحوم ومغفور، درحقیقت قراردادوں اور تقریروں کا نتیجہ نہیں تھا۔ یہ تو اصل میں یہاں کے مسلمانوں کا سوز دروں تھا۔ اس کے سوتے بہت گہرے تھے اور اس کے منبع

بہت دور دراز واقع تھے۔تحریک پاکستان صدہا سال کے کروڑوں انسانوں کی امنگ تھی اور اسی لیے عوام میں بجلی کی طرح دوڑ گئی۔

ہمدرد فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام منعقدہ دسمبر ۱۹۸۲ء میں لاہور میں ہمدرد قومی سیرت کانفرنس کا موضوع ''تعلیمات نبویؐ......خودی'' تھا۔ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے اس موقع پر مقالہ بعنوان ''خودی اور شیخ سعدی'' پیش کیا۔اس میں آخر میں علامہ اقبال کے فلسفہ خودی کا بھی ذکر ملتا ہے۔لکھتے ہیں:[۴۴] ''شیخ سعدی زندوں کو عزت نفس کا درس دے رہے تھے لیکن علامہ کا کام مردوں کو زندہ کرنا تھا اس لیے ان میں جو تب و تاب عزم و رزم اور گھن گرج ہے وہ نہ شیخ سعدی کے ہاں موجود ہے اور نہ اس وقت اس کی ضرورت تھی۔''

اقبال دوسری بین الاقوامی کانگرس منعقدہ ۹- ۱۱رنومبر ۱۹۸۳ء زیر اہتمام جامعہ پنجاب لاہور میں بلوچستان سے تین صاحبان نے مقالات پیش کیے۔علامہ اقبال کا ذہنی ارتقا از مسز ثاقبہ رحیم الدین، علامہ اقبال اور بلوچستان از ڈاکٹر انعام الحق کوثر، اقبال اور عظمت آدم از ملک محمد رمضان۔

علامہ اقبال اور بلوچستان از ڈاکٹر انعام الحق کوثر، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء کل صفحات: ۲۱۶۔اسے علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد نے شائع کیا۔اس کا انتساب علامہ اقبال کے والہ و شیدا میر یوسف علی خاں عزیز مرحوم کے نام، جنھوں نے علامہ اقبال کے کلام کو اپنے نہاں خانے میں جگہ دے رکھی تھی اور پروفیسر ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید کے نام جو بلوچستان سے اقبال شناسی کی روایت کے ساتھ ایران پہنچے۔

اس کتاب کے مندرجہ ذیل ابواب ہیں:

باب اول: بلوچستان کا مختصر سا جغرافیائی تعارف

باب دوم: علامہ اقبال کی بلوچستان میں تشریف آوری

باب سوم: بلوچستان کے بعض صاحبان علامہ اقبال کی خدمت میں

باب چہارم: بلوچستان کے اقبالی اداروں اور انجمنوں کی سرگرمیاں

باب پنجم: بلوچستان کی متعدد ادبی شخصیات اور علامہ اقبال

باب ششم، باب ہفتم: بلوچستان کے رسائل و جرائد میں ذکر اقبال، پشتو، بلوچی، براہوئی اور اُردو میں

ڈاکٹر محمد صدیق خاں شبلی کی رائے ہے: ''اقبال کے حوالے سے کسی صوبہ کے بارے میں اس قسم کی معلومات جمع کرنے کا کوئی کام اب تک نہیں ہوا ہے۔'' اور یوں یہ کتاب ''بلوچستان

میں اقبال شناسی کا ایک خوب صورت مرقع ہے۔''

ڈاکٹر نثار احمد قریشی کا خیال ہے کہ ''ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے محققین اقبال کے لیے ایک نیا باب کھول دیا ہے۔''

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کا کہنا ہے کہ ابواب کے عنوانات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بلوچستان کے حوالے سے حضرت علامہ کا ذکر جمیل کیسا لذیز و دلچسپ ہوگا اور فی الواقع یہ حکایت لذیذ و دلچسپ ہے...... اندازہ ہوتا ہے، مصنف موصوف نے پرانے اخبارات و رسائل سے لوازمہ جمع کرنے میں غیر معمولی کاوش سے کام لیا ہے اور معلومات و مواد کی پیشکش میں بھی بحثیت مجموعی ہنرمندی کا ثبوت دیا ہے۔(۱۹۸۶ء کا اقبالیاتی ادب،ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۱۱۹-۱۲۱)

''ڈاکٹر کوثر کا یہ کام ہر لحاظ سے خوب اور قابل قدر ہے۔'' ڈاکٹر وحید عشرت، (اقبالیات لاہور، جنوری مارچ ۱۹۸۸ء ص ۴۵۳، ۴۵۴)

پروفیسر مجتبیٰ حسین کا ارشاد ہے: ''ڈاکٹر صاحب میں خوبی یہ بھی ہے کہ ان کی زبان اپنی تمام محققانہ موشگافیوں کے باوجود اپنا ادبی رنگ برقرار رکھتی ہے کیا مجال کہ ان کی تحریر میں کہیں جھول پیدا ہو جائے۔''

(بلوچستان ایجو کیشنل جرنل کوئٹہ جون ۱۹۸۷ء، ص ۷۱-۷۳)

علامہ اقبال اور بلوچستان پر ۲۳/مارچ ۱۹۸۸ء کو بلوچستان ایوارڈ ۱۹۸۸ء ملا تھا۔

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مارچ ۱۹۷۰ء تا جون ۱۹۷۲ء گورنمنٹ کالج مستونگ کے پرنسپل رہے۔ وہاں بھی اقبالیات کے سلسلے میں علمی و ادبی کام جاری رہا۔

۱۹۷۲ء تا ۱۹۷۹ء پرنسپل ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے گورنمنٹ ڈگری کالج لورالائی میں اس علمی، قومی اور ملی فریضہ کو سرانجام دیا اور باقاعدگی سے علامہ اقبال کے بارے میں مجالس کا انتظام کرایا اور ایک ٹیم تیار کی جو بعد میں بھی ان علمی سرگرمیوں کو جاری رکھ سکی۔

۱۹۷۹ء اور ۱۹۸۰ء میں ڈاکٹر انعام الحق کوثر گورنمنٹ ڈگری کالج سبی کے پرنسپل رہے۔ وہاں بھی یہ علمی اور ادبی سرگرمیاں جاری رہیں۔ ۱۹۸۰ء میں آپ کوئٹہ بحیثیت چیئرمین بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن بلوچستان آ گئے۔ پھر ۱۹۸۵ء سے ۱۹۹۱ء تک ناظم تعلیمات ادارہ نصابیات و مرکز توسیع تعلیم بلوچستان رہے۔ یوں ڈاکٹر انعام الحق کوثر کو کوئٹہ کے علاوہ سارے صوبے میں علمی و ادبی سرگرمیوں (خاص کر اقبالیات کے سلسلے میں) سرپرستی کا

موقع ملا۔ بفضل ایزدی یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ کئی صاحبان ایم فل (اقبالیات) کے لیے آپ سے رہنمائی حاصل کر رہے ہیں۔ علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی اسلام آباد کا شعبہ اقبالیات بحیثیت ماہر آپ کے مشوروں کی بڑی قدر کرتا ہے۔ آپ کئی یونی ورسٹیوں کے ممتحن بھی ہیں۔

اقبالیات کے چند خوشے از ڈاکٹر انعام الحق کوثر، کوئٹہ، ۱۹۸۸ء

اس کا انتساب وطن عزیز پاکستان کی دو نا قابل فراموش ہستیوں (عظیم ادیب، شاعر، دانش ور، مترجم اور علامہ اقبال کے شیدائی مردقلندر میر مٹھا خان مری...... اور...... مایہ ناز محقق، شعلہ بیاں مقرر اور نامور ماہر تعلیم، استاد محترم پروفیسر محمد علم الدین سالک جو علامہ اقبال کے مردِ حر کی صفات سے متصف تھے) کے نام ہے۔

پروفیسر ایم انور رومان اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

ڈاکٹر انعام الحق کوثر کی کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ یہ حصول پاکستان کے بعد تعمیر پاکستان کے سلسلے میں علامہ اقبال کی افادیت و امکانیت کو اجاگر کرتی ہے۔ اس کے سب مضامین اچھے اور مفید ہیں۔ لیکن بعض خاص توجہ کے متقاضی ہیں جیسے ''علامہ اقبال اور تحریک پاکستان'' ''نسل نو اور اقبال کا شاہین'' ''تعلیم ایک تاریخی عمل کی حیثیت سے'' ''علامہ اقبال کا نظریہ اجتہاد'' ''اقبال اور قومیت'' وغیرہ۔ ان مضامین میں بہت ہی اہم باتیں کہی گئی ہیں۔ مثلاً یہ کہ علامہ اقبال تین قوتوں کی تجسیم تھے قوت تنقید، قوت تجدید اور قوت تخلیق! قوت تنقید کے زور پر وہ جہاں موجودہ مشرقی و یورپی تہذیب کی داخلی تاریکیوں اور الجھنوں کو بے نقاب کرتے تھے وہاں بھی ان کے مثبت پہلوؤں کو بھی اجاگر کرتے تھے۔ قوت تجدید کے بل پر وہ اصلی و ابدی اسلام کو زندہ کرنا چاہتے تھے اور قوت تخلیق کے تحت وہ انسان کی تخلیقی صلاحیتوں کو نمود و شہود کا پورا موقع دیتے تھے تاکہ بنی نوع انسان اپنے آپ کو ایسے علم و فضل، ایسے تہذیب و تمدن اور ایسی ایجادات و اختراعات پر مرکوز کرے جن سے انسان اسلام کے قائم کردہ معیار کے مطابق بہتر و برتر ہو سکے اور ارتقا کے اگلے اور آخری مرحلے کا اہل ثابت ہو سکے۔

علامہ جب وطن کو جز و ایمان سمجھتے تھے لیکن وہ وطن کو عالم اسلام اور کرہ ارض کا ایک حصہ گردانتے تھے:

ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

ان کے نزدیک وطنیت برحق تھی۔ لیکن وطن پرستی بت پرستی کی ایک دوسری شکل تھی۔ وہ جمعیت اقوام سے زیادہ جمعیت آدم کے قائل تھے۔

مشرق سے ہو بیزار، نہ مغرب سے حذر کر
فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر

امید ہے کہ یہ کتاب اقبال......پاکستان کے بعد کے نقطۂ نظر سے پڑھی اور سمجھی جائے گی!!
(سہ ماہی، اقبال، لاہور، اپریل/۱۹۸۹ء، ص ۱۷۰-۱۷۱)

ڈاکٹر وحید عشرت کی رائے ہے:

ڈاکٹر انعام الحق کوثر کا اسلوب نہایت سادہ، زبان ہر طرح کے تکلف اور ہر طرح کے الجھاؤ سے پاک اور مضامین بھی صاف اور واضح ہیں۔ تمام لوگوں اور طلبہ کے لیے یہ کتاب یوں بھی رہنما ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے نہایت اہم اور مشکل موضوعات کو بالکل عام فہم اور سادہ انداز سے بیان کیا ہے۔ یہ کتاب دراصل ایک کلید ہے اقبال کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے جو ابھی مبتدی ہیں۔ کتاب کا نام بھی بڑا منفرد ہے اقبالیات کے چند خوشے یوں کتاب کے عنوان ہی سے کوئٹہ چمن اور بلوچستان کے دوسرے شہروں میں مہک بار انگور کی بیلوں اور ان کے خوش ذائقہ خوشوں کی خوشبو آنے لگتی ہے۔ خوشے کے عنوان ہی سے مصنف کی بلوچستانیت ٹپکی پڑتی ہے اور یوں اپنے علاقے سے فکر اقبال کو مانوس کرنے کے لیے یہ عنوان بڑا منفرد ہے۔
(اقبالیات، لاہور، جولائی، ستمبر ۱۹۹۲ء، ص ۳۲)

اقبالیات کے چند خوشے پر قلم قبیلہ ادبی ایوارڈ دیا گیا تھا۔

اقبال شناسی اور بلوچستان کے کالج میگزین (جلد اول وجلد دوم) از ڈاکٹر انعام الحق کوثر انتساب مولف نے اپنے اساتذہ کرام جیسے پروفیسر سید عابد علی عابد، پروفیسر علم الدین سالک، پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر، پروفیسر ڈاکٹر عبدالشکور احسن، پروفیسر غلام مصطفیٰ تبسم اور پروفیسر ڈاکٹر سید عبداللہ کے نام کیا ہے۔

منیر خالدہ لکھتی ہیں:

ڈاکٹر صاحب کی زیر تبصرہ کتاب اقبال شناسی اور بلوچستان کے کالج میگزین کی تدوین سے علمی حلقوں کو نہ صرف اقبال کی شخصیت کے بارے میں بلوچستان کے ان اعلیٰ تعلیمی اداروں میں تحریر کیا گیا علمی و تحقیقی ورثہ سے واقفیت حاصل ہوئی ہے بلکہ ایک بہت بڑی عملی ضرورت کی تکمیل میں معاونت فرمائی ہے۔

سید عابد رضوی لکھتے ہیں:

دو جلدوں پر مشتمل یہ کتاب بلوچستان کے مختلف کالجوں کے ۹ میگزینز کا نچوڑ ہے۔ کتاب میں کل ۴۰ مضامین ہیں۔ جو حکیم مشرق کی سیاسی بصیرت شاعری، فلسفے، نظریے، شخصیت اور فن کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیے ہوئے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ کتاب علامہ کے محققین کے لیے بلاشبہ ایک ریفرنس بک کے طور پر کام آ سکتی ہے۔

ڈاکٹر فاروق احمد شعبہ اُردو بلوچستان یونی ورسٹی کوئٹہ کا کہنا ہے:

ڈاکٹر صاحب نے تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے پہلے بھی بہت کچھ کیا ہے۔ آج بھی وہ بلوچستان میں اقبال شناسی کو پاکستان کے دوسرے صوبوں تک پہنچا رہے ہیں۔ بلوچستان کا نوجوان بھی باقی ماندہ ملک کی طرح فکر اقبال سے نہ صرف متاثر ہوا ہے بلکہ اس نے بھی اقبال کو سمجھنے اور سمجھانے میں پاکستان کے دوسرے صوبوں کی طرح بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر کو یہ کاوش یقیناً بلوچستان کی طرف سے اقبال شناسوں کے لیے ایک تحفہ ہے۔

سہ ماہی تعلیمی زاویے، لاہور، جنوری ۱۹۹۱ء، ص ۱۱۲

ماہنامہ قلم قافلہ، کھاریاں (گجرات) ڈاکٹر انعام الحق کوثر نمبر مئی ۱۹۹۵ء، ص ۱۵-۱۶

اقبال شناسی اور بلوچستان کے کالج میگزین پر مسلم کمرشل بینک لمیٹڈ کوئٹہ کے صوبائی سربراہ جناب محمد علیم کی جانب سے ۱۹۹۰ء کا ایوارڈ برائے تعلیمی و تحقیقی خدمات دیا گیا۔

اقبال شناسی اور ادبائے بلوچستان کی تخلیقات: از ڈاکٹر انعام الحق کوثر (جلد اوّل) لاہور، ۱۹۹۰ء (جلد دوم) لاہور، ۱۹۹۲ء

جلد اوّل کا انتساب پروفیسر انور رومان کے نام جب کہ جلد دوم کا اقبال کے شاہینوں کے نام ہے اور یہ شعر درج ہے

تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے\
دلِ مرتضیٰؓ سوزِ صدیقؓ دے\
(اقبال)

ڈاکٹر محمد ابراہیم خالد لکھتے ہیں:

اقبال کا مطالعہ کرنے والوں اور علم و تدریس سے دل چسپی رکھنے والوں کے لیے یہ ہر دو کتب مفید اور دل چسپ ثابت ہوں گی۔ میرے نزدیک تعلیمی اداروں کے سربراہوں کو اس قسم کی

کارآمد کتب کو بلاحیل و حجت خرید کر اپنے اداروں کے کتب خانوں میں شامل کر لینی چاہییں۔

(سہ ماہی تعلیمی زاویے، لاہور، اپریل ۱۹۹۴ء، ص ۱۱۹)

جناب ثناء الحق صدیقی تحریر کرتے ہیں:

محترم ڈاکٹر صاحب نے ان دو جلدوں میں اپنے اور دوسرے ادیبوں کے جو مقالات اکٹھے کیے ہیں وہ اقبال کی شاعری کے مختلف پہلوؤں سے متعلق ہیں۔ اکثر مضامین اور مقالات کافی غور و خوض کے بعد لکھے گئے ہیں...... ڈاکٹر صاحب نے یہ کتاب ایک نہایت اچھے موضوع پر مرتب کی ہے اور مضامین کی ترتیب و تدوین بے حد مناسب و موزوں ہے۔

(العلم، کراچی، اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۴ء، ص ۱۴۱، ۱۴۲)

ڈاکٹر انعام الحق کوثر اور علامہ اقبال سے متعلق منعقدہ بعض تقاریب کا مختصر ذکر

۱۔ میونسپل ہال، کوئٹہ ۲۱ر اپریل ۱۹۶۲ء، علامہ اقبال سے متعلق مقالہ پیش کیا۔

۲۔ میونسپل ہال، کوئٹہ، ۲۱ر اپریل ۱۹۶۳ء، علامہ اقبال سے متعلق مقالہ پیش کیا۔

۳۔ گورنمنٹ کالج، کوئٹہ، ۲۹ر اپریل ۱۹۶۷ء، علامہ اقبال سے متعلق مقالہ پیش کیا۔

۴۔ گورنمنٹ کالج، ژوب، ۳ر نومبر ۱۹۶۹ء، علامہ اقبال سے متعلق مقالہ پیش کیا۔

۵۔ گورنمنٹ انٹر کالج مستونگ، ۲۱ر اپریل ۱۹۷۰ء، علامہ اقبال سے متعلق صدارتی خطبہ دیا۔

۶۔ خانہ فرہنگ ایران، کوئٹہ، ۲۱ر اپریل ۱۹۷۰ء، مقالہ پیش کیا۔

۷۔ گورنمنٹ انٹر کالج مستونگ، ۲۱ر اپریل ۱۹۷۱ء، صدارتی خطبہ دیا۔

۸۔ گورنمنٹ انٹر کالج مستونگ، ۱۴ر اکتوبر ۱۹۷۱ء، مقالہ پیش کیا۔

۹۔ گورنمنٹ انٹر کالج مستونگ، ۱۸ر اکتوبر ۱۹۷۱ء، مقالہ پیش کیا، صدارت: جناب پروفیسر حمید احمد خاں وائس چانسلر، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور

۱۰۔ گورنمنٹ کالج ژوب، ۲۱ر اپریل ۱۹۷۳ء، مقالہ پیش کیا۔

۱۱۔ گورنمنٹ ڈگری کالج لورالائی، ۱۴ر نومبر ۱۹۷۴ء، مقالہ پیش کیا۔

۱۲۔ گورنمنٹ ڈگری کالج لورالائی، ۱۹ر اپریل ۱۹۷۵ء، مقالہ پیش کیا۔

۱۳۔ گورنمنٹ ڈگری کالج لورالائی، ۴ر مئی ۱۹۷۶ء، مقالہ پیش کیا۔

۱۴۔ گورنمنٹ ڈگری کالج لورالائی، ۱۹ر جون ۱۹۷۷ء، مقالہ پیش کیا۔ (اقبال سے متعلق صد

سالہ تقریبات کے سلسلے میں۔ زیر صدارت ڈاکٹر نصیر الدین جوگیزئی صوبائی وزیر)

۱۵- علامہ اقبال اُردو کانفرنس لاہور (ہال ثانوی و اعلیٰ ثانوی تعلیمی بورڈ، لاہور)، ۳-۶ر نومبر ۱۹۷۷ء، مقالہ بعنوان ''علامہ اقبال اور بلوچستان'' پڑھا۔

۱۶- علامہ اقبال اُردو کانفرنس میرپور آزاد کشمیر، ۷-۸ر نومبر ۱۹۷۷ء، ۷ر نومبر کو مقالہ پیش کیا اور ۸ر نومبر کو آخری سیشن میں صدارتی خطبہ دیا۔

۱۷- ٹاؤن ہال، لورالائی (عنوان اقبال، پاکستان اور اسلام)، ۱۸ر نومبر ۱۹۷۷ء، صدارتی خطبہ دیا۔

۱۸- پہلی ڈاکٹر محمد اقبال بین الاقوامی کانگرس، لاہور، زیر اہتمام پنجاب یونی ورسٹی، ۲-۷ر دسمبر ۱۹۷۷ء، مقالہ بعنوان ''علامہ اقبال اور تحریک پاکستان'' پڑھا۔

۱۹- گورنمنٹ ڈگری کالج لورالائی، ۲۱ر اپریل ۱۹۷۸ء، مقالہ پڑھا۔

۲۰- بلوچستان پبلک لائبریری، زیر اہتمام اقبال یوتھ کونسل، ۲۱ر اپریل ۱۹۸۱ء، صدارتی خطبہ دیا۔

۲۱- گورنمنٹ کالج نوشکی، ۸ر نومبر ۱۹۸۲ء، صدارتی خطاب۔

۲۲- ثانوی و اعلیٰ ثانوی تعلیمی بورڈ لاہور، ۹ر نومبر ۱۹۸۲ء، مقالہ پیش کیا۔

۲۳- قلم قبیلہ، ہال، کوئٹہ، ۱۳ر نومبر ۱۹۸۲ء، مقالہ پیش کیا۔

۲۴- ہمدرد قومی سیرت کانفرنس لاہور، زیر اہتمام ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، دسمبر ۱۹۸۲ء کے آخری ہفتہ میں تقریبات، ۲۸ر دسمبر ۱۹۸۲ء، مقالہ بعنوان ''خودی اور شیخ سعدی'' (آخر میں اقبال کے فلسفہ خودی کا ذکر) پڑھا۔

۲۵- پاکستان نیشنل سنٹر کوئٹہ، اقبال یوتھ کونسل پاکستان کا تیسرا یوم تاسیس، ۱۸ر مارچ ۱۹۸۳ء، مقالہ پیش کیا۔

۲۶- اقبال یوتھ کونسل پاکستان کوئٹہ، ۲۱ر اپریل ۱۹۸۳ء، صدارتی خطاب۔

۲۷- پاکستان نیشنل سنٹر کوئٹہ، ۹ر نومبر ۱۹۸۳ء، صدارتی خطاب۔

۲۸- دوسری بین الاقوامی اقبال کانگرس، زیر اہتمام جامعہ پنجاب، لاہور، ۹-۱۱ر نومبر ۱۹۸۳ء، مقالہ پیش کیا۔

۲۹- پاکستان نیشنل سنٹر، کوئٹہ، زیر اہتمام، اقبال یوتھ کونسل پاکستان، کوئٹہ، ۱۱ر نومبر ۱۹۸۴ء،

صدارتی خطاب۔

۳۰- ادارہ نصابیات و مرکز توسیع تعلیم بلوچستان کوئٹہ، ۹ر نومبر ۱۹۸۶ء، خطاب کیا۔

۳۱- ایلیمنٹری کالج پشین، زیراہتمام اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۳۰ر اکتوبر ۱۹۸۷ء، خطاب کیا۔ صدارت: جنرل محمد موسیٰ گورنر بلوچستان۔

ایلیمنٹری کالج مستونگ، زیراہتمام اقبال اکادمی پاکستان لاہور، ۳۱ر اکتوبر ۱۹۸۷ء، خطاب کیا۔

۳۲- قلم قبیلہ ادبی ٹرسٹ کوئٹہ کا ہال، زیراہتمام اقبال اکادمی پاکستان لاہور، یکم نومبر ۱۹۸۷ء، خطاب کیا۔ صدارت: جام میر غلام قادر وزیراعلیٰ بلوچستان۔

ان پروگراموں میں ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے بطور صوبائی معاون ہر مرحلے پر تعاون کیا۔ پیشتر ازیں انھوں نے اقبال اکادمی کی جانب سے طلبہ و طالبات کے لیے علامہ اقبال سے متعلق انعامی ادبی تقریب کا بھی بندوبست کیا تھا۔ مورخہ ۲۳ر اکتوبر ۱۹۸۶ء بمقام ایلیمنٹری کالج کوئٹہ

۳۳- پاکستان نیشنل سنٹر کوئٹہ، ۹ر نومبر ۱۹۸۷ء، صدارتی خطبہ دیا۔

۳۴- ہال ادارہ نصابیات و مرکز توسیع تعلیم بلوچستان کوئٹہ، ۱۰ر نومبر ۱۹۸۷ء، خطاب کیا۔

۳۵- نصاب تعلیم میں اقبالیات کے سلسلے میں ورکشاپ زیراہتمام اقبال اکادمی پاکستان لاہور، ۲،۳ر اپریل ۱۹۸۸ء، اقبالیات، لاہور، جولائی، ستمبر ۱۹۸۸ء، ص ۱۷۹-۱۹۷ میں درج ہے۔ سب سے عمدہ کام ڈاکٹر محمد معروف کی ہدایت پر سید سجاد حیدر رضوی اور ڈاکٹر انعام الحق کوثر کا تھا جنھوں نے اپنے ماتحت سبجیکٹ سپیشلسٹوں سے پر فارمے پر کروائے تھے اور ہر جماعت کے نصاب میں اقبالیات کے موجود نصاب کی تفاصیل تیار کی تھیں۔

۳۶- ہال ادارہ نصابیات و مرکز توسیع تعلیم بلوچستان کوئٹہ، ۵ر جولائی ۱۹۸۹ء، خطاب کیا، ڈاکٹر ممتاز منگلوری، مسرت حسین رضوی اور پروفیسر سعید احمد رفیق نے انعام الحق کوثر کی کتاب اقبال شناسی اور بلوچستان کے کالج میگزین پر اظہار خیال کیا۔ صدر محفل ڈاکٹر وحید قریشی

۳۷- خانہ فرہنگ اسلامی جمہوریہ ایران، کوئٹہ، ۹ر نومبر ۱۹۹۰ء، خطاب کیا۔ مہمان خصوصی آقای تحقیقی نائب سفیر اسلامی جمہوریہ ایران

۳۸- انجمن فارسی بلوچستان کوئٹہ، ۱۰/نومبر ۱۹۹۰ء، یوم اقبال کے سلسلے میں خطاب کیا۔

۳۹- قلم قبیلہ ادبی ٹرسٹ، کوئٹہ، ۱۱/نومبر ۱۹۹۰ء، یوم اقبال کے سلسلے میں تقریب، صدارتی خطبہ دیا۔

۴۰- ادارہ نصابیات و مرکز توسیع تعلیم بلوچستان کوئٹہ، تعاون، صوبائی سربراہ مسلم کمرشل بینک بلوچستان کوئٹہ، ۱۳ دسمبر ۱۹۹۰ء، تقریب پذیرائی، اقبال شناسی اور بلوچستان کے کالج میگزین، از ڈاکٹر انعام الحق کوثر

۴۱- ایلیمنٹری کالج برائے خواتین پشین، کوئٹہ اور مستونگ، سال ۱۹۹۰ء، زیر تربیت اساتذہ (مردانہ زنانہ) میں علامہ اقبال سے متعلق مقابلے کرا کر اقبال شناسی اور بلوچستان کے کالج میگزین، (جلد اوّل و دوم) بطور انعام دی گئیں۔

۴۲- ہال ادارہ نصابیات و مرکز توسیع تعلیم بلوچستان، زیر اہتمام تعلیمی بورڈ کوئٹہ، ۲۱/اپریل ۱۹۹۲ء، خطاب کیا۔ علامہ اقبال سے متعلق تقریری مقابلہ میں اول آنے والے بچے کو اپنی طرف سے انعام دیا۔

۴۳- قلم قبیلہ ادبی ٹرسٹ کوئٹہ، ۵/دسمبر ۱۹۹۲ء، علامہ اقبال سے متعلق تقریب، صدارتی خطبہ دیا۔

۴۴- ہال چلڈرنز اکیڈمی، کوئٹہ، ۲۲/اپریل ۱۹۹۳ء، خطاب کیا۔ یوم اقبال کے سلسلے میں اپنی جانب سے دو سو سے زائد کتابیں بطور انعام دیں۔ اوّل آنے والی بچی کو اپنی کتاب علامہ اقبال اور بلوچستان، بطور انعام دی۔

۴۵- بلوچستان یونی ورسٹی کوئٹہ، زیر اہتمام بزم ادب شعبہ فارسی، ۱۵/نومبر ۱۹۹۳ء، بطور مہمان خصوصی خطاب کیا۔

۴۶- خانہ فرہنگ اسلامی جمہوریہ ایران، کوئٹہ، ۲۱/اپریل ۱۹۹۴ء، ''بزم محبت اقبال'' سے مخاطب ہوا۔

۴۷- ادارہ ثقافت بلوچستان، کوئٹہ زیر اہتمام انجمن فارسی بلوچستان کوئٹہ، ۲۱/اپریل ۱۹۹۵ء، یوم اقبال، خطاب کیا۔ اپنی جانب سے نوجوانوں کو انعامات دیے۔

۴۸- باڑہ گلی نزد ایبٹ آباد (صوبہ سرحد) زیر اہتمام: شعبہ اُردو پشاور یونی ورسٹی، ۱۳-۱۵/ جون ۱۹۹۵ء، کل پاکستان اقبال، صدارتی خطبہ دیا۔ ۱۳/جون کو ہی مقالہ ''بلوچستان میں اقبال شناسی'' پڑھا۔ اسی روز علامہ اقبال سے متعلق کتب کی نمائش کا افتتاح کیا۔

۱۴/جون ۱۹۹۵ء کو ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے مقالہ بعنوان بال جبریل کا تنقیدی

جائزہ پیش کیا۔ ۱۵/جون ۱۹۹۵ء کو اختتامی اجلاس میں سیمینار کا مجموعی جائزہ لیا اور چند ایک تجاویز دیں۔ لائبریری شعبہ اُردو کے گوشہ ہمدانی کے لیے اپنی ۱۲ کتابیں پیش کیں۔

علاوہ ازیں درج ذیل تقاریب میں شرکت کی اور اقبال سے متعلق اظہار خیال کیا۔

اقبال اکادمی پاکستان، شعبہ اقبالیات ۷،۸ نومبر ۱۹۹۶ء جامعہ پنجاب، دفتر ثقافتی نمائندہ فرہنگی جمہوری اسلامی ایران، اسلام آباد، خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، لاہور	بین الاقوامی فکر اقبال سیمینار، مقالہ ''اقبال کا وطن جہانی کا تصور'' پیش کیا۔
خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران ۲۱ نومبر ۱۹۹۶ء کوئٹہ باہمکاری انجمن فارسی بلوچستان	یوم اقبال گرامی باد۔ ''بلوچستان میں اقبال شناسی'' پر اظہار خیال کیا۔
پنجاب یونیورسٹی (شعبہ فلسفہ، شعبہ ۹ تا ۱۱ نومبر ۱۹۹۸ء اقبالیات) لاہور	تیسری بین الاقوامی اقبال کانگرس، مقالہ ''علامہ اقبال اور مسلمانان عالم میں اتحاد'' پیش کیا۔
ادارہ ثقافت بلوچستان کوئٹہ ۹ نومبر ۲۰۰۱ء	علامہ اقبال سے متعلق تقریب، صدارتی خطبہ دیا۔
اسلامیہ گرلز کالج کوئٹہ ۲۰ اپریل ۲۰۰۲ء	بسلسلہ ۲۰۰۲ء سال اقبال۔ سال اقبال کے ناتے سے تقریبات کا آغاز۔ صدارتی گفتگو۔
نیشنل نیوز ایجنسی کے کوئٹہ آفس کی افتتاحی تقریب ۲۱ اپریل ۲۰۰۲ء	شاعر مشرق کی شخصیت پر سیمینار۔ علامہ اقبال: ایک مطالعہ مقالہ پڑھا۔
عمل فاؤنڈیشن کوئٹہ ۲۶ اپریل ۲۰۰۲ء	علامہ اقبال سے متعلق تربیتی نشست سے گفتگو۔
سیرت اکادمی بلوچستان (رجسٹرڈ) ۱۸ مئی ۲۰۰۲ء اسلامیہ گرلز کالج کوئٹہ	سیرت طیبہ اور اقبال۔ خواتین لیکچراروں کے مابین مقالات کا مقابلہ۔ صدارتی خطبہ
فلمز اینڈ پبلی کیشنز ڈائریکٹوریٹ اسلام آباد ۱۹ جولائی ۲۰۰۲ء کے زیر اہتمام بلوچی اکادمی کوئٹہ میں مذاکرہ۔ زیر صدارت: ڈائریکٹر جنرل ساجدہ اقبال سید صاحبہ۔	عنوان: کلام اقبال اور انسان دوستی۔ کلیدی خطبہ پیش کیا۔

گورنمنٹ گرلز کالج جناح ٹاؤن کوئٹہ، ۲۰ اگست ۲۰۰۲ء	۲۰۰۲ء سال اقبال کی مناسبت سے گرلز کالجوں کی دس ٹیموں کے مابین کوئز مقابلہ ہوا۔ خصوصی خطاب
علاقائی کیمپس کوئٹہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد ۱۶ ستمبر ۲۰۰۲ء	تمام شرکاء مقابلہ کو کتابوں کے تحائف دیے۔ علامہ اقبال کی اور ان پر دیگر مصنفین کی تالیف کردہ کتب کی نمائش کا افتتاح کیا۔ موقع ومحل کے مطابق خطاب۔
تعمیر نو پبلک سکول کوئٹہ، ۱۳ ستمبر ۲۰۰۲ء	''کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور'' تقاریر کا انعامی مقابلہ، خصوصی خطاب اور انعامات کا بندوبست کیا۔
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، ۲۸ ستمبر ۲۰۰۲ء	کلام اقبال پیش کرنے پر انعامی مقابلہ۔۔ صدارتی خطبہ، یونیورسٹی کی طرف سے نقد انعامات۔۔ میری طرف سے کتابوں کے تحفے
پاک گرلز ہائی سکول کوئٹہ، ۱۹/ اکتوبر ۲۰۰۲ء	بیاد علامہ اقبال/حکیم محمد سعید شہید۔۔ خصوصی خطاب اور انعامات کا بندوبست۔
ادارہ نصابیات، مرکز توسیع تعلیم، ۲۶/ اکتوبر ۲۰۰۲ء بلوچستان، کوئٹہ	علامہ اقبال کا ذکر خیر ''تحریک پاکستان، علامہ اقبال اور قائد اعظم'' از ڈاکٹر انعام الحق کوثر کے بارے میں گفتگو۔
یوتھ ہوسٹل کوئٹہ، اسلامی تربیتی کیمپ برائے نوجوان اہل قلم، ۲۷/ اکتوبر ۲۰۰۲ء	نئے مطبوعہ کتابچے ''تحریک پاکستان، علامہ اقبال اور قائد اعظم'' کی دوسری کتابوں کے ساتھ تقسیم اور بات چیت بسلسلہ تحریک، کتاب کلچر کا فروغ۔
گورنمنٹ گرلز کالج سیٹلائیٹ ٹاؤن کوئٹہ، ۳۱ اکتوبر ۲۰۰۲ء	ہفتہ اقبال کی اختتامی تقریب۔۔۔ خصوصی خطاب اور انعامات کا بندوبست۔

گورنمنٹ گرلز کالج، جناح ٹاؤن کوئٹہ، ۶ نومبر ۲۰۰۲ء۔ انعامات کا بندوبست پچاون سیرت اکادمی بلوچستان (رجسٹرڈ) کوئٹہ، اقبال اکیڈمی، لاہور، پاکستان ہمدرد فاؤنڈیشن کراچی۔	علامہ اقبال کے یوم پیدائش پر سال اقبال کی اختتامی تقریب۔۔۔ خصوصی خطاب۔
مجلس اقبال، کوئٹہ چھاونی، ۱۲ر دسمبر ۲۰۰۲ء	علامہ اقبال سے متعلق خصوصی تقریب صدارتی خطبہ دیا۔

بفضل ربی ڈاکٹر انعام الحق کوثر نصف صدی سے علامہ اقبال کی شخصیت، فکر وفن اور پیغام کے بارے میں متعدد کتابیں لکھ چکے ہیں۔ پچاس کے قریب مقالات اور دو سو سے زائد تقاریر پاکستان اور بلوچستان میں پیش کر چکے ہیں۔

سال اقبال ۲۰۰۲ کی مناسبت سے مزید اہم تقاریب کا مختصر ذکر

ماہنامہ جہاں نما کوئٹہ مئی ۲۰۰۲ء میں چار تقاریب

۱۔ سال اقبال کے سلسلہ میں تقریب کا انعقاد، رپورٹ: مسرور حسن آرزو

۲۔ علامہ اقبال کے حوالے سے نیشنل نیوز ایجنسی، کوئٹہ کی افتتاحی تقریب، رپورٹ: امتیاز حسین

۳۔ اکادمی ادبیات پاکستان اور قلم قبیلہ کے زیر اہتمام قلم قبیلہ کوئٹہ میں خصوصی پروگرام کا بندوبست

۴۔ آئی ڈی ایس پی کی جانب سے بلوچی اکیڈمی کوئٹہ میں خصوصی تقریب کا اہتمام آرمی پبلک سکول سیون سٹریم کوئٹہ چھاونی نے اقبالیات کے سلسلے میں بین المدارس مقابلہ اٹھارہ تعلیمی درس گاہوں کے مابین منعقد کرایا۔ (بلوچستان ٹائمز کوئٹہ یکم مئی ۲۰۰۲ء)

اقبال کا مرد مومن، جامعہ بلوچستان میں تقریب (جنگ کوئٹہ، ۸ مئی ۲۰۰۲ء)

حرا سکول مستونگ میں یوم اقبال (جنگ کوئٹہ، ۸ مئی ۲۰۰۲ء)

گورنمنٹ کالج آف ایلیمنٹری ایجوکیشن بوائز کوئٹہ میں یوم علامہ اقبال کی خصوصی تقریب (جنگ کوئٹہ، ۱۸ مئی ۲۰۰۲ء)

بلوچستان ریذیڈنشل کالج لورالائی میں کلام اقبال کا مقابلہ (جنگ کوئٹہ، ۴ جون ۲۰۰۲ء)

سیرت طیبہ اور اقبال، مقابلہ نویسی منعقدہ اسلامیہ گرلز کالج کوئٹہ، رپورٹ: شاہین اسماعیل تصاویر مسرور حسن آرزو (ماہنامہ جہاں نما کوئٹہ، جون ۲۰۰۲ء)

چلڈرن اکیڈمی کوئٹہ کے زیر اہتمام سال اقبال کے حوالے سے
تقریب کا انعقاد (زمانہ، کوئٹہ، ۱۹ جولائی ۲۰۰۲ء)
کلامِ اقبال اور انسان دوستی۔ ادارۂ فلم اور مطبوعات بلوچستان
زیر اہتمام بلوچی اکیڈمی کوئٹہ میں سیمینار، تحریر: علی کمیل قزلباش (ماہنامہ جہان نما کوئٹہ، جون ۲۰۰۲ء)
بلوچستان سٹڈی سنٹر جامعہ بلوچستان کے زیر اہتمام ایک روزہ
سیمینار ''بلوچستان میں اقبال شناسی'' کا انعقاد (جنگ کوئٹہ، ۳ ستمبر ۲۰۰۲ء)
سال اقبال کی تقریبات، رپورٹ: شاہین اسماعیل (ماہنامہ جہان نما کوئٹہ، ستمبر ۲۰۰۲ء)
افکار اقبال سٹیج ڈرامہ فیسٹیول کوئٹہ زیر اہتمام ادارہ ثقافت
بلوچستان اور ''جہاں نما'' ۲۲ ستمبر تا ۲ نومبر ۲۰۰۲ء (بلوچستان ٹائمز، کوئٹہ، ۸ نومبر ۲۰۰۲ء)
خانہ فرہنگ ایران کوئٹہ میں یوم اقبال کے سلسلے میں مشاعرہ (بلوچستان ٹائمز، کوئٹہ، ۸ نومبر ۲۰۰۲ء)
اکادمی ادبیات پاکستان اور قلم قبیلہ کے زیر اہتمام یوم اقبال (زمانہ، کوئٹہ، ۱۱ نومبر ۲۰۰۲ء)
سردار اسحاق خاں ہائی سکول کوئٹہ میں بسلسلہ سال اقبال مختلف
تقاریب کا انعقاد (بلوچستان ٹائمز، کوئٹہ، ۱۱ نومبر ۲۰۰۲ء)
گورنمنٹ گرلز ڈگری کالج سبی میں اقبال سے متعلق خصوصی تقریب (جنگ کوئٹہ، ۱۲ نومبر ۲۰۰۲ء)
پرائیویٹ تعلیمی اداروں اور ادارہ ثقافت بلوچستان کوئٹہ کے زیر
اہتمام یوم اقبال (زمانہ، کوئٹہ، ۱۱ نومبر ۲۰۰۲ء)
نیو پاک پبلک ماڈل سکول خاران میں یوم اقبال (جنگ کوئٹہ، ۱۳ نومبر ۲۰۰۲ء)
گورنمنٹ ماڈل کالج آف ایلیمنٹری ایجوکیشن برائے خواتین
سبی میں سال اقبال کے حوالے سے مختلف تقاریب کا انعقاد (جنگ کوئٹہ، ۱۳ نومبر ۲۰۰۲ء)
انٹر کالج خیر دین میں یوم اقبال کی تقریب (مشرق کوئٹہ، ۱۴ نومبر ۲۰۰۲ء)
جنرل موسیٰ گورنمنٹ انٹر کالج کوئٹہ میں یوم اقبال کی تقریب (جنگ کوئٹہ، ۱۷ نومبر ۲۰۰۲ء)
ادارہ ثقافت بلوچستان کے زیر اہتمام بحوالہ سال اقبال بین اللسانی
(براہوئی، اردو، پشتو، فارسی، بلوچی) مشاعرہ کا انعقاد زیر صدارت
جناب ایوب بلوچ، مہمانان خصوصی نور محمد ہمدم، غوث بخش صابر (بلوچستان ٹائمز، کوئٹہ، ۱۶ نومبر ۲۰۰۲ء)

گورنمنٹ ماڈل ہائی سکول نوشکی میں یوم اقبال کی تقریب (جنگ کوئٹہ، ۲۱ نومبر ۲۰۰۲ء)

گورنمنٹ گرلز کالج سریاب ملز کوئٹہ میں سال اقبال کے سلسلے میں ذہنی آزمائش اور پوسٹر سازی کے مقابلے کا اہتمام (جنگ کوئٹہ، ۲۳ نومبر ۲۰۰۲ء)

ڈاکٹر انعام الحق کوثر کا یوم اقبال (۹ نومبر) کے حوالے سے خصوصی مقالہ ''اقبال اور مسلمانان عالم میں اتحاد'' مشرق، عوام، زمانہ، باخبر، کوہستان اور جنگ کوئٹہ میں شائع ہوا۔

ماہنامہ جہاں نما کوئٹہ نے تین قسطوں (جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء اور ڈاکٹر انعام الحق کوثر'' شائع کیا۔

مڈویک مشرق کوئٹہ (۱۸/ اکتوبر، ۲۴/ اکتوبر اور ۷/ نومبر ۲۰۰۲ء) میں چھپا ''اقبالیات اور انعام الحق کوثر''

''قافلۂ ادب اسلامی'' (جنوری ۲۰۰۵ء۔ جون ۲۰۰۵ء) لاہور میں طبع ہوا، ''اقبالیات اور پروفیسر محمد انعام الحق کوثر''

بین الاقوامی اقبال کانفرنس منعقدہ لاہور ۲۱ تا ۲۴ اپریل ۲۰۰۳ء زیر اہتمام اقبال اکادمی پاکستان، آخری اجلاس میں پاکستانی زبانوں کے دانشوروں (ڈاکٹر صابر کلوروی، اقبال نسیم خٹک، ڈاکٹر محمد یوسف خشک، ڈاکٹر عبدالرزاق صابر، غوث بخش صابر، اور ڈاکٹر شہباز ملک) نے اقبالیات کے حوالے سے پشتو، ہندکو، سندھی، بلوچی، براہوئی اور پنجابی سے متعلق مقالات پیش کیے۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے صدارت فرمائی۔ اُن کے مقالے کا عنوان تھا: ''بلوچستان میں پاکستانی زبانیں اور تذکرہ اقبال'' (رپورٹ غوث بخش صابر، روزنامہ زمانہ کوئٹہ ۳۰/ اپریل ۲۰۰۳ء)

بزم ادب شعبہ اردو جامعہ بلوچستان کے زیر اہتمام ایک روزہ، سیمینار بعنوان ''بلوچستان کے ادب پر اقبال کے اثرات'' ۲۸/ اپریل ۲۰۰۴ء کو بلوچستان اسٹڈی سنٹر کے سیمینار ہال میں منعقد ہوا۔ جس کے مہمان خاص پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر تھے اور صدارت پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد نے کی۔ مقالہ نگاروں میں شامل تھے محمد عمران ہاشمی (اردو شاعری میں اقبال کا حصہ) ڈاکٹر عبدالرزاق صابر (بلوچستان کے براہوئی ادب پر اقبال کے اثرات) پروفیسر زینت ثنا بلوچ (بلوچی ادب پر اقبال کے اثرات) نصر اللہ وزیر (پشتو ادب پر اقبال کے اثرات)

نظامت کے فرائض عابد میر نے ادا کیے۔ طالب حسین طالب اور نیلم مومل نے بطریق

احسن تحت الحفظ کلام اقبال پڑھ کر سنایا اور خوب داد لی مہمان خاص ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے ان کے لیے کتب کے خصوصی تحفے کا اعلان کیا۔ انھوں نے موقع ومحل کی مناسبت سے اپنے مقالے کے بعض حصے پیش کیے۔ کامیاب تقریب کا سہرا بزم ادب کے منتظم طالب علم عبدالستار مندوخیل کے سر جاتا ہے۔ (رپورٹ نیلم مول روز نامہ جنگ کوئٹہ ۶ رمئی ۲۰۰۴ء)

مجلس اقبال شناسی بلوچستان کے زیر اہتمام ماہر اقبالیات پروفیسر ڈاکٹر ایوب صابر کی تصانیف کی تقریب رونمائی ۳۰ جون ۲۰۰۴ء زیر صدارت پروفیسر فتح محمد ملک، مہمان خاص جناب ایوب بلوچ منعقد ہوئی۔ میزبان تھے: جناب سرور جاوید۔ مقررین اور مقالہ نگار تھے: ڈاکٹر عبدالرزاق صابر، وحید زہیر، پروفیسر شرافت عباس، ڈاکٹر انعام الحق کوثر، ڈاکٹر ایوب صابر، جناب ایوب بلوچ، پروفیسر فتح محمد ملک۔ (رپورٹ نیلم مول روز نامہ جنگ کوئٹہ ۸رجولائی ۲۰۰۴ء)

اکادمی ادبیات پاکستان کوئٹہ کے زیر اہتمام ''عصری تقاضے اور اقبال'' کے عنوان کے تحت ادبی سیمینار ۹ رنومبر ۲۰۰۴ء کو منعقد ہوا۔ مہمان خاص ڈاکٹر انعام الحق کوثر تھے۔ مقررین مقالہ نگار اور شعراء تھے۔ ڈاکٹر عبدالرزاق صابر، بیرم غوری، ڈاکٹر کلیم اللہ صدام، عبدالرؤف رفیقی علی کمیل قزلباش، علی بابا تاج، شکیل عدنان، عارف ضیاء، محترمہ جہاں آرا تبسم، شیدا زیدی، عدن ندیم، نظامت کے فرائض محسن شکیل نے ادا کیے۔ (رپورٹ نیلم مول روز نامہ جنگ کوئٹہ ۲۵ رنومبر ۲۰۰۴ء)

بحریہ فاؤنڈیشن کالج، کوئٹہ، یوم اقبال ۲۱ راپریل ۲۰۰۸ء کو منایا گیا۔ صدر ڈاکٹر انعام الحق کوثر مہمان خصوصی پروفیسر شرافت عباس بلوچستان یونیورسٹی کوئٹہ میں علامہ اقبال سے متعلق خصوصی تقریب کا اہتمام کیا گیا، ۷ رمئی ۲۰۰۸ء زیر صدارت وائس چانسلر صاحب، ڈاکٹر معصوم یٰسین زئی، مقررین تھے، پروفیسر شریف المجاہد، ڈاکٹر نادر بخت، ڈاکٹر منظور احمد، ڈاکٹر فرحت عظیم، ڈاکٹر ارشد کریم، ڈاکٹر انعام الحق کوثر، ڈاکٹر ناہید انجم، ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، میزبان: ڈاکٹر مسرت جبین۔

اصطخری (م ۳۴۶ / ۹۵۷) نے فارسی کو مکران کی زبانوں میں شمار کیا ہے۔ ابن حوقل (م بعد از ۳۶۷ / ۹۷۷) کے مطابق مکران میں جو اُس زمانے میں سندھ کا جز و تھا، مکرانی کے علاوہ فارسی بولی جاتی تھی۔ المقدسی (م ۳۸۰ / ۹۹۰) کے دور میں فارسی ملتان میں سمجھی جاتی تھی۔ یہ بیانات اس تاریخی حقیقت کا واضح اور برملا ثبوت ہے کہ فارسی دری جو اصل میں مشرقی ایران خاص کر خراسان کی زبان تھی۔ سلجوقیوں کے عہد میں مغرب ایران پہنچنے سے پہلے پاکستان کی حدود میں ترقی پذیر تھی۔

پاکستان کی سرزمین میں فارسی ادب کی ابتدا رابعہ بنت کعب القصداری کی زمزمہ سنجیوں

سے ہوئی۔ وہ فارسی کی پہلی شاعرہ ہے۔ اس پر اہل بلوچستان کو ناز ہے۔

سرزمین بلوچستان میں فارسی زبان و ادب کا اثر عمیق اور نا قابل فراموش ہے۔ پاکستان کی قومی زبان اردو کے علاوہ براہوئی، بلوچی، پشتو اور سندھی پر فارسی کی چھاپ موجود ہے۔ سابق ریاست قلات میں ۱۹۳۰ء کے لگ بھگ دربار میں اسی کا راج تھا۔ اس خطے کی معروف رومانوی داستان ''سسی پنوں'' کئی بار فارسی کا لبادہ پہن چکی ہے۔

کوئٹہ میں آباد ہزارہ قبیلہ کی مادری زبان فارسی ہے۔ دہواری قلات اور مستونگ کے دہوار قبیلے کی زبان ہے۔ بنیادی طور پر یہ فارسی ہی ہے۔ اگر اسے فارسی میں شمار کیا جائے تو بلوچستان میں قریباً پچاس ہزار افراد یہ زبان بولتے ہیں۔

خواجہ عبدالحمید عرفانی (بعد کے پروفیسر اور ڈاکٹر) نے ۱۹۳۱ء سے تاحدِ مقدور اپنے پٹھان اور بلوچ شاگردوں میں اقبال کے اردو اور فارسی کلام کو مقبول بنانے میں کوشش کی۔ آپ ہی نے بلوچستان سے اقبال شناسی کی روایت ایران پہنچائی۔ جس پر سرزمین بلوچستان فخر کرتی ہے۔ آپ کی کئی کتابوں میں رومی عصر یا شرح احوال و آثار اقبال اور اقبال ایرانیوں کی نظر میں خاصی مشہور ہیں۔

پروفیسر آغا صادق نے علامہ اقبال کے کلام پر تضمینیں لکھی ہیں۔ انھوں نے فارسی کلام شاخ طوبیٰ کے عنوان سے چھپوایا۔ اسی کا انتساب شاعر اعظم مشرق زمین علامہ اقبال کے نام کیا گیا۔ اس میں علامہ اقبال سے متعلق یہ مندرجات ہیں:

مثنویات ارتحال اقبال، منظومات۔ دوسرا پائی اقبال، قطعات۔ خطاب بہ اقبال، رباعیات۔ برسانحہ ارتحال حضرت اقبال، منظومہ ہائے متفرقہ۔ اخوت اسلامی (تضمین قطعات اقبال) بیاد بود اقبال، تضمین بر شعر اقبال در نعت۔

کتابچہ راجع بہ کنفرانی آقای افراسیاب سرکنسول ایران کویتہ۔ بمناسبت روز افتتاح بزم اقبال در کویتہ۔ تاریخ ہشتم مہر ماہ ۱۳۳۵ مطابق ۳۰ سپتامبر ۱۹۵۶ء۔

کتابچہ راجع بہ سخنرانی آقای افراسیاب نوائی سرکنسول ایران کویتہ۔ بمناسبت روز اقبال در تالار شہرداری کویتہ۔ تاریخ روز یکم اردی بہشت ماہ ۱۳۳۶ مطابق باست و یک اپریل ۱۹۵۷ء۔

امیر محمد امیر (سن پیدائش ۱۹۲۹ء) کا تعلق معروف قبیلہ ہزارہ سے تھا۔ اُن کا مجموعہ کلام کاس الکرام کے عنوان سے طبع ہوا، ۱۹۷۱ء، ۱۸۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ علامہ اقبال سے فیض حاصل

کیا۔اسلوب بیان میں روانی اور جاذبیت ہے۔

پروفیسر آغا صادق کی کتاب آہنگ شیراز (فارسی مقالات) ملتان،۱۹۷۲ء، میں ان کے درج ذیل مقالات علامہ اقبال سے متعلق شائع ہوئے۔(۱) فکر اساسی اقبال۔(۲) منابع افکار اقبال (۳) ترجمہ شکوہ اقبال (در نثر فارسی امروزہ)(۴) ترجمہ شکوہ جواب اقبال (در نثر فارسی امروزہ) علاوہ ازیں پروفیسر آغا صادق کی علامہ اقبال سے متعلق کئی کتابیں اور مضامین اردو میں شائع ہوئے۔خود لکھتے ہیں۔"جب سے ہوش سنبھالا ہے۔اقبال مست ہوں، بادہ اقبال پیتا بھی رہا ہوں پلاتا بھی رہا ہوں۔نہ صرف لب پر کلام اقبال ہے بلکہ روح کی گہرائیوں میں پیام اقبال پیوست ہے۔"

شعر فارسی در بلوچستان ، دکتر انعام الحق کوثر لاہور، ۱۹۷۵ء کا انتساب یوں ہے، بمناسبت صدمین سال تولد علامہ اقبال، تقدیم بہ روان تابناک فارسی گوئی اندیشمند فیلسوف بزرگوار حکیم الامت شاعر مشرق علامہ دکتر محمد اقبال رحمتہ اللہ علیہ کہ بہ حق پیشوای فارسی گویان معاصر پاکستان است۔

عصر حاضر خاصۂ اقبال گفت
واحدی گز صد ہزاراں برگذشت

(ملک الشعرا بہار)

جوئے کوثر ،ڈاکٹر انعام الحق کوثر، لاہور، ۱۹۷۶ء۔اس کا انتساب علامہ اقبال اور قائداعظم کے حضور پیر مغان، پیر غلام دستگیر (۱۹۱۹ء۔۱۹۸۶ء) کوئٹہ ۱۴۰۰ھ آپ علامہ اقبال سے بے حد متاثر تھے۔

کلام اقبال فارسی (قلمی) پروفیسر خوش محمد شیخ (م۔۱۹۹۶ء) مستونگ لب ولہجہ رومی اور اقبال کے اسلوب سے متاثر نظر آتا ہے۔

کلام فارسی (قلمی) حیدر علی جاغوری (سال ولادت ۱۹۴۳ء) کوئٹہ، کلام پر علامہ اقبال کا اثر بھی دیکھنے میں آتا ہے۔

تضمینات بر کلام اقبال، پروفیسر نور محمد ہمدم (تاریخ پیدائش ۱۹۲۶ء)

اقبال وشریعتی بسخن رائی، آقای محمد اسعدی، صریر بولان، کوئٹہ، بہار ۱۹۹۲ء

اقبال وشریعتی بسخن رائی دکتر انعام الحق کوثر ایضاً

حکیم ملک وملت یعقوب علی انیس ایضاً

اقبال افتخار ما و شما دکتر محمد باقر موحد ایضاً بہار ۱۹۹۵ء

ارزش و ترویج فارسی در شبہ قارہ، دکتر انعام الحق کوثر، مجموعۂ سخنرانیہای نخستین سیمینار

پیوستگیہای فرہنگی ایران وشبہ قارہ، اسلام آباد، علامہ اقبال کا ذکر بطریق احسن ۔۔۔۱۹۹۳م

میراث مشترک فرہنگی بین پاکستان و ایران، دکتر انعام الحق کوثر، سروش، اسلام آباد، مئی، جون۲۰۰۲م

نقش مرکز تحقیقات فارسی، دکتر انعام الحق کوثر، سروش، اسلام آباد جولائی، اگست۲۰۰۲م

سہم علامہ اقبال در انقلاب اسلامی ایران، دکتر انعام الحق کوثر، دانش، اسلام آباد ۶۷۔ ۲۰۰۱م فوریہ۲۰۰۳م

دردل مسلم مقام مصطفیٰ ﷺ است، دکتر انعام الحق کوثر، سروش، اسلام آباد نوامبر، دسامبر۲۰۰۲م

سہم علامہ اقبال در انقلاب اسلامی ایران، پرفسور دکتر انعام الحق کوثر، اقبالیات (شمارہ فارسی) لاہور۲۰۰۲/۲۰۰۳م

سہم علامہ اقبال در انقلاب اسلامی ایران، پرفسور دکتر انعام الحق کوثر، قافلہ ادب اسلامی، لاہور، جولائی ۲۰۰۴ء۔ دسمبر۲۰۰۴ء اقبال و اسلامی اُمہ، دکتر انعام الحق کوثر، قافلہ ادب اسلامی، لاہور (خصوصی شمارہ علامہ اقبال نمبر) جولائی ۲۰۰۵ء تا دسمبر ۲۰۰۵ء۔

ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی

آپ ہدہ کوئٹہ کے رہنے والے ہیں۔آپ کی تاریخ پیدائش ۱۵/مئی ۱۹۴۰ء ہے۔آپ کی تعلیم ایم۔اے، ایل ایل بی اور پی ایچ ڈی ہے۔آپ براہوئی زبان کے مشہور ادیب اور محقق ہیں۔براہوئی کے علاوہ اُردو اور انگریزی میں بھی متعدد مضامین لکھ چکے ہیں۔براہوئی اور اُردو کی بیس کتابوں کے مصنف اور مولف ہیں۔آپ کی لائبریری میں قلمی کتابوں کی بھی اچھی خاصی تعداد ہے۔ان میں سے فارسی قلمی نسخوں کا ذکر مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان کی مطبوعہ فہرست میں موجود ہے۔[۴۵]

آپ نے براہوئی میں ایک کتابچہ بعنوان علامہ محمد اقبال لکھا ہے۔جسے براہوئی اکیڈمی کوئٹہ، نے ۱۹۷۸ء میں کوئٹہ سے شائع کیا۔کل صفحات ۳۲۔لکھائی چھپائی معیاری۔

اس میں علامہ اقبال کی زندگی کے مختصر حالات، تصانیف کا مختصر تعارف اور شاعری کے بعض خاص پہلوؤں (خودی، مومن، عشق و عقل، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن شریف، موت، ابلیس، فقر، شاہین، تقدیر، قومیت و وطنیت) کا ذکر کیا گیا ہے۔

آپ کا اُردو کا ایک نہایت اہم مضمون ''علامہ اقبال سے ایک ملاقات'' (حاجی مولانا غلام سرور بارکزئی کی۔ جسے عبدالرحمٰن براہوئی نے ان سے مل کر ریکارڈ کیا) ''بلوچی دنیا'' ملتان ماہ فروری ۱۹۶۹ء میں چھپا تھا۔

پروفیسر رشید احمد

آپ ۱۹۵۰ء میں گورنمنٹ کالج کوئٹہ میں بحیثیت لیکچرار اسلامیات تعینات ہوئے۔ مختلف عہدوں پر ترقی کرتے ہوئے ناظم تعلیمات (کالجز) کے عہدے سے ۱۹۸۱ء میں ریٹائر ہوئے اور اسی خطے میں رہائش پذیر ہیں۔ آپ کی ایک مشہور کتاب تاریخ مذاہب ہے۔ دوسری کتاب کا عنوان ہے: مسلمانوں کے سیاسی افکار ناشر: ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، سال اشاعت ۱۹۶۰ء۔

یہ کتاب تیرہ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں قرآنی نظریہ اسلامی سلطنت کی توضیح کی گئی ہے۔ باقی ابواب میں بارہ مسلمان مفکرین (ان میں سے ایک علامہ اقبال ہیں)[۴۶] کے حالات زندگی، ان کی کتابوں اور سیاسی نظریات کے متعلق مختصر جائزے ہیں۔

پروفیسر رشید احمد کا اسلوب بیان ابہام سے مبرا ہے۔ وہ سادگی کے دلدادہ ہیں اور قارئین کے لیے مضمون میں دل چسپی پیدا کرنے میں کافی کامیاب نظر آتے ہیں۔ یہ اس خاص صنف ادب میں ایک قابل تعریف اضافہ ہے۔ ہمارے موضوع سے متعلق پروفیسر رشید احمد کے دو اور مضمون بھی شائع ہوئے۔

اقبال مجدد عصر، ہمایوں، لاہور، اگست ۱۹۵۱ء

اقبال کے سیاسی افکار، ثقافت، لاہور، اکتوبر ۱۹۵۹

ریاض قمر

نام ریاض حسین، قلمی نام ریاض قمر، بلوچستان کا مشہور شاعر، ادیب اور صحافی (کوئٹہ میں اقامت پذیر تھے)۔ روزنامہ میزان، کوئٹہ میں قطعہ نگاری کی۔ روزنامہ مشرق، کوئٹہ کا ادبی صفحہ ترتیب دیتا رہا اور ہر روز قطعہ بھی لکھتا رہا۔ ریاض قمر کوئٹہ کی ادبی سرگرمیوں میں بھر پور حصہ لیتا رہا۔ مختلف ادبی انجمنوں کا ممبر رہا۔ ''قلم قبیلہ'' کا ایک فعال کارکن رہا۔ پندرہ روزہ وادی کوئٹہ میں بلوچستان کے شعرا کا تعارف لکھتا رہا۔ جسے بعد میں کتابی صورت میں بھی منظر عام پر لانے کا پروگرام تھا۔ روزنامہ کوہستان انٹرنیشنل کوئٹہ کے ادبی صفحہ کا انچارج رہا۔

''شاعر قوم'' کے عنوان سے اور اقبال کی زمین میں ان کی ایک غزل ملاحظہ کیجیے۔

شب کے صحرا میں بھٹکے ہوئے کارواں کے لیے
کوئی رستہ نہ تھا
کوئی منزل نہ تھی
تیرگی کے سمندر کی کوئی لہر
نور آشنا نہ تھی
شب کے صحرا میں بھٹکا ہوا کارواں
آ گہی سے تہی
زندگی سے تہی
اپنے بے سمت جذبوں کے ہنگام میں
مضمحل حوصلوں کی صلیبیں اٹھائے ہوئے
شب کے صحرا میں چلتا رہا
روشنی کو ترستا رہا
شب کے صحرا میں بھٹکے ہوئے کارواں کے لیے
شاعر قوم
تو اک ستارہ بنا
عزم و ہمت کا اک استعارہ بنا
تیرے افکار کی روشنی
تیرے اشعار کی دلکشی
اک بشارت بنی
اک نوید مسرت بنی
مضمحل حوصلوں کو جواں زندگی مل گئی
تیرگی کے سمندر کی ہر ایک لہر نور آسا ہوئی
شب زدوں کو نئی روشنی مل گئی

ان کی ایک اور غزل بھی اقبال ہی کو زمین میں ملاحظہ کیجیے:

اقبال کی زمین میں ایک غزل

چلی ہے دل کے خرابے میں اب کے باد مراد
فضا میں پھول کھلے ہیں نظر نظر آباد
یہ بزم شعلہ رخاں ہے کہ روشنی کا جہاں
ہجوم شوق فروزاں ہے حوصلہ ہے زیاد
خوشی مناؤ کہ اس بے وفا زمانے میں
کسی کی زلف کا سایہ ہے زندگی ایجاد
عجیب شان سے اترا ہے تری یاد کا چاند
میں دل کا نام رکھوں اب کے کہکشاں آباد
چلا ہے تیشہ بکلب منزل تمنا کو
مرے وطن کا ہر اک فرد ہے نیا فرہاد
بہت قریب ہے وہ دن کے جلتے صحرا میں
کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد
قمر کسی کی نظر دے گئی ہے جرات شوق
زباں پہ ٹوٹ کے آیا ہے آج حرف مراد

پروفیسر سعید احمد رفیق

آپ ۱۹۴۹ء میں گورنمنٹ کالج کوئٹہ (جو اب سائنس کالج کہلاتا ہے اور اس زمانے میں بلوچستان کا واحد کالج تھا) میں بحیثیت لیکچرار فلسفہ تعینات ہوئے اور یہیں سکونت پذیر ہوئے۔ آپ کئی عہدوں پر فائز رہے۔ ۱۹۷۶ء میں پرنسپل گورنمنٹ کالج سریاب روڈ کوئٹہ کے عہدہ سے ریٹائر ہو کر بلوچستان ٹیکسٹ بک بورڈ کوئٹہ سے منسلک ہوئے۔ یہاں کی علمی اور ادبی سرگرمیوں میں گرم جوشی سے حصہ لیتے آئے ہیں۔ علامہ اقبال کے افکار کو پھیلانے کے سلسلے میں ایک فعال اور متحرک شخصیت کے مالک ہیں۔ آپ کی ایک مشہور کتاب اقبال کا نظریۂ اخلاق ہے۔ اسے ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور نے ۱۹۶۰ء میں شائع کیا۔ ضخامت ۲۱۴ صفحات، لکھائی چھپائی معیاری۔ اس کے اب تک دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

یہ کتاب علامہ اقبال کے اخلاقی نظریات کو منظم شکل میں پیش کرنے کی ایک کوشش ہے۔ مصنف کو اُردو کے ایک معروف صحافی اور علامہ اقبال کے ایک ذاتی دوست مولانا عبدالمجید سالک مرحوم کی رہنمائی حاصل تھی۔ مولانا سالک کتاب کے صرف تین باب ہی پڑھ سکے۔

کتاب آٹھ ابواب میں منقسم ہے جو تصور خودی، عمل کی مثبت اور منفی اقدار، فرد اور ملت اور اخلاقیات و مابعد الطبیعیات کے باہمی رشتہ سے متعلق ہیں۔ مصنف محض اقبال کے بنیادی، اخلاقی نظریات کو واضح کرنے میں ہی کامیاب نہیں ہوئے ہیں بلکہ انھوں نے اقبال کو مسلم مفکرین کے جھرمٹ میں رکھ کر تقابلی مطالعہ بھی پیش کیا ہے۔

علامہ اقبال کا نظریہ اخلاقیات اسلامی تعلیمات پر مبنی ہے۔ ان پر مولانا رومی کا بہت زیادہ اثر ہے۔ ان کا نظریہ ''فوق البشر'' نطشے سے بالکل مختلف ہے۔ نطشے کے نزدیک بلند ترین اخلاقی اصول طاقت تھا، خواہ اس کا استعمال صحیح طریقے سے ہو یا غلط طریقے سے۔ علامہ اقبال عجمی تصوف کے سخت خلاف تھے کیونکہ وہ رہبانیت کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ ایک متحرک زندگی کے خواہاں تھے جس کی رہنمائی عشق کرے۔

مابعد الطبیعیات کسی بھی اخلاقی نظام کے لیے ایک لازمی چیز ہے۔ اسلامی ضابطہ اخلاق کی بنیاد بھی اسی قسم کا ایک مابعد الطبیعیاتی اصول ہے، یعنی توحید، نبوت، آزادی، قوت ارادی اور حیات بعد الممات میں یقین رکھنا۔

مصنف کا طرز بیان سادہ اور رواں ہے۔ انھوں نے اپنے دلائل کے ساتھ اقبال کے اُردو اور فارسی شعر بکثرت پیش کیے ہیں۔ کتاب ان صاحبان کے لیے بہت مفید ہے جو اقبال کے خیالات سے واقفیت چاہتے ہیں۔

پروفیسر سعید احمد رفیق نے علامہ اقبال سے متعلق مندرجہ ذیل مقالات بھی تحریر کیے ہیں:

۱- اسلامی نظریہ سیاسیات: ہمایوں، لاہور، اپریل ۱۹۴۴ء

یہ علامہ اقبال کے ایک انگریزی مضمون کا ترجمہ ہے جو ۱۹۰۸ء میں سوشیالوجیکل ریویو لندن میں شائع ہوا تھا۔ سید نذیر نیازی نے بھی اس کا ترجمہ کیا ہے لیکن بہت بعد میں۔

۲- بین الاقوامیت یا انسانیت: [۴۷] عالمگیر، لاہور، ستمبر ۱۹۴۹ء

۳- اقبال اور آزادی ارادہ: ہمایوں، لاہور، نومبر ۱۹۵۰ء

۴- اقبال کا نظریہ خودی اور نظام خودی پر اس کا اثر (انگریزی) فلاسفیکل کانگرس کے سالانہ

اجلاس ۱۹۵۴ء میں پیش کیا گیا۔

۵- اقبال کا نظریہ اخلاق[۴۹] (مضمون): اقبال، لاہور اپریل ۱۹۵۷ء

۶- اقبال اور نطشے:[۵۰] کامران، سرگودھا، جولائی ۱۹۵۹ء

۷- پولٹیکل فلاسفی آف اقبال: فلاسفیکل کانگریس کا سترہواں سیشن لاہور میں ۲۰-۲۲ر اکتوبر ۱۹۵۷ء کو منعقد ہوا۔ اس سال پہلی مرتبہ اقبال سیکشن کا قیام عمل میں لایا گیا۔ بحثیت صدر سیکشن پروفیسر سعید احمد رفیق نے مذکورہ عنوان سے خطبہ صدارت پیش کیا۔

۸- یوم اقبال کی متعدد تقاریب اور ریڈیو پر اقبال کے فکر اور شعر کے مختلف پہلوؤں پر تقاریر اور مقالات: مثلاً، اقبال کا نظریہ عقل، اقبال کا نظریہ علم، اقبال بچوں کا شاعر، مجدد عصر، اقبال لیکچررز کی روشنی میں، اقبال بحثیت شاعر۔

مسز سلطانہ یاسمین نظامی

ممتاز ادیب و شاعر امداد نظامی کی اہلیہ تھیں۔ پروفیسر ابوبکر، اے۔ حلیم کے علمی گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ ابتداً صرف افسانے اور ہلکے پھلکے مضامین لکھتی تھیں۔ اس کے بعد تحقیقی کاوشوں کا آغاز کیا۔ مکمل ہونے والے کام میں شامل ہیں: ادبیات پاکستان، سخن اور سخن ور، نشان جگر سوختہ اور اقبال اور اقبالیات۔

اقبال اور اقبالیات کے اہم عنوانات یہ ہیں:

۱- اقبال، شخصیت اور ذہنی ارتقا

۲- اقبال مصور پاکستان

۳- تصانیف اقبال کے انگریزی تراجم

۴- اقبال اور ایران

۵- اقبال کی چند اہم نظمیں

۶- خطبات اقبال کا تجزیہ وتشریح

۷- اقبال کا فارسی اسلوب شاعری

۸- اقبال کا تصور توحید

۹- اقبال کا تصور خودی

۱۰- اقبال کا تصورِ فقر

۱۱- اقبال کے غیر ملکی سفر اور ان کے اثرات

۱۲- اقبال کی غزل گوئی

۱۳- اقبال کا شعور فن

ش ضحیٰ

اصل نام سید شمس الضحیٰ[۵۱] تھا۔ لکھتے ش ضحیٰ، تھے اور اسی نام سے شہرت پائی۔ آپ ۲۰ر جولائی ۱۹۲۴ء کو مظفر پور (صوبہ بہار) میں پیدا ہوئے۔ پٹنہ یونی ورسٹی اور علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں تعلیم پائی۔

اُردو ادب سے آپ کی دل چسپی خاندانی ورثہ تھی۔ کاشف الحقائق کے مصنف نواب شمس العلما سید امداد امام اثر مرحوم آپ کے نانا تھے۔ بہار اور بنگال کے معروف شاعر علامہ جمیل مظہری آپ کے پھپھیرے بھائی ہوتے ہیں۔ تاریخ میں فارسی کی متصوفانہ شاعری کے سلسلے میں بہار کے مشہور صوفی بزرگ شاہ شرف الدین یحییٰ منیری کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ان سے ش ضحیٰ کو جدی نسبت تھی۔

آپ کی شاعری کی ابتدا غالباً ۱۹۴۰ء میں ہوئی۔ کراچی آنے تک "شمس ہاشمی" کے نام سے لکھا کرتے تھے اور ان کی نظمیں ندیم (گیا)، معاصر (پٹنہ) اور آج کل (دہلی) وغیرہ میں چھپی تھیں۔

۱۹۴۷ء میں کراچی آئے، ۱۹۴۸ء کے اوائل میں سنڈیمن ہائر سیکنڈری سکول کوئٹہ میں تعینات ہوئے۔ اسی سال جب یہ سکول گورنمنٹ کالج بنا تو بحیثیت لیکچرار جغرافیہ کالج سے وابستہ ہوگئے۔ اس وقت کالج کا تدریسی عملہ آغا احمد حسین، آغا صادق، انور رومان، ش ضحیٰ اور نوشہ حسین نقوی پر مشتمل تھا۔ دیگر حضرات (خلیل صدیقی، سعید احمد رفیق، عزیز الدین وغیرہ) بعد میں تشریف لائے تھے۔

آپ ۱۹۵۴ء تک گورنمنٹ کالج کوئٹہ میں جغرافیہ کے لیکچرار رہے۔ پھر کراچی اُردو کالج اور کراچی یونی ورسٹی کے شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز رہے اور خاموشی کے ساتھ علمی خدمات انجام دیتے ہوئے ۱۹۶۸ء کے آخر میں اللہ کو پیارے ہوئے۔

آپ نے کوئٹے کی علمی اور ادبی سرگرمیوں میں نمایاں حصہ لیا۔ آپ کی ادبی زندگی (۱۹۴۷ء تا ۱۹۵۴ء) ایک مکمل دور ہے۔ اس دور کی چند نظموں کے سوا بیشتر نظمیں کوئٹہ میں کہی گئی

تھیں۔ جو ماہ نو[۵۲] کراچی اور ادب لطیف لاہور کے علاوہ کوئٹہ کے مقامی اخبار زمانہ، اخبار بلوچستان وغیرہ میں بھی شائع ہوتی رہیں۔ نظموں کے علاوہ بلوچستان پر چند مضامین (۱- بلوچستان کے باشندے ۲- ہمارا بلوچستان ۳- قدیم بلوچستان) شائع ہوئے تھے۔ یہ مضامین ماہ نو کراچی میں چھپے تھے۔ مضمون نمبر ۳ بعد میں ''روح ادب'' لاہور میں بھی شائع ہوا۔

آپ نے ۱۹۶۷ء[۵۳] میں ہمارے استفسار پر لکھا تھا: ''کوئٹہ کی ادبی سرگرمیوں کے متعلق مختصراً یہ ہے کہ پہلی مرتبہ میں نے گورنمنٹ کالج کے یوم اقبال کی تقریب میں اپنی نظم علامہ اقبال کی خدمت میں خود پڑھ کر سنائی۔ اس کے بعد اکثر و بیشتر مشاعروں میں کچھ نہ کچھ پڑھتا رہا۔ چھاؤنی کا ایک مشاعرہ عبدالحمید عدم کی صدارت میں، ایک آل پاکستان قسم کا مشاعرہ میونسپل باغ میں مولانا عبدالمجید سالک کی صدارت میں، متعدد مشاعرے مختلف جگہوں پر ٹاؤن ہال میں (یوم اقبال کے موقع پر) خود میرے غریب خانہ پر عدم اور ان کے ساتھ چند دیگر شعرائے کرام کی نشستیں،...... یہ چند باتیں یاد آ رہی ہیں۔''

ش صحیٰ کی پہلی نظم جو کوئٹہ میں لکھی گئی تھی، اس کا عنوان تھا: ''علامہ اقبال کی خدمت میں''[۵۴] اس میں جذبات کی شدت کے ساتھ ساتھ رعنائی بیان کی بلندی و تازگی اور اقبال کی تصانیف اور اشعار کے فنکارانہ ذکر نے نظم میں ایک امتیازی رنگ پیدا کر دیا ہے۔ سب سے بڑھ کر اس میں وہ واقفیت جھلکتی ہے جو اُردو شاعری میں عام نہیں:

میں تری یاد میں گلہائے عقیدت کے عوض
مے خوناب سے لبریز سبو لایا ہوں!
''بال جبریل'' کی سوگند تجھے، دیکھ تو لے
تیرے جاں باز شہیدوں کا لہو لایا ہوں!

یہ انھیں کا ہے لہو جو تھے غلام ابن غلام
جن کی گفتار میں شوخی تھی نہ کردار میں آگ!
آج اونچا ہے ہمالہ سے بھی پرچم جن کا
جن کی ہر بات میں للکار ہے، تلوار میں آگ!

تو نے تاریخ کی زلفوں میں کیا تھا شانہ
ہم نے صندل کی تاثیر کے عوض خون جگر گھول دیا!

تیری آواز کی تاثیر تھی یا ضرب کلیم
ہند میں شوکت اسلام کا در کھول دیا

قرطبہ جا کے لٹائے تھے جو آنسو تو نے
مہر و مہ بن کے کراچی میں درخشاں ہیں آج!
فرط غم یہ ہے کہ مژدہ یہ سنائیں کس کو
مور بے مایہ نہیں ہم تو سلیماں ہیں آج!

کھول دے روزن فردوس، خودی کے صدقے
اپنے دیرینہ نشیمن کی بہاروں کو تو دیکھ!
دیکھ کشمیر کی وادی میں تبسم اپنا
سر بکف مرد مجاہد کی قطاروں کو تو دیکھ!!

علامہ اقبال کے حضور![۵۵]

یہ نظم بھی یوم اقبال گورنمنٹ کالج کوئٹہ کی یادگار ہے۔ جوش ضحیٰ صاحب نے خود پڑھی تھی۔ یہ ۱۹۴۹ء میں کہی گئی۔

زمیں سے دور، خدا کی حسین جنت میں
کنار کوثر و تسنیم جھومنے والے!
ترے حضور بہ صد احترام لایا ہوں
وہ چند اشک جو آنکھوں میں بن گئے چھالے!

خطا معاف! کہ تجھ سے مجھے بھی ہے الفت
ترے کلام نے مجھ کو بھی زندگی دی ہے
میرے حبیب! مرے شاعر حیات! مگر
ابھی حیات کفن در کفن سسکتی ہے

ترے غریب ابھی تک ہیں خواب آلودہ
کہ خواب سے انھیں ہم بھی جگا نہیں سکتے
فلک نما ہیں امیروں کے کاخ رنگا رنگ
ہم اک اینٹ بھی اس کی ہلا نہیں سکتے!

ابھی تو نقش کہن کی حفاظتوں کے لیے
بنائی جاتی ہے ہر روز اک نئی تلوار
تراشا جاتا ہے ہر روز اک نیا حیلہ
بہت لطیف، بہت خوشنما، بہت بیکار!

افق سے لے کر افق تک خلا کے سینے میں
جو درد ہے اسے کوئی چھپا نہیں سکتا!
مگر تجھے یہ بتادوں کہ ان غریبوں کو
تھپک تھپک کے یہ حیلہ سلا نہیں سکتا!

وہ بدنصیب، وہ دہقاں فاقہ کش جس نے
ہر ایک دانہ گندم کو کر دیا گوہر
وہ اک عجیب تبسم کے ساتھ جاگے گا بڑھے گا ہاتھ
میں مشعل لیے بہ عزم دگر
ترے کلام کی تکمیل کرکے چھوڑے گا!
ترے پیام کی تعمیل کرکے چھوڑے گا!

ذوق نمو[۵۶]

ٹاؤن ہال کوئٹہ بزم اقبال کے موقع پر پڑھی گئی تھی۔ دوبارہ کوئٹہ چھاؤنی کے مشاعرہ (بسلسلہ یوم اقبال) پڑھی تھی۔ عبدالحمید عدم کی صدارت میں...... یہ ۱۹۵۱ء میں کہی گئی۔

ہے رنگ فضا کا دلبرانہ
آیا ہے خمار کا زمانہ
شبنم نے رباب برگ گل پر
چھیڑا ہے بہار کا ترانہ

گلشن میں مچی ہوئی ہے ہلچل
ہر شاخ سے پھوٹتی ہے کونپل
کانٹوں پہ نکھار آرہا ہے
کلیوں کا سرک رہا ہے آنچل

سنبل نے اٹھا لیا ہے شانہ
نرگس کی نظر ہے عارفانہ
سوسن کا تو ذکر ہی نہ کیجیے
ہر بات ہے اس کی ایک فسانہ

اک حشر نمو ہے آج برپا
انگڑائیاں لے رہا ہے سبزہ
صف بستہ چنار جھومتے ہیں
وادی ہے تمام ایک نغمہ

دریا میں حباب تیرتا ہے
صحرا کو بھی وجد آ گیا ہے
اللہ رے ذوق خودنمائی
ذرہ بھی گہر بنا ہوا ہے

''کاریز'' کا سیم پاش پانی
یہ اس کی چھپی چھپی روانی
کہسار کے دل کی آرزو ہے
ہے جذب دروں کی اک کہانی

یہ موسم گل یہ اس کے جلوے
جلوے یہ تمام ہیں خودی کے
اے وادی شال! تیرے قرباں
ہم کو بھی یہ بانک پن سکھا دے

ہم کو بھی یہ رنگ و بو عطا کر
یہ منزل آرزو عطا کر
اس میکدہ زمردیں سے
صدقے ترے! اک سبو عطا کر

شاہد اقبال کامران

شاہد اقبال کامران نے اقبال در سیات پاکستان میں (تحقیقی مطالعہ) مقالہ برائے ایم فل اقبالیات زیر نگرانی پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی تحریر کر کے شعبہ اقبالیات، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی اسلام آباد کو پیش کیا اور کامیابی حاصل کی۔

اس کا سال تکمیل ۱۹۹۰ء ہے اور یہ ۲۹۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں پاکستان کے سب صوبوں، (بلوچستان، پنجاب، سندھ، سرحد) کی درسی کتب کا جائزہ پیش کر کے تحقیق کے نتائج سے بھی آگاہ کیا گیا ہے۔

شاہد اقبال کامران کی یہ تحقیق بعنوان اقبالیات درسی کتب میں ۱۹۹۳ء میں انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، نصر چیمبر، بلاک ۱۹، مرکز ایف/۷ اسلام آباد نے شائع کی۔ کل صفحات ۲۴۰ ہیں۔ صوری و معنوی لحاظ سے دیدہ زیب ہے۔

ابتدا میں تعارف از پروفیسر ڈاکٹر محمد ریاض، علامہ اقبال اور پاکستانی درسیات از ڈاکٹر معین الدین عقیل اور علامہ اقبال اور پاکستانی درسیات از ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی شامل کیے گئے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر سلطان الطاف علی

آپ چار مارچ ۱۹۴۰ء کو حضرت سلطان محمد نواز کے گھر پیدا ہوئے۔ جن کا تعلق حضرت سلطان العارفین سلطان باہو (۱۰۳۹ھ/۱۶۲۹.....۱۱۰۲ھ/۱۶۹۱ھ) کے خاندان سے ہے۔ آپ ایم۔اے (فارسی، سیاسیات) ایل۔ایل۔بی اور پی۔ایچ۔ڈی ہیں۔ رسالہ دکتری کا عنوان تھا:

تحقیق درباره احوال و آثار فارسی سلطان باہو و نظری در افکاروی

آپ پیچی بیگ کوئٹہ میں رہائش پذیر ہیں۔ متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ابیات باہو مع ترجمہ و شرح (لاہور، ۱۹۷۵ء ۶۳۶ صفحات)، ترجمہ تاریخ نامہ ہرات از سیف ہروی (کوئٹہ، ۱۹۸۸ء، ۹۰۰ صفحات) حضرت سلطان باہو کے حالات زندگی، فارسی تصانیف اور افکار پر ایوارڈ مل چکے ہیں۔

آپ ۱۹۶۸ء میں گورنمنٹ کالج ژوب میں بحیثیت لیکچرار فارسی تعینات ہوئے۔ بعد ازاں بلوچستان کے کئی کالجوں کے پرنسپل اور چیئرمین بلوچستان ٹیکسٹ بک بورڈ رہے ہیں۔ علمی و ادبی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیتے ہیں۔ کئی انجمنوں کے رکن اور عہدے دار (مثلاً جنرل سیکرٹری قلم قبیلہ ادبی ٹرسٹ کوئٹہ، رہے، سربراہ بزم باہو بلوچستان کوئٹہ، نگران اعلیٰ میگزین دستگیر، کوئٹہ، منتظم اعلیٰ سالانہ حق باہو کانفرنس کوئٹہ) ہیں۔

علامہ اقبال کے افکار و خیالات کا خصوصی مطالعہ کیا ہے۔ تحریر و تقریر کے ذریعے سے اپنا حق ادا کرتے رہتے ہیں۔ ۱۹۸۷ء میں علامہ اقبال اور بلوچستان پر تفصیلی تبصرہ تحریر کرنے کے بعد نوجوانوں کو اقبال کے کلام کا مفصل مطالعہ کرنے کی دعوت دیتے ہوئے کہتے ہیں ۔

ہو نہ تسکین دل تو میں ضامن
تو ذرا میکدہ میں آ تو سہی

علاوہ ازیں ڈاکٹر سلطان الطاف علی صاحب کو اس کتاب میں اپنے ژوب کے اس شاگرد کے سوال کا جواب ملا۔ جس نے یہ دریافت کرنے کی جسارت کی تھی کہ بلوچستان کی فضاؤں نے علامہ اقبال سے کس طرح اور کس حد تک فیض حاصل کیا ہے؟

ڈاکٹر سلطان الطاف علی نے اپنا ایک اہم مقالہ ''علامہ اقبال اور عشق رسول'' قلم قبیلہ ادبی ٹرسٹ کوئٹہ میں تقریب بیاد اقبال ۵ر دسمبر ۱۹۹۲ء میں پیش کیا تھا۔ (روزنامہ مشرق کوئٹہ ۲۰ دسمبر ۱۹۹۲ء) ان کا ایک وقیع مقالہ ''اقبال درنظر رہبر ملت ایران'' سہ ماہی دانش اسلام آباد (دسمبر ۱۹۹۳ء) میں چھپ چکا ہے۔

پروفیسر سلطان الطاف علی اپنی کتاب ابیات باہو (لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۴۹) کے دیباچہ میں بعنوان ''حضرت سلطان العارفین سلطان باہو و علامہ اقبال'' لکھتے ہیں:

یہ امر قابل بیان ہے کہ شاعر مشرق علامہ اقبالؒ (۱۸۷۷ء......۱۹۳۸ء) کے کلام میں حضرت سلطان العارفین سلطان باہوؒ کی تعلیمات کے اثرات ملتے ہیں۔

حضرت سلطان العارفین فرماتے ہیں:

ایہہ تن رب سچے دا حجرا وچ پا فقیرا جھاتی ہو

(حصہ الف بیت ۱۷)

اقبال فرماتے ہیں:

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی

حضرت سلطان العارفین کا مثالی پر پرواز شہباز ہے۔ علامہ اقبال نے بھی شہباز کی خصوصیات کو پسند کر کے انھیں کی طرح بارہا اپنے کلام میں استعمال کیا ہے۔ حضرت سلطان العارفین کی طرح اقبالؒ نے بھی جو صوفیانہ رنگ میں الفاظ و اصطلاحات استعمال کیے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

مثلاً باز، شہباز، عشق، فقر، فقیر، فقیری، مرشد، عارف، ملا، زاہد، عاشق، عالم وغیرہ

حضرت سلطان العارفین نے طالب مولا بننے کی تلقین کی ہے اور فرمایا:

نان دل میرا دوزخ منگے ناں شوق بہشتیں راضی ہو

(حصہ ن بیت ۱۸۱)

علامہ اقبال فرماتے ہیں:

حور و خیام سے گزر بادہ و جام سے گزر

بلکہ ؎

یزداں بکمند آور ای ہمت مردانہ

علامہ اقبال کے کلام میں جابجا اس قسم کے خیالات اور بعینہ ایسی اصطلاحات کو دیکھ کر مجھے خیال ہوا کہ علامہ صاحب نے جہاں رومیؒ سے روحانی فیض حاصل کیا ہے اس کے ساتھ ہی لازماً انھوں نے افغانستان، ایران و ہندو پاکستان کے صوفیائے کرام کے کلام کا بھی گہرا مطالعہ کیا ہوگا۔ چنانچہ اسی خیال کی تصدیق کے لیے میں نے لاہور میں شورش کاشمیری صاحب سے ۱۹۶۴ء میں ان کے دفتر ''ہفتہ وار چٹان'' میں ملاقات کی۔ میرے استفسار کرنے پر شورش صاحب نے فرمایا: ''علامہ صاحب نے یقیناً حضرت سلطان باہوؒ کے کلام کا مطالعہ کیا ہے اور اس سے تاثرات بھی حاصل کیے ہیں۔'' اس کے بعد شورش صاحب نے واقعہ سنایا کہ ایک بار علامہ صاحب حضرت سلطان العارفین کے پنجابی ابیات پڑھ رہے تھے اور جب یہ مصرعہ پڑھا:

تاڑی مار اڈاؤ نہ باہو اساں آپے اڈن ہارے ہو

(حصہ چ - بیت ۴۷)

تو علامہ اقبال بے تحاشا رونے لگے۔

موتوا قبل ان تموتو: ابیات میں اس امر کی تلقین کی گئی ہے کہ اپنی ہستی کو حصول مقصد کے لیے فنا کر دیا جائے۔ مثلاً فرمایا:

باہو باجھ مویاں نہیں حاصل تھیندا توڑے سے سے سانگ اتارے ہو

(حصہ ت - بیت ۴۷)

واہ نصیب انہاں دا باہو جہڑا وچ حیاتی مردا ہو

(حصہ ج - بیت ۶۴)

مرن توں اگے مر گئے باہو تاں مطلب نوں پایا ہو

(حصہ ج - بیت ۶۰)

مرن تھیں مر رہے اگے باہو جنہاں حق دی رمز پچھاتی ہو

(حصہ الف - بیت ۱۷)

شرافت عباس

ایم-اے فارسی، ایم -اے اُردو-ایم-اے پولیٹیکل سائنس، (ایم-فل) اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ فارسی دانش گاہ بلوچستان کوئٹہ۔

کئی سال جامعہ بلوچستان کوئٹہ میں اُردو زبان و ادبیات، صحافتی اُردو اور فارسی ادبیات کے استاد رہے۔

اقبالیات کے سلسلے میں شرافت عباس کا کام متنوع اور ہمہ جہت ہے۔ انجمن فارسی بلوچستان کے سیمیناروں اور دیگر تقریبات میں ان کے مقالے، یوم اقبال کے موقعوں پر ان کی تقریریں اور تحریریں، ریڈیو اور ٹی وی سے اقبال کے سلسلے میں ہونے والے پروگراموں میں ان کی گفتگو اور اخبارات و رسائل میں اقبال کے فکر و فن اور شخصیت کے موضوع پر ان کی تحریریں جانی پہچانی ہیں۔ اس کے علاوہ اُردو اور فارسی میں علامہ اقبال کے حوالے سے ان کی طویل نظمیں، غنایے اور ریڈیائی فیچر بھی قابل ذکر ہیں۔ اقبالیات کے حوالے سے گذشتہ تقریباً ۱۲سال کے دوران شرافت عباس کی خدمات کا احاطہ کچھ یوں کیا جاسکتا ہے۔

منظومات:

اقبال مرد خود آ گاہ، جنگ کوئٹہ اپریل ۱۹۸۶ء

دانائے راز طویل نظم مع اشعار فارسی، جنگ کوئٹہ نومبر ۱۹۸۶ء

غنائیہ دیدہ ور (مکالمہ)، صریر بولان کوئٹہ ۱۹۹۳ء

من و اقبال (مکالمہ) شعر فارسی، صریر بولان کوئٹہ ۱۹۹۳ء

اقبال اور کشمیر شعر طویل اُردو، جنگ کوئٹہ نومبر ۱۹۹۵ء

مقالہ جات

۱- اقبال اور علی شریعتی کے مشترکہ ذہنی روابط، مقالہ، انجمن فارسی بلوچستان کوئٹہ، اپریل ۱۹۹۲ء

۲- آج کے دور میں اقبال شناسی کی اہمیت، مقالہ، ادارہ دانش، کوئٹہ ۱۹۹۴ء

۳- غالب اور اقبال، مقالہ، شعبہ فارسی، دانش گاہ بلوچستان کوئٹہ، اپریل ۱۹۹۴ء

۴- اقبال اور رموز عشق، مقالہ، سرآب شعبہ اُردو، دانش گاہ بلوچستان، ۱۹۹۵ء

۵- ایران میں اقبال شناسی کا ارتقا، مقالہ، یوم اقبال، ادارہ دانش کوئٹہ، ۱۹۹۶ء

۶- پاکستانی نفسیات کی تشکیل میں اقبال کا حصہ، مقالہ بعنوان خطبہ صدارت، F.G. کالج کوئٹہ یوم اقبال، ۱۹۹۴ء

۷- اقبال کے کلام میں ''نوجوان'' تقریر بصورت مقالہ، کیڈٹ کالج مستونگ، ۱۹۹۴ء

۸- اقبال کا پیغام نسل نو کے نام، تقریر بصورت مقالہ، تنظیم اصلاح نوجوانان کوئٹہ، ۱۹۹۵ء

ریڈیو پاکستان کوئٹہ سے علامہ اقبال کے فکروفن اور پیغام کے بارے میں اب تک اُردو اور فارسی میں ۵۰ سے زیادہ تقریریں کر چکے ہیں۔ اس ضمن میں شرافت عباس کی وہ تقریریں قابل ذکر ہیں جو انھوں نے ۹۴/۱۹۹۳ء میں ''اتحاد بین المسلمین اور اقبال کا پیغام'' کے حوالے سے کیں اور جن پر حکومت پاکستان کی طرف سے ان کا تحریری شکریہ ادا کیا گیا۔

شرافت عباس ریڈیو پاکستان کوئٹہ کے ہزارگی پروگرام میں اقبال کے حوالے سے تقاریر کا ایک پورا سلسلہ نشر کر چکے ہیں۔

اقبال کے حوالے سے ان کے فیچر، فکری پہلو اور غنائیت کا امتزاج ہیں اور ان کی نظموں میں بھی یہی اوصاف پائے جاتے ہیں۔ ذیل میں ان کی اُردو اور فارسی کی دو طویل نظموں سے انتخاب پیش کیا جاتا ہے۔

ما و اقبال

دوش اقبال را دیدم کہ بخوابم آمد
شرح صد نکتہ ہستی بجوابم آمد
گفتم اے شاعر امروز و حکیم فردا
می وزد از دمت امروز نسیم فردا
ما کہ از شعر پر انوار تو تابندہ شدیم
اے مسیحا نفسی از دم تو زندہ شدیم
باز کر دی تو در غرب سوئے خاور ما
نکتہ تازہ بگو ہم نفس و یاور ما
یعنی امروز سبب چیست کہ نگران ہستیم
ما مسلمان چرا زار و پریشان ہستیم
گاہ سجدہ بہ دریک گہے بہ درب دگر

گفت اقبال کہ الزامی شدہ ضرب دگر
''مسلم'' از بے بصری بندگی آدم کرد
گوہرے داشت ولے نذر قباد و جم کرد
یعنی از خوئے غلامی زسگان خوارتر است
من ندیدم کہ سگے پیش سگے سرخم کرد
گفتم اے واقف اسرار و رموز انسان
بکشا سری کہ این مزرعہ را حاصل چیست؟
راہ گم کردہ ام و ہیچ ندارم خبری
راہبر کیست مرا، راہ کجا، منزل چیست؟
گفت اقبال کہ اے سادہ و سہل و نادان
از دل شاعر گریان چہ می جوی درمان
''حلقہ بستند سر تربت من نوحہ گران
دلبران زہرہ وشان گلبدنان سیم بران
در چمن قافلہ لالہ و گل رخت کشود
از کجا آمدہ اند این ہمہ خونین جگران
اے کہ در مدرسہ جوئی ادب و دانش و ذوق
نخرد بادہ کس از کارگہ شیشہ گران
خرد افزود مرا درس حکیمان فرنگ
سینہ افروخت مرا صحبت صاحب نظران
برکش آن نغمہ کہ سرمایہ آب و گل تست
اے ز خور رفتہ تہی شو ز نوائے دگران

دیدہ ور

[غنائیہ]

راوی نمبر ا

بہائم بڑھ رہے ہیں فکر ہستی خام ہے ساقی
ہر اک منظر رہین وحشت اوہام ہے ساقی

جدھر بڑھتا ہوں دنیا پیچ در پیچاک ملتی ہے
جہاں جاتا ہوں رستہ دام اندر دام ہے ساقی
یہ دل کی لغزشیں مجھ کو سنبھلنے ہی نہیں دیتیں
گراں مجھ پر یہ رسم گردش ایام ہے ساقی
کوئی ہمدم، کوئی مونس کوئی رہبر نہیں ملتا
بتا میرے لیے اب کیا تیرا پیغام ہے ساقی

راوی نمبر۲

خوشا اے تشنہ جام حقیقت رند فرزانہ
مے عرفان کے طالب واقف اسرار میخانہ
تیرے لہجے سے تیرا جذبہ دل آشکارا ہے
کہ تو رکھتا ہے دل میں درد سے لبریز پیمانہ
تیری باتوں کو سن کر چوٹ پڑتی ہے رگ جاں پر
مگر پھر بھی وضاحت سے بیاں کر اپنا افسانہ

راوی نمبر۱

مرے ساقی نہیں ساغر میں اب صہبائے دیرینہ
لکھا ہے کیا میری قسمت میں درد جام کا پینا
کہاں مقداد و بوذر یاسر و سلیمان و انصاری
کہاں فارابی و رازی کہاں رومی کہاں سینا
مجھے یارا نہیں کہ آج اپنی شکل ہی دیکھوں
اگرچہ ہر گھڑی پیش نظر رکھتا ہوں آئینہ
حدی خوانوں کی آوازیں سنائی کیوں نہیں دیتیں
کہاں گم ہوگئی ہے جلوہ گاہ وادی سینا
مری منزل غبار راہ دار و گیر میں گم ہے
شعاع فکر گویا ابر بے تدبیر میں گم ہے
مجھے آگاہی علم و عمل فکر و نظر دے دے
میرے ساقی مجھے پیمانہ خون جگر دے دے

راوی نمبر۲

تو پختہ تر ہے لیکن فکر تیری خام اب تک
کہ تو ناواقف آغاز یا انجام ہے اب تک
عمل کے واسطے موج تلاطم خیز لازم ہے
مگر تیری نظر میں عرصہ آرام ہے اب تک
نگہ تیری بظاہر آسماں کی رفعتوں پر ہے
مگر مرغ عمل تو آشنائے دام ہے اب تک
تصنع کی نمائش دل کے ایوانوں میں جاری ہے
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے
جدھر اٹھتی ہیں نظریں جشن دار و گیر برپا ہے
قیامت ہے کہ انساں نوع انساں کا شکاری ہے

راوی نمبر۱

مرے ساقی تری نظروں میں کچھ تدبیر تو ہوگی
حریف شام ظلمت آیہ تنویر تو ہوگی
کوئی قصہ، کوئی نغمہ، کوئی پارینہ افسانہ
کوئی یاد زمانہ دل میں گوشہ گیر تو ہوگی
جو تیرے دل میں پوشیدہ ہے وہ صورت عیاں کردے
مجھے بھی واقف اسرار لفظ کن فکاں کردے

راوی نمبر۲

مرے غافل مثال حر خودی کا رازداں ہوجا
عمل کی تیغ ہے قبضے ہمت کا جواں ہوجا
کمال حیدری ہے جذبہ شبیر تجھ میں ہے
سبق تاریخ سے لے عظمتوں کا نکتہ داں ہوجا
عمل کی موج طوفاں خیز پنہاں ہے تیرے دل میں
"تو اے شرمندہ ساحل اچھل کر بیکراں ہوجا"

راوی نمبر۱

مرے ساقی یہ باتیں سچ ہیں لیکن میں یہ سنتا ہوں
کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا
''ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا''
مجھے پند حقیقت دے کہ مجھ پر آشکارا ہو
وہ جوہر کیا ہے جو کرتا ہے اک تازہ سحر پیدا

راوی نمبر۲

اگر ہمت ہے تو اپنا جہاں تو آپ کر پیدا
کہ ہمت ہی سے ہوتے ہیں نئے برگ وثمر پیدا
ابھی تو نے جو قصہ وادی سینا کا چھیڑا تھا
تو سن! ہمت سے پتھر میں بھی ہوتا ہے شرر پیدا
وہ جن کی ہمتیں عالی ہیں وہ غافل نہیں رہتے
جو کم ہمت ہیں ہر سودے میں کرتے ہیں ضرر پیدا
تو ہمت کا دھنی ہے تجھ کو فکر آسماں کیا ہے
چراغ دل جلا کر لے نئے شمس و قمر پیدا

سید صفدر حسین صفدر

آپ چند سال تک بلوچستان (مستونگ، کوئٹہ) میں بحیثیت لیکچرار فلسفہ مقیم ر۔ بعدازاں گورنمنٹ کالج (ایمرسن) ملتان میں درس وتدریس میں مصروف رہے۔ اب اس دنیا میں موجود نہیں۔ بلوچستان میں قیام کے دوران انھوں نے علامہ اقبال سے متعلق جو مضامیں تحریر کیے۔ ان میں سے قابل ذکر یہ ہیں:

۱- اقبال اور اس کی ہمہ گیر شخصیت، چٹان، لاہور، ۸/اپریل ۱۹۶۸ء
۲- فکر اقبال کی رہنمائی، سیارہ ڈائجسٹ، لاہور، جون ۱۹۶۸ء

ظفر مرزا

ظفر علی مرزا، اپریل ۱۹۳۵ء میں کوئٹہ میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج کوئٹہ سے بی-اے کی ڈگری حاصل کی۔ آپ اُردو، پشتو، براہوئی اور فارسی میں ادبی اور ثقافتی مضامین لکھتے رہتے ہیں۔ آپ گورنمنٹ کالج کوئٹہ کے میگزین بولان کے ایڈیٹوریل بورڈ (حصہ اُردو) کے رکن بھی رہے۔ آپ کئی سال تک ریڈیو پاکستان سے وابستہ رہے۔ ریڈیو پاکستان تربت، خضدار اور کوئٹہ کے اسٹیشن ڈائریکٹر رہ کر اب ریٹائر ہو چکے ہیں۔ علامہ اقبال کے کلام سے گہری دل چسپی رکھتے ہیں۔ آپ کا ایک اہم مضمون ہے: ''علامہ اقبال ناشعری نارنگ براہوئی شاعری ٹی''۔ مطبوعہ اولس، بلوچی مارچ ۱۹۷۷ء

ظفر مرزا نے علامہ اقبال کے ''شکوہ'' اور ''جواب شکوہ'' کا براہوئی میں ترجمہ کیا۔ جو ایلم مستونگ کے ۱۹ر مئی ۱۹۶۵ء کے شمارہ میں شائع ہونا شروع ہوا۔ یہ ترجمہ خاصا پسند کیا گیا۔

عابد شاہ عابد

نام سید عابد شاہ تخلص عابد خلف الرشید سید یار محمد شاہ (ذات سید، بخاری) ۱۴ر اگست ۱۹۳۷ء کو کوئٹہ میں پیدا ہوئے۔ آپ ایم-اے (اُردو)، ایم-اے (پشتو) اور پشتو آنرز ہیں۔ پیشہ درس و تدریس (ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ لسانیات، جامعہ بلوچستان، کوئٹہ) خدمات انجام دیتے رہے۔ اُردو اور پشتو میں شعر کہتے اور نثر (ڈرامے، تحقیقی مضامین وغیرہ) لکھتے ہیں۔

شائع شدہ کتب ہیں:

۱- اولسی نقلونہ (پشتو لوک کہانیاں)

۲- سیلاب پشتو عوامی شاعری کی ایک صنف لنڈی کا منظوم ترجمہ

۳- پیر محمد کاکڑ، پشتو شاعری کا اُردو ترجمہ، اسلام آباد، ۱۹۹۰ء

آپ چھ سال (۱۹۸۴ء تا ۱۹۸۹ء) تک پشتو اکیڈمی کوئٹہ کے صدر رہے۔ نیشنل فلم ایوارڈ کے جیوری ممبر رہے۔ قلم قبیلہ کوئٹہ کے عہدیدار رہے ہیں۔ آج کل بھی پشتو اکیڈمی کے صدر ہیں۔

آپ نے ۱۹۸۳ء میں لاہور میں منعقد ہونے والی دوسری بین الاقوامی علامہ محمد اقبال کانگرس میں ایک مقالہ ''علامہ اقبال اور پشتو ادب'' پڑھا تھا۔ ہمارے موضوع کے اعتبار سے مقالے کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے۔ ہم اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

پشتو زبان کا شمار قدیم زبانوں میں ہوتا ہے۔اس کے آثار داریوش کبیر کے دور کے کتبوں سے ملتے ہیں جو کوہ بے ستون میں موجود ہیں۔ ادبیات ایران میں ان کتبوں کے حوالے سے جس تحریر کا ذکر کیا گیا ہے۔ان کا ترجمہ کچھ اس طرح ہے:

نہ ابر یک یم
نہ براک یم
نہ دروجن یم

اس کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے۔

نہ تو میں ہٹ دھرم تھا
نہ تو میں دروغ گو تھا
اور نہ ہی میں خود سر تھا

اس تحریر سے پشتونوں کے مجموعی مزاج اور کردار کی عکاسی ہوتی ہے۔پشتو چار حرفی لفظ ہے۔

پ-ش-ت و پ۔پت یعنی عزت آبرو
ش-شیگڑہ-یعنی نیکی-ایثار-رواداری
ت-تورہ-یعنی بہادری-غیرت-جرات-حق گوئی
و-وفا

لفظ پشتو کے لغوی معنی قول وقرار، عہد و پیمان کے بھی ہیں اور اسلام کے مترادف بھی سمجھا جاتا ہے۔اس وضاحت سے مصنف کی مراد صرف پشتونوں کے مزاج کی ایک ایسی تصویر پیش کرنا تھی جس کے ذریعے ہم ان کا ایک روشن سا تصور ذہن میں رکھ سکیں۔

''اسلام'' پشتونوں کے مزاج سے مطابقت رکھتا ہے۔اسی لیے وہ من حیث القوم مسلمان ہیں۔اسی کے باعث پشتو کے کلاسیکی ادب میں اخلاقیات کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔خوشحال خان خٹک، رحمان بابا، حمید بابا، علی خان اور حافظ الپوری جیسے نامور شعرا کے ہاں اسلامی تعلیمات، اخلاقیات، رواداری، ایثار، خودشناسی اور توکل کا درس ملتا ہے۔

علامہ اقبال کے افکار اور ان کا مکمل کلام تراجم کے ذریعے پشتونوں تک پہنچ چکا ہے اور پھر خود علامہ صاحب کو پشتونوں سے جو علاقہ رہا ہے وہ ان کی تحریروں سے ظاہر ہے۔اس سلسلے میں محراب گل افغان کے افکار، جمال الدین افغانی، نادر شاہ ابدالی، خوشحال خان کی وصیت اور علامہ صاحب کی یہ مشہور نظم ''اپنی خودی پہچان او غافل افغان'' پیش کی جاسکتی ہیں۔

ضرب کلیم کا پشتو ترجمہ سید محمد تقویم الحق کا کاخیل نے کیا ہے۔اس کے دیباچے میں مولانا عبدالقادر مرحوم لکھتے ہیں: (اُردو ترجمہ)

علامہ نے اپنے فلسفے اور افکار کے اظہار میں کچھ ایسے الفاظ اور تصورات سے کام لیا ہے کہ وہ الفاظ اور تصورات فقط پشتون اور افغان قوم کی زبان، زیست اور فلسفہ حیات سے مطابقت رکھتے ہیں جیسے کوہ، کمر، راغ، کوہستان، کوہسار، باز، شاہین، چرخ وغیرہ۔ یہ ایسے اصطلاحات اور تصورات ہیں جو پشتونوں کی زندگی اور عقیدے کے عین مطابق ہیں۔

پشتو ادب پر علامہ اقبال کے جو نمایاں اثرات مرتب ہوئے ہیں ان کا اندازہ ہم موجودہ صدی کی پشتو شاعری اور ادب سے کر سکتے ہیں۔پشتو کے متعدد شعرا نے ان کا انداز، اسلوب اور اصطلاحات کو اپنی شاعری میں اس طرح سمویا ہے کہ جس سے پشتو شاعری کو ایک نئی سمت ملی۔ سمندر خاں سمندر کی طویل نظم ''دقران ژڑا'' سید رسول رسا کی طویل نظم ''دقران پیغام'' طبع زاد نظمیں ہیں۔لیکن ان میں جو اسلوب اور انداز اختیار کیا گیا ہے اس سے ڈاکٹر اقبال کی تخلیق ''شکوہ اور جواب شکوہ'' کے اثرات کلی طور پر ظاہر کرتے ہیں۔ان نظموں کی ہیئت، لب ولہجہ اور استعارات سے وہی رنگ نکھرتا ہے۔ جو ڈاکٹر اقبال کے ہاں ملتا ہے۔سید رسول رسا کی نظم کا ایک بند ملاحظہ کیجیے۔(ترجمہ)

جس نے میرے علم پر راستی سے عمل کیا۔محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید کی۔کلمہ حق لاالہٰ پر عمل پیرا رہنے اور کلام پاک کو اللہ کا کلام جان کر اپنے لیے مشعل راہ بنایا! بے شک وہی لوگ حکمران ٹھہرائے گئے اور دین و دنیا میں سرخرو اور بادشاہ بنائے گئے۔

علامہ صاحب کے جواب شکوہ سے ایک شعر اس موزنے کے لیے کافی ہوگا:

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

پشتو زبان کی شاعری پر فکر اقبال کے واضح اور نمایاں اثرات مرتب ہوئے ہیں۔صاحبزادہ محمد ادریس، فضل حق شیدا، امیر حمزہ شنواری، سمندر خاں سمندر، سلطان محمد صابر، ایوب صابر، طاہر کلاچوی، سعید گوہر[۵۸] اور ایسے کئی معروف اور مقبول شعرا کا شمار اس ضمن میں آتا ہے۔عبداللہ جان اسیر مرحوم کی نظم کے دو اشعار کا ترجمہ دیکھیے:

وہ کہ خودی میں بلند آسمان تھا اور تصور میں جس کی رسائی لامکاں تک تھی...... وہ اقبال ہے......

جو فقیروں کے لبادے میں بادشاہ تھا اور دنیا جس پر نازاں ہے۔ یہ صفت مجھ اسیر نے اقبال کی بیان کی ہے اور میں جب تک زندہ رہوں گا ان کی ثنا خوانی کرتا رہوں گا۔

فضل حق شیدا کے ایک شعر کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

"تیرے قلم کی زباں سے جو صدا نکلی
وہ تمام مجلس کے دلوں کا مدعا ٹھہری"

جناب امیر حمزہ شنواری نے کامل انسان کے عنوان کے تحت ایک نظم کہی ہے۔ اس کے لہجے سے اقبال کے لہجے کا شائبہ ملتا ہے۔ دو شعروں کا ترجمہ یہ ہے:

"والعصر سے میں نے انسان کا حال پایا
اسے کوئی زیاں نہیں جو راہ راست پر ہو
وسوسے انسانیت کے اجزا میں سے نہیں
سرگرداں وہی رہتا ہے جس دل میں عشق نہ ہو"

علامہ اقبال فرماتے ہیں:

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

اس کا پرتو امیر حمزہ کے یہاں دیکھیے: (ترجمہ)

وحدت تبھی ہوگی جب وحدت کا خیال آئے اور جب قوم میں نفسا نفسی ہو تو کثرت غم جمود ہوا کرتی ہے، وہی شخص ملت ہوا جو ملت میں اپنے آپ کو سمو گیا، جب دریا سمندر میں گرتا ہے تو سمندر کہلاتا ہے۔

سلطان محمد صابر پشتو ادب کا جانا پہچانا نام ہے۔ انھوں نے پیر رومی اور مرید ہندی کے اثر کے تحت ایک نظم "عالم بالا" میں تحریر کی ہے جو جمال الدین افغانی اور ڈاکٹر عبدالرحمان محمودی کے مابین ایک مکالمہ ہے۔ فضل حق شیدا کی طارق بن زیاد، افغان، مصطفیٰ کمال، وطن، حسن، انسان، خدا اور شیطان ایسی نظمیں ہیں جن میں اقبال کی اصطلاحات اور اسلوب اپنایا گیا ہے۔

صاحب زادہ محمد ادریس کی بہت سی نظمیں اقبال کی شاعری کا پرتو لیے ہوئے ہیں۔ پشتو کے نثری ادب میں اقبال کے افکار اور تعلیمات کے اثرات نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ جیسے فقیر حسین مسرور کا مضمون علامہ اقبال صوفیائے کرام کی نظر میں، فردوس بنگش کا مضمون اقبال اور

اسلامی رورولی یعنی اقبال اور اسلامی اخوت، اعجاز احمد زاہد کا طویل مقالہ ''اقبال کا پیغام'' ڈاکٹر معین الدین عقیل کا مضمون جمال الدین افغانی اور اقبال...... ایسی تحریریں ہیں جو اقبال کا اثر لیے ہوئے ہیں۔

سید عابد شاہ عابد[59] اُردو میں اقبال کے حضور گویا ہوتے ہیں:

اقبال

چاند کی اولین کرن کا سرور، گھل گیا ایک آبگینے میں
ایک اسرار بے خودی کی لہر، بن گئی کائنات سینے میں

رنگ ونکہت کی بے کراں خوشبو، مسکرا کر گلاب بنتی ہے
صبح تخلیق کی سحر خیزی، انجم و ماہتاب بنتی ہے

اس خودی اور فکر کا رشتہ، نغمہ کائنات کا آہنگ
خاک میں کائنات کا ہے شعور، ہمہ گیر ایک بے قرار امنگ

تجھ کو دیکھا تو خود کو بھول گیا، کس مصور کا شاہکار ہے تو
حسن تخلیق لازوال سہی، ہر بلندی سے ہمکنار ہے تو
فلسفہ ہے رموز انسانی، جس طرح روشن چراغوں میں
فلسفہ آرزوئے جہد جمال، مے چھلکتی ہوئی ایاغوں میں

یہ مغنی ہے کائنات جمال
ساری دنیا جسے کہے اقبال

اعتراف

اقبال کے حضور

۱- تو نے ذوق خودی کو اپنا کر
ایک احساس نو کی دی تعلیم

جو تیری ذات سے عبارت تھا
ہم نے وہ ذوق کردیا دونیم

۲- ہم نے تاروں کی بات چھیڑی تھی
ہم کہ ظلمت کو بھی مٹا نہ سکے
بے حسی ہے کہ در پے احساس
زندگی کے دیے جلا نہ سکے
جو لگن تھی تیرے تفکر میں
ہم حقیقت اسے بنا نہ سکے
ذوق پرواز کس طرح آتا
جرات شوق آزما نہ سکے
تو نے شاہین سمجھ لیا تھا جنھیں
آشیانہ بھی وہ بنا نہ سکے

۳- تو نے روشن کیے چراغ حیات
ہم ہیں جن کا کوئی اصول نہیں
تو بہاروں کی آبرو تھا مگر
اپنے گلشن میں کوئی پھول نہیں
جانے کن پستیوں میں بستے ہیں
زندگی تک ہمیں قبول نہیں

عطا شاد

عطاشات (عطا شاد، قلمی نام...... نام: محمد اسحاق) کیچ (مکران) میں ''سنگانی سرہ کیچ'' میں پیدا ہوئے۔ سن پیدائش ۱۹۳۹ء ہے۔ تربت سے میٹرک اور کوئٹہ (پنجاب یونی ورسٹی) سے بی-اے کیا۔ ۱۹۶۵ء میں ریڈیو پاکستان کوئٹہ میں ملازمت اختیار کی۔ پھر انفارمیشن آفیسر اور ناظم اطلاعات بنے۔ پاکستان آرٹس کونسل بلوچستان کے ریزیڈنٹ ڈائریکٹر رہ کر ناظم اطلاعات کی اسامی کو دوبارہ سنبھالا۔ سیکرٹری محکمہ اطلاعات حکومت بلوچستان رہے۔ اُردو اور بلوچی کے سربرآوردہ شعرا میں سے ہیں۔ یہاں کی علمی و ادبی سرگرمیوں میں نمایاں مقام کے مالک تھے۔

علامہ اقبال کی بعض نظموں کا بڑی خوب صورتی سے بلوچی میں ترجمہ کیا ہے۔

آپ نے کچھ عرصہ پیشتر ایک مضمون ''اقبال و بلوچستان''[۶۰] لکھا تھا جس میں بلوچستان کے پس منظر میں اقبال کی شاعری کا جائزہ لیا گیا۔

آپ کا اُردو مجموعہ کلام سنگاب ۱۹۸۵ء میں منظر عام پر آیا اس کے پبلشر سیلز اینڈ سروسز کوئٹہ ہیں۔ دیگر تصانیف یہ ہیں: بلوچی نامہ، بلوچی لوک گیت، گچین (جدید بلوچی شعرا) بلوچی اُردو لغت۔ اعزازات: صدارتی ایوارڈ پرائڈ آف پرفارمنس، فیلوشپ انٹر نیشنل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ سڈنی، آسٹریلیا، ریڈیو ایوارڈ بہترین علاقائی ڈرامہ نگار اعزازی وابستگی: بلوچی اکیڈمی، ادارہ ثقافت پاکستان، پاکستان نیشنل بک کونسل، مرکزی اُردو بورڈ، مقتدرہ قومی زبان، قلم قبیلہ۔

غوث بخش صابر

آپ ۱۹۵۷ء سے بلوچی نظم ونثر کو اوڑھنا بچھونا بنائے ہوئے ہیں۔ آپ کا آبائی قصبہ مچھ بولان ہے۔ اقبال شناسی کے ضمن میں بتاتے ہیں کہ مچھ میں اقبال شناسوں کا ایک مختصر سا حلقہ ۱۹۵۸ء میں بنا تھا۔ جس میں جناب ظہور الحسن بلوچ، مولانا رسول بخش مرحوم، آغا مرتضیٰ احمد زئی اور وہ خود شامل تھے۔ ان کے درمیان شعر پسندی اور شعر گوئی کی نشستیں ہوا کرتی تھیں۔ ہر ایک ہم نشیں اقبال کے کلام سے خوشہ چینی کرتا۔ خود صابر صاحب کو ان دنوں اقبال کا شکوہ، جواب شکوہ، ساقی نامہ، خضر راہ، لینن خدا کے حضور میں، ازبر تھیں۔ اب تک بیشتر یاد ہیں۔ صابر صاحب کے بقول ان کی علامہ اقبال سے دلی عقیدت اسی حلقہ کی عطا کردہ ہے۔

ریڈیو پاکستان کوئٹہ سے جناب غوث بخش صابر کی وابستگی سے کچھ عرصہ پہلے مچھ کے مقام پر ڈپٹی کمشنر قلات جناب باجوہ صاحب کی صدارت میں ۲۱ر اپریل ۱۹۶۴ء کو ''یوم اقبال'' پر اقبال کی نظمیں پیش کرنے پر انھیں شیلڈ سے نوازا گیا۔ ریڈیو کی ملازمت کے دوران علامہ اقبال کے بارے میں آپ کی معلومات میں اضافہ ہوتا رہا اور کلام اقبال کو بلوچی میں منظوم کر کے نشر کرنے کے مواقع ملتے رہے۔ یہی نظمیں بعد ازاں دوشیگیں کیف (سرور رفتہ) میں جمع کر کے شائع (پبلشر: شوہاز پبلی کیشنز، بلوچی سٹریٹ کوئٹہ، پرنٹر: زمانہ پریس کوئٹہ، ۱۹۸۶ء صفحات ۶۵) کی گئیں۔

۱۹۷۷ء میں علامہ اقبال کا صد سالہ یوم پیدائش منایا گیا۔ اسی کی مناسبت سے غوث بخش

صابر نے علامہ سے متعلق احمد ندیم قاسمی صاحب کے ایک کتابچہ کا بلوچی میں ترجمہ چھپوایا۔ جس پر آپ کو ۱۹۸۰ء میں علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی اسلام آباد نے ایوارڈ (پانچ ہزار روپیہ) دیا۔ دوسرا ایوارڈ صدر پاکستان کی جانب سے ملنے کی توقع تھی۔ مگر بقول صابر ''بلوچستان سے کسی مہربان نے وزارت تعلیمات کو خط لکھا کہ صابر کی کتاب ترجمہ ہے جو انعام کی مستحق نہیں ہوسکتی۔ ویسے جس کتاب پر انعام ملا وہ بھی ترجمہ ہی تھی۔''

ان حالات میں جناب غوث بخش صابر بددل نہیں ہوئے۔ وہ برابر حکیم الامت علامہ اقبال کے افکار کے تلمذ میں زانوئے ادراک تہہ کیے رہے۔ چنانچہ ۱۹۸۴ء میں انھوں نے علامہ اقبال کی حیات، شاعری اور قومی تشخص کے مختلف پہلوؤں پر ایک کتاب کا مسودہ مکمل کر کے اقبال اکادمی پاکستان لاہور کو پیش کیا۔ یہ مسودہ بڑی مدت تک عدم توجہ کا شکار رہا۔ ۱۹۹۴ء میں اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد کی اہل قلم کانفرنس کے موقع پر ڈاکٹر انعام الحق کوثر اور جناب عبداللہ جان جمالدینی نے اقبال اکادمی پاکستان کے ناظم جناب ڈاکٹر وحید قریشی سے غوث بخش صابر کو متعارف کرایا اور اس مسودے کی اشاعت کے لیے زور دیا۔ ڈاکٹر وحید قریشی صاحب نے ازراہ علم پروری کتاب کی اشاعت کا وعدہ فرمایا۔ حتیٰ کہ انھوں نے نامساعد حالات میں بھی اپنا وعدہ نبھایا اور یہ کتاب لعل ء لقا (اقبال ءزندءفکر) ۲۵۶ صفحات پر مشتمل زیور طبع (مطبع: طیب اقبال پرنٹرز، لاہور، ناشر: ڈاکٹر وحید قریشی، ناظم اقبال اکادمی پاکستان، چھٹی منزل، ایوان اقبال، لاہور، طبع اول ۱۹۹۶ء) سے آراستہ ہوگئی۔

یہ کتاب اپنی خوبیوں کے باوصف حرف آخر نہیں، نقش اول ہے۔ حوصلہ افزائی کے اس اقدام سے علامہ اقبال پر مزید تحریریں سامنے آئیں گی اور امت مسلمہ کے اس عظیم فلسفی شاعر اور رہنما کی حیات اور افکار بلوچستان میں پاکستانی زبانوں کے لیے سرمایہ ثابت ہوں گے۔ ان شاءاللہ۔

پروفیسر غلام یاسین

آپ ایم-اے (انگلش اور اُردو) ہیں۔ ان دنوں گورنمنٹ ڈگری کالج مستونگ میں ہیں۔ آپ نے ایم فل اقبالیات کے لیے بعنوان ''علامہ اقبال کی مستقبل شناسی'' زیر نگرانی ڈاکٹر محمد یوسف بخاری مقالہ تحریر کر کے شعبہ اقبالیات، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد کو پیش کیا ہے۔

اس کا سال تکمیل ۱۹۹۵ء ہے اور یہ ۲۲۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ دیباچہ کے علاوہ یہ مقالہ نو

ابواب (۱-اسلام اور مغربی مفکرین اقبال کی نظر میں ۲-تقدیر اور روحانیت اقبال کی نظر میں ۳-اسلام کا وسیع نظریہ حیات ۴-اقبال بحیثیت دور اندیش سیاستدان ۵-احیائے اسلام ۶-ملت اسلام مستقبل کی بہترین قوم ۷-نظم مسجد قرطبہ میں مسلمانوں کا روشن مستقبل ۸-اسلام مسلمانوں کے مستقبل کا مثالی معاشرہ ۹-علامہ اقبال کے وہ اشعار جن میں مسلمانوں کے روشن مستقبل کے متعلق پیش گوئیاں کی گئی ہیں) پر مبنی ہے۔

غلام قاسم مجاہد

غلام قاسم مجاہد بلوچ نے ''بلوچی ادب پر اقبالؒ کے اثرات'' مقالہ برائے ایم۔فل اقبالیات، شعبہ اقبالیات علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی اسلام آباد، زیرنگرانی ڈاکٹر محمد انعام الحق کوثر تحریر کر کے ۱۹۹۶ء میں پیش کیا ہے۔ صفحات: ۳۱۹۔ یہ تعارف مقالے کے علاوہ چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اوّل: شخصیت و اسلوب کے عمومی اثرات۔ باب دوم: اسلامی نظریات (توحید، آرزو، جوش نمود، تخلیق، محمدؐ (رسالت)، اسلام، انسانیت۔ باب سوم: معاشرتی، تخریبی عوامل کے بارے میں نظریات (سکون، خوف، بے ہمتی، شیطان، فرنگ، غدار و غداری، اشتراکیت و جمہوریت، ملوکیت، مزدور و سرمایہ، غلامی) باب چہارم: تمدنی، تعمیری عوامل کے نظریات (اقبال کا نظریہ فن، تاریخ، قومیت، بے خودی، اتحاد، حرکت، ہمت و غیرت، طاقت، امید، بیداری، آزادی، انقلاب) باب پنجم: متفرق نظریات (وحدت الوجود و شہود، ارتقائے کائنات، زندگی، موت، تکرار زندگی، غم، وقت، خودی، مرد کامل، ملت و خلافت، آئین ملت، تقلید، علم، ملا و پیر، عورت، جہاد، جہد مسلسل، تسخیر فطرت، جبر و قدر، عشق و عقل، شوق ناتمام، وطن دوستی و نظریہ وطنیت) باب ششم: اختتام مقالہ (خلاصہ، ماحصل، سفارشات، ضمیمہ، حوالہ جات)۔

پروفیسر ڈاکٹر فردوس انور قاضی

آپ شعبہ اُردو جامعہ بلوچستان کی چیئر پرسن رہیں۔ آپ کو جامعہ بلوچستان کی پہلی ڈاکٹر اور پہلی خاتون پروفیسر ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یوں تو آپ کا خصوصی مطالعہ اور تحقیق کا میدان اُردو افسانہ نگاری ہے اور ایک کتاب بعنوان اُردو افسانہ نگاری کے رجحانات (۶۰۷ صفحات) چھپ[۱۶] چکی ہے۔ پھر بھی آپ کو اقبال کی شاعری سے اچھا خاصا لگاؤ ہے۔ اُردو افسانہ نگاری میں ایک اور نیا تجربہ ''خیالیہ'' کی نئی صنف متعارف کرانے کے علاوہ کیا ہے۔ یعنی

اقبال کی نظموں کے مرکزی خیال پر مبنی چھوٹے چھوٹے افسانے اس طرح لکھے کہ کہانی ہی کہانی میں طلبہ نظم کے مرکزی خیال کو سمجھ سکیں اور اقبال کا پیغام طلبہ تک پہنچے۔ ان کی نظموں امتحان، عہد حاضر کا انسان، پہاڑی ندی اور طالب علم کے مرکزی خیال پر مبنی افسانے چھپ چکے ہیں۔

ڈاکٹر صاحبہ علامہ اقبال کی خاص نظموں کی تشریح اس انداز میں کرتی ہیں کہ وہ کتابی صورت میں آنے کے بعد اقبال کو سمجھانے کے لیے ایک اچھا استاد اور مددگار ثابت ہو۔

ان دنوں آپ خصوصی مطالعہ اقبال کے سلسلے میں اپنی توجہ بعنوان ''عہد حاضر کے مسائل، کلام اقبال کے آئینے میں'' پر مرکوز کیے ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر فاروق احمد

آپ ۱۹۵۰ء میں کوئٹہ میں پیدا ہوئے۔ تدریس کا سلسلہ ۱۹۷۴ء میں بحیثیت لیکچرار گورنمنٹ سائنس کالج کوئٹہ سے کیا۔ ۱۹۷۵ء میں شعبہ اُردو جامعہ بلوچستان سے منسلک ہو گئے اور تا حال اسی شعبے سے وابستہ ہیں۔ ایم-اے (اُردو) کے علاوہ ایم-اے (انگلش) اور پی ایچ ڈی (جدید شاعری کے رجحانات اور ہیئت کے تجربے) کر چکے ہیں۔

ملک کے بیشتر اخبارات اور رسائل میں ادبی اور تحقیقی مقالات لکھتے رہتے ہیں۔ علامہ اقبال کی شاعری کے متعلق ان کا خیال ہے کہ یہ شاعری ایک آدرش، ایک منزل اور انسانی فکر و احساس کا نقطہ عروج ہے۔ اقبال سے متعلق ان کے دو مضامین چھپ چکے ہیں:

۱- اقبال کی شاعری اور اس کے اثرات، سہ ماہی دستگیر کوئٹہ، اکتوبر ۱۹۹۱ء

۲- اقبال ہر دور کا شاعر، سہ ماہی صریر بولان، کوئٹہ، مارچ ۱۹۹۲ء

فضل احمد غازی

آپ قیام پاکستان سے پیشتر پشتو کے علاوہ اُردو میں اپنے خیالات پیش کرتے رہے۔ آپ نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ بلوچستان مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کوئٹہ کے نائب صدر رہے۔ اس فیڈریشن نے متعدد پمفلٹ شائع کیے جو اُردو میں تھے۔ چند ایک یہ ہیں: ''اسلامی اقتصادی مطالبہ'' فاقہ مست شہزادے، مزدور اور کیمیا، فریب کاری، واردھائی سامری کا نیا بت، کانگرس اور سرمایہ داری، اقبال اور پشتون (۱۶ صفحات) ملیّت اور قومیت پر ایک نظر (۴۰ صفحات) ان پمفلٹوں کے مصنف فضل احمد غازی تھے۔

آپ نے کوئٹہ کے کئی اخباروں میں کام کیا۔ آپ ''تحریک پاکستان بلوچستان میں'' اور علاقائی زبان وادب سے متعلق لکھتے ہیں جو پاکستان کے اخبارات اور رسائل میں چھپتے ہیں۔
علامہ اقبال سے متعلق مضامین اُردو یا پشتو میں لکھتے ہیں جیسے اقبال کا فلسفہ شاہین: مطبوعہ ماہنامہ کوہسار، کوئٹہ دسمبر ۱۹۵۱ء۔ فضل احمد غازی اپنے مضمون ''عظیم اقبال ثقافتی نظریہ''۶۲ میں لکھتے ہیں:

علامہ اقبال کے مطالعے سے انسان اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ ہم سب اسلام کے وسیع دامن میں پروان چڑھے ہیں۔ جس کی حیثیت رنگا رنگ ثقافتوں کے سرچشمے کی ہے۔ اقبال نے شعری ثقافت کے ناطے عظیم الشان اسلامی تحریک کو اس قدر زبردست قوت عطا کی ہے کہ ہم اپنے سے کئی گنا دو بڑی طاقتوں سے آزادی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور یہ اقبال کا کارنامہ ہے کہ برصغیر کے مسلمانوں میں وہ شعور، قوت، عظمت اور جلال پیدا ہوا جس کے سامنے اکثریت مغلوب ہو کر رہ گئی۔

محشر رسول نگری

نثار احمد محشر (تخلص...... دیار حبیبؐ ۶۳ کی نسبت سے رسول نگری کہلائے کیونکہ وطن یا نسل کی کسی بھی نسبت سے وابستہ ہونا نہیں چاہتے تھے گویا ان کی نسبت وطنی یا نسلی نہیں بلکہ نظریاتی اور اعتقادی تھی) ۲۹ مارچ ۱۹۱۶ء کو کوئٹہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار میاں الٰہی بخش ۱۸۹۰ء میں ضلع گجرات (پنجاب) کے ایک گاؤں رسول نگر سے بلوچستان آئے تھے۔ جہاں آپ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے باعث قیام پذیر ہو گئے تھے۔ رسول نگر دریائے چناب کے کنارے پر ایک تاریخی قصبہ ہے۔ جہاں عرصے تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات محفوظ رہے۔ یہ مقدس تبرکات آج شاہی مسجد لاہور کی زینت ہیں۔
محشر صاحب نے میٹرک ہی سے شعر کہنا شروع کیا۔ ان دنوں یہاں ایک صاحب مدحت زبیری بی-اے ملٹری آڈٹ میں ملازم تھے، جو میرٹھ کے رہنے والے تھے اور شاذ و نادر ہی شعر کہتے تھے لیکن علم عروض میں ماہر تھے۔ محشر نے ان سے سبقاً سبقاً عروض سیکھا اور اصلاح کے معاملے میں اپنی طبع خداداد ہی کو استاد بنایا۔
۱۹۳۱ء میں میٹرک پاس کیا۔ بعد میں بلوچستان کی مشہور ادبی انجمن ''بزم ادب'' میں شامل ہو کر علم وادب کی خدمت کرتے رہے۔ آپ اسی بزم کے جنرل سیکرٹری بھی رہے۔ ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی لکھتے ہیں: ۶۴

مئی ۱۹۳۱ء میں محکمہ تعلیم سے بحیثیت سینئر انگلش ٹیچر منسلک ہونے کے تھوڑے دن بعد ایک ادبی مجلس میں نثار احمد محشر سے ملاقات ہوگئی۔ انھوں نے اسی سال میٹرک کا امتحان پاس کیا تھا۔ جسم پتلا دبلا تھا اور اپنی عمر سے بھی کم نظر آتے تھے۔ "بزم اقبال" کی ایک مجلس میں خود نہ آسکے ایک غزل کسی کے ہاتھ بھجوادی۔ میں نے غزل کا ایک ایک شعر توجہ سے پڑھا اور رضوی برادران (اکبر حسین، اعجاز حسین) سے کہا کہ اس نوجوان شاعر کی اقبال کے کلام سے آشنائی اور اقبال کے اسلوب بیان میں مہارت حیرت انگیز ہے۔ سید اعجاز رضوی نے کہا کہ یہ غزل تو اقبال ہی کی غزل کا پرتو نظر آتی ہے...... اس وقت کسے معلوم تھا اور کون اندازہ لگا سکتا تھا کہ یہ نوخیز نوجوان بلوچستان بلکہ پاکستان میں رومی اور اقبال کے مکتب، مکتب عشق رسول اور مکتب اخلاق اور تصوف (تصوف بمعنی علم وعرفان وعمل صالح) کی ایمان افروز روایت کی پیروی میں علم وعرفان کی دنیا میں منفرد مقام حاصل کرے گا اور کئی گم کردہ راہوں کے لیے اس کا کلام اور سوز و گداز مشعل راہ کا کام دے گا۔ ایک مرید، کی پوزیشن سے "مراد" اور "صاحب ارشاد" کا مقام حاصل کرلے گا۔

ڈاکٹر عرفانی نے لکھا ہے کہ وہ ۱۹۷۸ء میں کوئٹہ میں نثار احمد محشر صاحب سے ملے تھے۔ اس موقع پر محشر صاحب نے ارتجالاً ایک قطعہ لکھ کر دیا تھا...... عرفانی نے یوں درج کیا ہے:

"قطعہ از حسان بلوچستان، محشر رسول نگری

خواجہ عرفانی کہ ناگہ رخ نمود
شد ملاقات مسیحا و خضر
شادباش ای دل کہ بوی دلربا
از چمن آمد بہ ہنگام سحر
بادہ گیرم ز تاک مولوی
مشرب اقبال دارم در نظر
رہرو اقبال و رومی رہبر است
آن یکی آئینہ دیگر جوہر است
گر قبول افتدز ہے عزوشرف

(امضاء) محشر رسول نگری۔ کوئٹہ ۷-۸-۷۸"

محشر رسول نگری کی کئی کتابیں (تیغ و قرآن، نظام نو، مثنوی صحیفہ فطرت، شمشاد خراساں، فخر کونینؐ) شائع ہوئی ہیں۔ فخر کونین حسن اور حقیقت کا امتزاج ہے۔

اس سے ادبیاتِ سیرتؐ میں ایک گراں بہا اضافہ ہوا ہے۔ اس تخلیق پر وادی بولان اگر مست و طمانیت سے جھوم اٹھے تو بجا ہے بالکل بجا ہے۔ عبدالصمد شاہین نے اس کا منظوم براہوئی ترجمہ کیا ہے۔ اس کے پہلے حصے کا انگریزی ترجمہ ۱۹۷۷ء میں ملک مقصود عالم نے کیا تھا۔ عنوان ہے:

Pride...Here and Hereafter
(God's Blessings and Peace be upon Him)

آپ کا کلام اور تقریریں ریڈیو سے نشر ہوتی رہی ہیں۔

مثنوی صحیفہ فطرت (حصہ اوّل) سن طباعت ۱۹۵۷ء طابع و ناشر، میاں افتخار یوسف، پاکستان پریس کوئٹہ، ضخامت ۹۵ صفحات، قیمت ڈیڑھ روپیہ۔ یہ ایک طویل نظم ہے جو مثنوی مولانا رومی اور علامہ اقبال کے ''اسرار و رموز'' کی طرز پر لکھی گئی ہے۔ یہ مثنوی اس دور میں لکھی گئی جب محشر صاحب کی زندگی ''قال'' سے ''حال'' کی منزل میں داخل ہو چکی تھی بقول ان کے:

جنون عشق نے کھولے ہیں جو رموز حیات
ضمیر شعر میں ان کو سمو کے لایا ہوں
حقیقتوں کے گہر ہائے تاب دار ہیں یہ
کہ جن کو تار نظر میں پرو کے لایا ہوں

''صبح نو'' میں حق کے ایسے کامرانی کے دور کی بشارت دی گئی ہے۔ جس کی خاطر آسمان سے امر حق نازل ہو چکا ہے۔ اس انقلاب نو کے لیے قدرت کے نہاں خانے میں ایک نیا انسان بنایا جا رہا ہے جو زمین پر حقیقی معنوں میں نیابت الٰہی کا فرض ادا کرے گا:

معنی توحید کا آئینہ دار
اک نیا نقش، اک نرالا شاہکار
شاہد حق، نائب پروردگار
اعتبار عالم نا اعتبار
طالب حق کے لیے تفسیر حق
دشمن حق کے لیے شمشیر حق

اس کی پہچان یہ بتائی ہے:

اس کا ظاہر پیکر مولا صفات
اس کا باطن مظہر عرفان ذات

یہ حق کا شاہکار ایمان و عشق کی غیر فانی قوتوں سے انقلاب برپا کرے گا، اسی لیے آپ مدعیان اسلام کو مشورہ دیتے ہیں۔ عشق و ایمان کی صفت پیدا کرو اور پھر اسلام کا دعویٰ کرو زندگی میں مقصد کی اہمیت ہے انکار ناممکن ہے مقصد حیات قرآن کے پیش کرو لائحہ عمل کے مطابق ہونا چاہیے۔ محشر صاحب کے نزدیک ملت اسلامیہ کے لیے رضائے الٰہی کے سوا ایسا کوئی مقصد حیات نہیں ہے:

مقصد ہستی رضائے دوست ہے
مغز ایماں ہے یہ، باقی پوست ہے
بندہ عشق و رضا کی حد نہیں
صاحب توحید "لم یولد" نہیں

جو لوگ رضائے الٰہی کو مقصد حیات بنا لیتے ہیں۔ زندگی خود ان کا طواف کرتی ہے۔

زندگی کرتی ہے خود ان کا طواف
چومتا ہے ان کو کعبے کا غلاف
ان کی ہستی آستان کبریا
ان کی مستی راز دان کبریا
نقطہ پرکار حق ان کا وجود
پردہ اسرار حق ان کا وجود
عبد ہیں اور مظہر معبود ہیں
آپ اپنی منزل مقصود ہیں

اس مقصد کے حصول کے لیے حق سے غیر معمولی عشق بھی ضروری ہے جس کی بہترین اور مکمل مثال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے مل سکتی ہے۔ بقول محشر ۔

عشق کیا ہے اتباع مصطفیٰؐ
عشق کیا ہے صبر و تسلیم و رضا
کارزار زیست میں شبیرؓ عشق
قوت یک ضرب عالمگیر عشق
عشق ہے شیرازہ بند کائنات
عشق سے ہوتی ہے تعمیر حیات

روح کو بیدار کردیتا ہے عشق
نار کو گلزار کردیتا ہے عشق

جس کو اللہ تعالیٰ کے قرب کی خواہش ہو، اس کے لیے یہ نسخہ تجویز کیا ہے:

پہلے وہ انساں کی دلداری کرے
دود کے ماروں کی غم خواری کرے

کیونکہ راز دان حقیقت کا یہی شیوہ رہا ہے:

برگ گل پر گوہر شبنم بنے
زخم دل دیکھا جہاں مرہم بنے

اسی سلسلے میں حضرت علیؓ کا ایک واقعہ دلچسپ انداز میں صفحہ قرطاس پر منتقل کیا ہے جس سے مضمون کی اثر انگیزی میں اضافہ ہوا ہے۔ مثنوی میں زندگی کے مسائل کو حکایت کے ذریعے پیش کرنے کا انداز پرانا ہے۔ مولانا رومی کے ہاں اس کا خاص اہتمام نظر آتا ہے۔ محشر رسول نگری نے مسائل کی توضیح کے لیے طبع زاد حکایات کے بجائے تاریخ اسلام کے مستند واقعات قلمبند کر دیے ہیں۔ مثلاً اتباع سنت کے متعلق فرماتے ہیں۔

جس نے راز مصطفائیؐ پا لیا
اس نے سر کبریائی پا لیا

قلب ونظر کی عفت کی تعلیم اس طرح دیتے ہیں:

نفس کو قابو میں رکھ اور تن کے رہ
ان زلیخاؤں میں یوسف بن کے رہ

ابتلاؤں میں صبر کرنے کی تلقین یوں کرتے ہیں۔

نفع کیا شے ہے خسارا کچھ نہیں
ہم خدا کے ہیں ہمارا کچھ نہیں

مذہب عشاق کے متعلق بہت کچھ کہا گیا ہے۔ مثلاً مولانائے روم فرماتے ہیں۔

مسلک عشق از ہمہ دین ہا جدا است
عاشقاں را مذہب و ملت جدا است

لیکن محشر صاحب نے اس مسئلہ کو قرآنی انداز میں ڈھال دیا ہے۔

یہ مسلماں اور نصرانی نہیں
مرد عاشق جز بہ ربانی نہیں

ارباب عشق کی کرامت یہی ہوتی ہے کہ ان کی صحبت سے انسانی کردار میں انقلاب آ جاتا ہے لیکن یہ قوت اتباع سنت کے بغیر نہیں ملتی۔ چنانچہ آپ نے حضرت شبلی کا ایک واقعہ قلم بند کیا ہے کہ ایک نوجوان ان کی شہرت سن کر ان کی خدمت میں کچھ عرصہ رہا۔ ایک دن دل برداشت سا ہو کر ان سے رخصت مانگنے لگا۔ آپ نے سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ میں آپ کی صحبت میں اتنا عرصہ رہا لیکن آپ سے کوئی کرامت نہیں دیکھی۔ حالانکہ زمانے میں آپ کی ولایت کا بہت چرچا ہے۔ حضرت شبلی نے پوچھا کیا اس عرصے میں تم نے مجھ سے کوئی ایسی بات سرزد ہوتے دیکھی ہے جو خلاف سنت ہو۔ اس نے کہا نہیں۔ آپ یہ سن کر جوش میں آ گئے اور فرمایا۔

جا کہ شبلی کی کرامت ہے یہی
حاصل فقر و ولایت ہے یہی

''ذوق جہاد'' کے تحت محشر صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پیش کی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ زمانہ مابعد میں مسلمانوں پر غیر اقوام کے تسلط کی وجہ صرف یہ ہوگی کہ وہ حب دنیا میں مبتلا ہوں گے اور راہ حق میں جان و مال کی بازی لگانے سے کترائیں گے۔ اس لیے اگر آج بھی اس ملت میں جہاد کا صحیح جذبہ پیدا کر دیا جائے تو اسلام دوبارہ ایک انقلابی قوت بن کر اکناف عالم پر چھا سکتا ہے۔

مثنوی میں خواتین سے بھی خطاب کیا گیا ہے اور ان کے سامنے حضرت زہراؓ کا اسوہ حسنہ پیش کیا گیا ہے۔ جن کی آغوش تربیت میں حسینؓ جیسی ہستی کا بے مثال کردار تیار ہوا تھا جن کے متعلق آپ لکھتے ہیں۔

سختیاں جو اہل شر کی سہ گیا
سینۂ باطل میں گڑ کر رہ گیا

محشر صاحب نے اس مسئلہ کی اچھی طرح وضاحت کی ہے کہ مسلمان عورت کا فریضہ حیات یہی ہے کہ وہ اپنی صالحانہ تربیت سے ایسے فرزندان ملت تیار کرے جو دنیا میں پرچم توحید کو بلند کر کے دین فطرت کے مقاصد کو پورا کر سکیں اور اگر اس نے یہ کام نہیں کیا تو کچھ بھی نہیں کیا۔

خار و خس پیدا کیے تو کیا کیا
بو الہوس پیدا کیے تو کیا کیا

چنانچہ اس سلسلے میں حضرت خنساءؓ کا واقعہ اس دور کی مسلم خواتین کے لیے کافی سبق آموز ہے۔
جب راہ حق میں وہ اپنے چاروں بیٹے قربان کر چکی تو فرط شوق میں جھوم کر کہنے لگی

گیت گاؤں کیوں نہ اس کی حمد کے
جس نے بیٹوں کی شہادت سے مجھے
خدمت دیں میں مکرم کر دیا
دامن مقصود میرا بھر دیا

حالانکہ یہ وہی مرثیہ گو شاعرہ ہے جس نے کفر کی حالت میں اپنے بھائی کی اچانک موت پر اس قدر درد انگیز مرثیے لکھے تھے کہ لوگوں کو بھی رلاتی رہتی تھی اور خود بھی روتی رہتی تھی۔ یہ صرف اسلام کی برکت تھی جس نے آن واحد میں زندگی کے متعلق اس کا نقطہ نظر ہی بدل ڈالا۔

محشر نے فقط نظریات ہی پیش نہیں کیے بلکہ عمل پر بھی ابھارا ہے اور آخری مشورہ یوں دیتے ہیں۔

اب نہ آہ صبح گاہی چاہیے
خون سے حق کی گواہی چاہیے

محشر صاحب نے اس مثنوی میں زندگی کے حقائق کی ترجمانی کرنے کے لیے اُردو زبان کو منتخب کیا ہے۔ اس سے جہاں اس امر کا انکشاف ہوتا ہے کہ اس زبان میں حقائق زندگی ادا کرنے کی پوری صلاحیت موجود ہے، وہاں یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ حقائق و معارف کے بیان کے لیے اُردو زبان کے دامن کو وسعت دینے میں بلوچستان کے شاعر نے کیا قابل قدر خدمت انجام دی ہے۔

محمد حسین عنقا

محمد حسین عنقا مچھ کے رہنے والے تھے۔ آپ نے اپنا مجموعہ کلام رحیل کوہ کے نام سے ۱۹۳۴ء میں کراچی میں چھپوایا۔ اس کے ٹائٹل پیج کے اندر صفحہ ۲ پر یہ نظم بعنوان ''مرغ ہوا اور مرغ سرا'' درج ہے جو ڈاکٹر اقبال کے مکالمہ مابین ''مرغ سرا و مرغ ہوا'' پر لکھی گئی ہے۔ یہ وضاحت صفحہ ۳۷ پر کی گئی ہے۔

اک مرغ ہوا نے یہ کہا مرغ سرا سے
کیا بھی تجھے نسبت ہے بھلا مرغ ہوا سے
کی تو نے حیات اپنی گرو پیٹ کی خاطر
باہر تجھے آنا نہیں دیوار سرا سے

ناداں ہے تو کتنا کہ تو کرتا ہے فدا جاں
دیتا ہے اگر دشمن جان تجھ کو دلاسے
کیوں بار اٹھایا ہے پر و بال کا تو نے
کیوں شوق ہوا ہے یہ تجھے اپنی قضا سے
کیا تو نے یہی طاقت پرواز بہم کی
اوپر نہ اڑے گا سر خواجہ سرا سے
اپنا یہ مگر حال کہ دن رات مشاغل
رہتا ہے مجھے رفعت اجرام سما سے
یہ طنز و طاعن کا سخن ختم ہوا جب
کہنے یہ لگا مرغ سرا مرغ ہوا سے
میں رزق شکم کرتا ہوں حاصل تو بدل سے
پر اس کے لیے تجھ کو سروکار جفا سے
یہ وحشت، یہ وہم رہے اس کو جو بد ہے
ہوں نیک نہیں کوئی مجھے خوف بلا سے
فطرت نے مری مجھ کو سکھائی ہے محبت
وحشت سے گریزاں ہوں الفت ہے وفا سے
آقا بھی مرا سرورؐ عالم بھی زمیں پر
گستاخ نہیں تا اڑوں اوپر میں سرا سے

رحیل کوہ کے صفحہ ۴۰ پر درج ہے کہ سنٹرل جیل مچھ نظم بزبان فارسی ڈاکٹر اقبال کے حکمت فرنگ (پیام مشرق) کے جواب میں لکھی گئی ہے۔

ملک محمد رمضان بلوچ

ملک محمد رمضان لہڑی[۶۵] (ضلع کچھی) کے رہنے والے تھے اور ڈومکی قبیلہ کی بالاچھانی شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔ والد کا نام بالاچ خاں تھا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم قصبہ لہڑی کے پرائمری سکول میں پائی۔ بعد میں دینی تعلیم حاصل کی۔ سن پیدائش ۱۹۲۲ء ہے۔ آپ ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۶ء تک سابقہ ریاست قلات کی ملازمت میں رہے۔ ریاست قلات میں اصلاحات کے لیے بے چینی کے عنوان سے ۱۹۴۶ء میں ایک پمفلٹ شائع کیا، جس میں مقامی سیاست پر تنقید کے بعد مطالبہ پاکستان کی مکمل حمایت کی گئی تھی۔

ملک صاحب قلات میں ملازمت کے دوران ابتدائی ایام میں انجمن اسلامیہ مستونگ کے سیکرٹری رہے۔ ملازمت سے سبکدوشی کے بعد ہفت روزہ الحق سبی کی ادارت میں آئے۔ انھی دنوں آپ نے پاکستان کی پرزور حمایت کی۔ قیام پاکستان کے وقت تک آپ الحق سبی کے مدیر تھے۔ بعدازاں ماہنامہ معلم سریاب کوئٹہ اور ہفت روزہ تنظیم کوئٹہ کی ادارت سے منسلک رہے۔ آپ نے ۱۹۵۴ء میں اپنا اخبار ساربان مستونگ سے جاری کیا جو ان کی وفات کے بعد بھی اب تک باقاعدگی سے منظر عام پر آرہا ہے۔ آپ ''بلوچی اکیڈمی'' کوئٹہ کے چیئرمین بھی رہے۔ آپ نے علامہ اقبال کے کلام کا خاصا مطالعہ کیا۔ آپ ان کے خیالات وافکار سے پوری طرح آگاہ تھے۔ آپ حضور پاک سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور علامہ اقبال سے متعلق مجالس کو بڑی شستہ اُردو میں خطاب کرتے رہے۔ ریڈیو اور ٹی وی پر بھی اُردو اور بلوچی میں تقریریں نشر ہوتی رہیں۔ اُردو اور بلوچی میں شعر کہتے تھے۔ ایک فعال اور متحرک محبِ وطن کی سی زندگی بسر کی۔ باغ و بہار طبیعت کے مالک تھے۔ آپ کے چند مشہور قطعات ہیں:

طوفان کی موجوں سے گزرنا سیکھو
اسلام کے ناموس پہ مرنا سیکھو
ہر سیل حوادث سے ملاؤ پنجہ
خورشید کی مانند ابھرنا سیکھو

گو جادہ حیات میں خطرے ہزار ہیں
آفاق و کائنات میں خطرے ہزار ہیں
ہے خواہش حیات تو کود و بلا خطر
دیکھو نہ بات بات میں خطرے ہزار ہیں

شفق ایسی ڈھلی ہے صورت آئینہ آنکھوں میں
کہ جیسے چشم ساقی میں سما جاتا ہے میخانہ
فراز عرش سے تا فرش جتنے بھی مقام آئے
رقم ہوتے گئے دل پر کیا جب فکر فرزانہ

سنگینی حالات کا شکوہ نہیں کرتے
بے مہر عنایات کا شکوہ نہیں کرتے
احساس سمجھا دیتا ہے ہر ایک کو ورنہ
ہم تیری کسی بات کا شکوہ نہیں کرتے

کس حر نے گوارہ یہ کیا ہے کہ کرے گا
احساس پہ پابندی خیالات پہ تعزیر
وہ مرد نہیں اپنی روایات کا کوئی
پہنائی نہ ہو جس نے کہ حالات کو زنجیر

آپ کئی سال تک پاکستان بھر میں مختلف مقامات پر علمی، ادبی اور دینی اجتماعات سے خطاب کرتے رہے۔[۶۶] آپ علامہ اقبال کے کلام کا منظوم بلوچی ترجمہ بھی پیش کرتے رہے تھے۔ آپ نے علامہ اقبال کی معروف تصنیف بال جبریل کا منظوم بلوچی ترجمہ کیا۔ جواب تک مسودے کی صورت میں موجود ہے۔ علامہ اقبال کی مشہور نظم ہے: ''بڈھے بلوچ کی نصیحت اپنے بیٹے کو'' ملک محمد رمضان بلوچ نے اس کا منظوم بلوچی ترجمہ بعنوان: ''پھیریں بلوچ ءِ نصیحت وتی بچھا!'' کیا ہے جو قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ (اُردو متن اور منظوم بلوچی ترجمہ ملاحظہ ہو)

بڈھے بلوچ کی نصیحت بیٹے کو!

علامہ اقبال (مرحوم)

ہو تیرے بیاباں کی ہوا تجھ کو گوارا — اس دشت سے بہتر ہے نہ دلی نہ بخارا
جس سمت میں چاہے صفت سیل رواں چل — وادی یہ ہماری ہے، وہ صحرا بھی ہمارا
غیرت ہے بڑی چیز جہان تگ و دو میں — پہناتی ہے درویش کو تاجِ سر دارا
حاصل کسی کامل سے یہ پوشیدہ ہنر کر — کہتے ہیں کہ شیشے کو بنا سکتے ہیں خارا
افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر — ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا
محروم رہا دولت دریا سے وہ غواص — کرتا نہیں جو صحبت ساحل سے کنارا
دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت — ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارا

دنیا کو ہے پھر معرکہ روح و بدن پیش — تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا
اللہ کو پامردی مومن پہ بھروسہ — ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا
تقدیر امم کیا ہے؟ کوئی کہہ نہیں سکتا — مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارا
اخلاص عمل مانگ نیاگان کہن سے — شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

پھیریں بلوچ ءِ نصیحت وتی بچھا!

ملک محمد رمضان بلوچ

تھرا گواث بیوانی سا چیت شالہ — کہ ایشیا شہ گھتر نئیں دلی، بخارا
ہما نگر کہ لوٹھے برو ہیر و حاراں — کہ اے دشت مے غنیس واں آں ریگزارا
مزن چھی ئیں گرودار، زنداں غیرت — کہ درویش ءِ پیہرا ئینی تاج دارا
برو گر ہنر کاملین مردے آشہ — گشتاں کہ کھناں شیشہ ءِ سنگ خارا
شو اور نانی دستائیں قومانی قسمت — کہ قومانی شوانے درفشو کیں تارا
زبہریں زرے دولت آشہ ٹوبوآں — کہ نندیت دائم تیاب ءِ کنارا
اگر قوم دین ءِ عوض بیت، آ جو — تا دانیں مسلمان ءِ چھوشیں با پارا
پھذا جنگ گپتہ جرو نغن ولا پے — کہ تہذیب ءِ دیما کھشہ رستراں را
حذا مومن ءِ تو کلا ویسہ کھاریت — شیطان ءِ یورپ مشینانی لارا
نہ اسی کسے چھے کیں تومانی قسمت — عقل مومن ءِ بی تہ کافی اشارا
تھ جوائیں عمل لوٹھ مرداں شہ پھیشی — عجب چھیں کہ بادشاہ شکای گزارا[۶۷]

میر مٹھا خاں مری

میر مٹھا خاں مری کاہان[۶۸] علاقہ مری میں ۱۹۱۲ء میں بھاوانی زئی گزن گھرانے میں پیدا ہوئے۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد معلمی کا پیشہ اختیار کیا۔ پھر منسٹریل سروس سے وابستہ ہوئے اور بتدریج ترقی کرتے رہے۔ سپرنٹنڈنٹ کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ۱۹۶۶ء میں ریٹائر ہوئے۔ بعدازاں ایک ''کول کمپنی'' سے وابستہ رہے۔

علم و ادب اور خصوصاً شاعری سے شروع ہی سے شغف تھا۔ ریٹائر ہونے کے بعد بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ سے وابستہ رہے۔ ان کی تصنیف مست توکلی، (بلوچی) بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ نے شائع کی۔

آپ نے ایک کتاب سیرت النبیؐ (بلوچی) مرتب کی ہے۔ جو ۲۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اسے حکومت پاکستان، وزارت اطلاعات ونشریات نظامت مطبوعات کوئٹہ نے جولائی ۱۹۸۱ء میں شائع کیا ہے۔

آپ نے ڈاکٹر انعام الحق کوثر کی کتاب تحریک پاکستان میں بلوچستان کا حصہ کا بلوچی ترجمہ بھی کیا ہے جسے محکمہ فلم ومطبوعات وزارت اطلاعات ونشریات اسلام آباد نے شائع کیا ہے۔ آپ نے علامہ اقبال کے کلام اور افکار کا خصوصی طور پر مطالعہ اور آگاہی حاصل کی۔ اسی سے متعلق اُردو اور بلوچی میں بھی مضامین چھپتے رہے ہیں۔ ایک کتاب بھی بلوچی میں لکھی ہے جو علامہ اقبال کی صد سالہ تقریبات ولادت (۱۹۷۷ء) کی نسبت لیے ہوئے ہے اور پاکستان رائٹرز گلڈ سے انعام یافتہ ہے۔

عنوان ہے: در گال اقبال، مطبوعہ: اسلامیہ پریس کوئٹہ، ۱۹۷۷ء، کل صفحات: ۴۸۸...... لکھائی چھپائی معیاری۔ سرورق پر علامہ اقبال کی تصویر ہے۔

کل ۱۵ باب ہیں: جیسے زندۂ حالات، نادراہی او وفات، لوغ و کہول ذاتی زند، نوشفیں کتاب، اُردو شاہری ءرزوم، فارسی گپتار، فلسفہ خودی، فلسفہ بےخودی، مفکر اسلام، مسلم قومیت، مغرب ونوآبادی، تصوف، نوخین نسل، اقبال ودعا۔

بعض ابواب کے کئی حصے ہیں اور یوں کل عنوانات ۵۷ ہیں۔ میر ٹھا خاں مری نے وضاحت کے لیے علامہ اقبال کے فارسی اور اُردو کلام سے جابجا حوالے دیے ہیں۔

مجموعی طور پر علامہ اقبال کے افکار پر محیط یہ کتاب نہ صرف قابل توصیف ہے بلکہ بلوچی ادب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔

آپ کا ایک اہم مضمون ''عزیز مگسی کی شاعری پر علامہ اقبال کے اثرات'' روزنامہ مشرق میں چھپا تھا۔ اس میں لکھتے ہیں:[۶۹] ''شاعر مشرق اپنی ایک نظم میں مغرب کے استعمار پسندانہ عزائم اور ہوس ملک گیری کو اس نوع کا زہر ہلاہل قرار دیتے ہیں جس کے سامنے سانپ کا زہر بھی ہیچ ہے۔

من درون شیشہ ہائے عصر حاضر دیدہ ام
آنچناں زہرے کہ از وے مارہا در پیچ وتاب

عزیز مگسی بھی علامہ اقبال کی طرح نہ صرف عوام کو انگریزوں کے مکروفریب سے آگاہ

کرتے ہیں بلکہ ماضی کی غلطیوں پر بھی تنبیہ کرتے ہیں کہ بلوچوں نے انگریزوں کو زوایتی مہمان کی طرح اپنے ہاں بلا کر آستین میں سانپ پالنے کی شدید غلطی کی۔ فرماتے ہیں ۔

بلا کے جس کو بلوچوں نے مہمان کیا
وہ ناسپاس بنا آستین کا مار اپنا

شاعر مشرق کے خیال کے مطابق کوہستانی اور صحرائی فضا ہی وہ سازگار ماحول ہے جو اس قسم کے جفا طلب اور سخت کوش انسان پیدا کر سکتا ہے۔ جو اپنے زور بازو سے کائنات کو مسخر کر سکتے ہیں اس لیے عزیز مگسی بادیہ نشین بلوچوں کو تسخیر کائنات پر آمادہ کرتے ہیں اور نظام فطرت کو اپنی ضروریات کے مطابق ڈھالنے کی تلقین کرتے ہیں:

اٹھ اے بلوچ بدل دے نظام فطرت کو
جگر پہ تیر چلیں اور دل میں جوش آئے

بقول اقبال:

رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم
عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد

بقول عزیز مگسی:

نوائے گاندھی وجیکر سے کام نہ بن سکا
کمال سا کوئی اب ساز پر خروش آئے

نادر قمبرانی

آپ براہوئی زبان کے مقبول ادیب ہیں اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ گاہے بگاہے اُردو میں بھی لکھتے ہیں۔ بلوچستان یونی ورسٹی میں پہلے شعبہ براہوئی سے منسلک رہے۔ آج کل شعبہ فارسی کے چیئر مین ہیں۔ آپ کے دو مضمون (براہوئی ادب پر علامہ اقبال کے اثرات اور علامہ اقبال اور بلوچی ادب) خاصے مشہور ہیں۔ آپ نے دوسری بین الاقوامی ڈاکٹر محمد اقبال کانگرس منعقدہ لاہور ۹-۱۱ نومبر ۱۹۸۳ء میں اسی موضوع پر مضمون پیش کیا تھا۔

آپ بلوچستان میں علمی و ادبی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیتے رہتے ہیں۔ پچھلے دنوں معروف ادبی تنظیم ’’قلم قبیلہ‘‘ کے جوائنٹ سیکرٹری رہے۔ نادر قمبرانی کے مضمون براہوئی ادب پر علامہ اقبال کے اثرات کا نچوڑ یوں پیش کیا جا سکتا ہے۔

علامہ اقبال کے کلام اور پیغام کا اثر بلوچی اور براہوئی ادب پر براہ راست پڑا ہے۔ براہوئی کی جدید شاعری میں وہی ندرت خیال، شکوہ الفاظ اور اسلوب واضح نظر آتا ہے۔ جیسے

علامہ محمد عمر دین پوری علامہ اقبال کے ہم عصر تھے۔ انھوں نے براہوئی زبان میں پچاس کے قریب دینی کتابیں لکھی ہیں اور قرآن پاک کا پہلی دفعہ براہوئی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ ان کے چند براہوئی اشعار کا اُردو ترجمہ یہ ہے:

میں شاعر اور قلم کار ہوں۔ اس لیے قلم اور زبان سے ہی آتش فشانی کر سکتا ہوں۔

مجھ میں قوت مشاہدہ ہے۔ میں قوم کا نباض ہوں۔ اس کے امراض کو جانتا ہوں اور ان کا علاج کرتا ہوں۔

مسلم قوم کے ماضی پر نظر دوڑاؤ، کیا اب یہ وہی قوم ہے؟

جو دنیا کو طرز تکلم سکھاتی تھی، گفتگو کے آداب بتاتی تھی۔

ان اشعار میں اقبال کے فکر کی جھلکیاں نمایاں ہیں۔

نور محمد پروانہ (ایڈیٹر ہفت روزہ ایلم مستونگ) براہوئی کے کہنہ مشق صحافی، شاعر اور قلم کار تھے۔ ان کے اشعار کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

پیارے بھائیو! آگے بڑھو، مل بیٹھو، یہی وہ مبارک گھڑی ہے۔ اتحاد و اتفاق میں خیر و برکت ہے، قطرہ کی کوئی اہمیت نہیں مگر قطرہ قطرہ مل کر دریا بنتے ہیں۔ اسلام اتحاد کا نام ہے۔ اسی اتحاد کے طفیل اسلام عالمگیر نظریہ بن گیا۔ اسلامی اتحاد کے لیے ہر عزیز شے قربان کر دو۔

بقول علامہ اقبال ؎

موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

پیر محمد زبیرانی نے علامہ اقبال کی کئی غزلوں اور نظموں کا منظوم ترجمہ کیا ہے۔ انھوں نے اقبال کا فکری اثر قبول کیا ہے جو ان کے براہوئی کلام سے عیاں ہے۔ انھوں نے عشق، دل اور خودی کے موضوعات پر طبع آزمائی کی ہے۔ مثلاً عشق کیا ہے؟ (ترجمہ)

عشق اصل حیات، عشق خدا کا نام ہے

عشق دین و ایمان اور قرآن ہے

عشق یاسین، طٰہٰ اور اللہ الصمد ہے

عشق عرش و کرسی اور بیت ربی ہے

عشق ایک جست میں تمام منزلیں طے کرتا ہے

عشق معراج مصطفیٰؐ ہے، عشق اللہ کا قرب ہے
خودی کے بارے میں زبیرانی کے خیالات ملاحظہ ہوں:
خودی سے مردے بھی جلا پاتے ہیں۔
خودی کمزوروں کو قوت بخشتی ہے۔
جس قوم نے خودی پہچان لی وہ دنیا و آخرت کے عذاب سے نجات پا گئی۔
اٹھو! اس دنیا میں خودی کے پیغام کو پھیلا دو۔
تاکہ دنیا میں زندگی کی ایک نئی لہر اٹھے۔
زبیرانی نے دل کی حقیقت کو یوں پہچانا ہے۔
اگر انسان دل کی حقیقت کو پا جائے
تو وہ دنیاوی مسائل پر قابو پالیتا ہے
اور فطرت کو تسخیر کرتا ہے
دل عقل و شعور سے زیادہ طاقتور ہے
دل اس حد تک رسائی حاصل کرتا ہے جہاں عقل بے بس ہو جاتی ہے
دل اگرچہ ایک نرم و نازک شے ہے
مگر اس میں وہ طاقت ہے کہ سنگ خارا کو پگھلا دے
دل مہ و سال کی گردش اور زماں و مکاں کی قید سے ماورا ہے۔

پیر محمد زبیرانی پر اقبال کا اثر غالب ہے۔ وہ براہوئی بولنے والوں کو اقبال کے افکار سے روشناس کراتا ہے۔

اسحاق سوز براہوئی زبان کے نامور شاعر ہیں۔ براہوئی غزل گوئی میں ان کا ایک خاص مقام ہے۔ ان کی ایک نظم ''دل اور آسمان کا مکالمہ'' کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

دل آسمان سے گفتگو کے لیے محو پرواز ہے۔
اور گردش گردوں سے ہمکلام ہے۔
اور کہتا ہے اے فلک نیلگوں، انسان کی پیدائش کا مقصد کیا ہے؟
کیا وہ یہاں رنج و الم برداشت کرنے آیا ہے
یا پھر عیش و عشرت اس کی زندگی کا مقصد ہے

انسان یہاں لیلیٰ بھی ہے اور خود مجنوں بھی ہے
بھلا وہ کس حقیقت کی تلاش میں سرگرداں ہے

آسمان سے صدا آئی بس بند کر زبان
یہ سوچنے اور سمجھنے کی باتیں نہیں ہیں
عقل کا بندہ نہ بن، بس عشق میں خاموشی اختیار کر
ہوشیاری اور بے ہوشی کے مابین ایک حد فاضل مقرر ہے
ان حقائق کو پانا آسان نہیں۔

اسحاق سوز کے ان اشعار سے اقبال کے فکر کی غمازی ہوتی ہے۔ عشق اور عقل کی حدوں کا تعین ہوتا ہے۔ جس مقام پر عقل کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔ وہیں سے عشق کی منزل شروع ہو جاتی ہے۔ سوز شاعر سے مخاطب ہو کر کہتا ہے:

اے شاعر شیریں بیاں اپنے ماحول کا مشاہدہ کر
تو اسرار حق کا ناطق ہے اور قوم کا ترجماں ہے
زمانے کی رفتار کو بھی دیکھ اور اپنی قوم کی حالت پر نظر ڈال۔
تو قوم کی چشم بینا ہے۔ تو قوم کے لیے مشعل راہ ہے،
تو شعر و سخن سے قوم کی رہنمائی کر۔

میر عبدالرحمٰن کرد براہوئی زبان کے بلند پایہ شاعر اور ادیب ہیں۔ ان کے شعروں میں روانی، حرکت اور عمل ہے۔ نوجوانوں کو مخاطب کر کے وطن کی خوشحالی کے لیے آگے بڑھنے کا درس دیتا ہے:

آج ہم اس جوش و جذبے سے سرشار ہیں۔
جھلسانے والی گرمی ہو یا شدید برف و باراں ہو۔ سن کر دینے والی ہوائیں چل رہی ہوں یا
مصائب و آلام کے پہاڑ سر کرنے ہوں،
ہم بلا خوف و خطر ہر مصیبت کا مقابلہ کریں گے۔
کیونکہ ہمارا وطن محنت شاقہ کا طلب گار ہے۔
اس لیے وطن کی تعمیر و ترقی کے لیے ہمیں جدوجہد کرنی ہے۔ یہ شکوہ الفاظ، یہ بلندی خیال اور عمل پیہم کا درس اقبال کا ہے۔

نادر قمبرانی کی ایک آزاد براہوئی نظم ''مرد قلندر'' کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے:

ایک مردِ قلندر آیا۔ اس نے للکارا
خودی کا پیغام دیا
اور کہا جس نے اپنی خودی پہچان لی
وہی مومن کامل بن جاتا ہے
اقبال کے اس پیغام کی گونج
کوہ و دشت، صحراؤں اور بیابانوں میں پھیل گئی
اس نے زندگی کے اسرار بتا دیے اور کہا
موت کی آنکھوں میں جس نے آنکھیں ڈالیں
درحقیقت وہی زندہ کہلانے کا مستحق ہے
زندگی دراصل شیر کی ہے چاہے وہ ایک لمحے کی ہی کیوں نہ ہو
وہ ایک لمحہ لومڑی کی ہزار سالہ زندگی پر بھاری ہے
بھیڑ اور کبوتر کی زندگی قبول مت کرو
اگر بھیڑ کی طرح بے بس بنو گے تو بھیڑیوں کا شکار ہو جاؤ گے
اگر کبوتر بن کر زندگی بسر کرو گے تو شاہین کے لیے لقمہ تر بن جاؤ گے
تنکا مت بنو کہ تمھیں ہوائیں ہر طرف لے اڑیں
پہاڑ کی طرح مضبوط رہو
شیر بنو، شہباز بنو
اور یہی دراصل زندگی ہے

بلوچی کی جدید شاعری پر اقبال کی چھاپ واضح طور پر نظر آتی ہے۔ موجودہ دور کے بلوچی شعرا کے سرخیل اور ملک الشعرا میر گل خاں نصیر کی شاعری کے بعض پہلو پیش کیے جا سکتے ہیں۔ جن میں علامہ کی فکر اور انداز بیان کے اثرات نمایاں ہیں۔ میر گل خاں کے شعروں کے پہلے مجموعے کا نام گلبانگ ہے جو یقیناً بانگ درا کے زیر اثر اس نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ میر گل خاں نصیر نے علامہ کے کلام کے تراجم بھی کیے اور تضمینیں بھی لکھی ہیں۔ فکری اثرات کے چند نمونوں کا ترجمہ دیکھیے:

اگر تم صاحب ایمان و قرآن نہیں ہو
تو سب کچھ ہو سکتے ہو مگر مسلمان نہیں ہو سکتے
تمھاری مسلمانی اس وقت تک مکمل نہیں جب تک کہ تم ہر طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

پیروی نہیں کرو گے۔ اگر میں غلط کہتا ہوں تو بے شک قابل گردن زدنی ہوں۔ جب کہ تم فرنگ
کے در پر سجدہ ریز ہو
تو لا الہٰ، کی نگہبانی کے لائق کیسے ٹھہرائے جاسکتے ہو
مومن اور پھر کافر کی غلامی یہ ناممکن ہے تم نے اگر غلامی قبول کی تو
مسلمانی کے اہل نہیں ہو۔

جس نے قوم کی عزت و ناموس
وطن کی آزادی اور اقتدار کو انگریزوں کے ہاتھ بیچ ڈالا
وہ جعفر جیسا غدار ہی ہوسکتا ہے جس نے قوم، وطن، دین اور ایمان کو ایک لقمہ نان کی خاطر
فروخت کردیا۔
خود پہ بھروسہ کرو، اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاؤ،
تم حکمران ہو۔ تمھاری تقدیر تمھارے ہاتھوں میں ہے
مال و زر کی پرواہ مت کرو۔

مسلمانوں نے شمشیر آب دار کو رکھ کر چنگ و رباب کو سنبھالا
اس لیے زنجیروں میں جکڑے گئے
اے مرد مومن تمھاری تقدیر تمھارے ہاتھوں میں ہے
اٹھو اور آزادی کا نعرہ لگاؤ۔

پیر محمد زبیرانی نے اپنے بلوچی اشعار میں بھی فکر اقبال کو اپنایا ہے۔ دو تین مثالیں پیش کی جاتی ہیں: (ترجمہ)

یہ دل محض خون کا ایک قطرہ ہی نہیں
بلکہ ایک لامحدود دنیا ہے
موج در موج ایک طوفان ہے
یہ دل اندھیری راتوں میں ایک مشعل ہے

جس نے اپنی خودی پہچان لی
وہ دونوں جہانوں میں ممتاز ہو گیا
خودی سے موت کو شکست دی جاسکتی ہے

خودی کا چمن خزاں سے نا آشنا ہے

عشق اصل حیات ہے عشق ہستی ہے
عشق خالق کا نام ہے
عشق قرآن ہے عشق ایمان ہے عشق دین ہے
عشق پر انسان کی زندگی کا دارومدار ہے
عشق رحمت و برکت ہے۔ عشق حج اکبر ہے
عشق بازوئے حیدر، خیبر شکن ہے
عشق عشاق کی زندگی ہے۔

نوجوان شعرا میں عطا شاد نے بلوچی شاعری کو جدید رنگ اور آہنگ سے آشنا کیا۔ عطا شاد اپنا ایک نیا لہجہ لے کر بلوچی شاعری میں داخل ہوا ہے جس کی انفرادیت بلوچی اور اُردو دونوں میں نمایاں ہے۔ عطا کی فکر میں جو بے خوفی اور کہستانوں کی گونجتی آواز ہے اس میں اقبال کا فیض بھی شامل ہے۔

کوہساروں کی عطا رسم نہیں خاموشی
رات سو جائے تو بہتا ہوا چشمہ بولے

عطا نے اقبال کے اسلوب کا اثر لیا ہے۔ چنانچہ عطا نے بلوچی بحور میں اپنی نظموں کے مطالب کے لحاظ سے دل پذیر ردو بدل بھی کیا ہے اور ایک نئے اسلوب کی طرف نوجوان شعرا کو مائل کیا ہے۔ عطا کی ایک معروف بلوچی آزاد نظم کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

عالم نزع میں پھٹی پھٹی آنکھوں کی خاموشی بھی ایک زبان ہے
مگر اسے دیکھنے کے لیے جداگانہ بصیرت چاہیے
اور اسے سننے کے لیے الگ سماعت درکار ہے۔ عالم ہست و بود کا عظیم رستا خیز آنے والی نسلوں کے لیے نزع کا عالم ہے
بینائی کے باوجود آنکھیں بے نور ہیں
قوت سماعت موجود ہے مگر سننے سے محروم ہیں
روح موجود ہے مگر زندگی مفقود ہے۔

عطا شاد کے ان اشعار کو سن کر بے اختیار اقبال کا یہ شعر یاد آجاتا ہے۔

دگرگوں ہے جہاں، تاروں کی گردش تیز ہے ساقی!
دل ہر ذرہ میں غوغاے رستاخیز ہے ساقی!

مرحوم آزاد جمالدینی ایک بلند پایہ شاعر اور ادیب تھے انھوں نے مرتے دم تک بلوچی ادب کی خدمت کی۔ آزاد کی ایک بلوچی نظم کا اُردو ترجمہ کچھ یوں ہے:

افسردہ شمع پھر سے درخشاں کریں گے ہم
ہر قلب، ہر نظر کو فروزاں کریں گے ہم
بخشیں گے ہم عروس وطن کو جمال نو
مشاطگی زلف پریشاں کریں گے ہم
ہر کہنہ رسم جس سے ہے بیمار ذہن قوم
اس کو رہین آتش سوزاں کریں گے ہم
ہر نقش جہل و ظلم ثقاوت مٹائیں گے
اپنے وطن کو رشک گلستاں کریں گے ہم

یہ عہد، یہ عزم، لہجہ کی یہ توانائی اقبال کی یاد دلاتی ہے۔

سید ظہور شاہ ہاشمی مرحوم بلوچی کے مایہ ناز شاعر، ادیب اور نقاد تھے۔ ان کے کلام میں بھی اقبال کا اسلوب اور فکری اثر نمایاں ہے۔ دو شعروں کا ترجمہ یہ ہے:

میں نے عالم مدہوشی میں سب کچھ پالیا
خوف دامن گیر ہے کہ دوبارہ ہوش میں نہ آؤں
یہ رنج والم محبوب کا تحفہ ہے ہم بخوشی برداشت کریں گے
بھلا مسرتوں پر بھی کوئی شکوہ کرسکتا ہے

احمد زہیر کہتا ہے:

پرانے دفتر و دیوان کو آگ لگا دو
ایک نئی داستان کی بنا ڈالو
اس نئی دنیا میں نئے فرمانرواؤں کی ضرورت ہے
نئی دنیا کی زمین بھی نئی آسمان بھی نیا ہو
نئے اور روشن ستارے ہوں، نئے روز و شب ہوں۔

اسی طرح مراد ساحر کی آواز آتی ہے جو اقبال کی صدائے بازگشت ہے:

مجھے اس رہنما کی تلاش ہے جو نئی راہوں پر لے چلے
جو موت سے بھی آنکھیں دو چار کر سکے
ایک آہ رسا ہو جو فرسودہ دنیا کو جلا ڈالے
صیاد کے ظلم سے رہائی کے لیے گلشن میں آگ لگا دے
خوف سے کیوں زندہ درگور ہو
جان کی پروانہ کر اس بے رحم آسمان اور زمین کو جلا ڈال۔

بلوچی ادب کا ایک اور نمایاں نام غوث بخش صابر کا ہے۔ انھوں نے علامہ کی کئی غزلوں کا ترجمہ حسن وخوبی سے کیا ہے۔ صابر نے علامہ سے فکری اثر بھی لیا ہے۔

بلوچی زبان کے اکثر و بیشتر شعرا نے اقبال کے اسلوب اور رنگ کو اپنایا ہے اور فکری طور پر ان سے اثر لیا ہے۔ بلوچی میں اقبال کے رنگ میں بے شمار ترانے لکھے گئے ہیں۔ وطن دوستی، اسلامی اتحاد، اخوت و مساوات، خودی، مردمومن، شاہین اور عقاب کے موضوعات پر کثرت سے نظمیں لکھی گئی ہیں۔

مرحوم محمد حسین عنقا جو بلوچی کے اعلیٰ پایہ کے شاعر اور قلم کار تھے۔ انھوں نے بھی علامہ اقبال کے اسلوب اور فکر کے اثرات کو قبول کیا ہے۔ بلوچی کے موجودہ شعرا جن میں کریم دشتی، ملک طوقی، صدیق آزاد، قاضی عبدالرحیم صابر، مولانا خیر محمد ندوی، احمد گل، غنی پرواز، اور بشیر بیدار وغیرہ شامل ہیں کسی نہ کسی طرح سے اقبال کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔

ناگی عبدالرزاق خاور

آپ بلوچستان کے ایک نامی گرامی شاعر اور انجمن دبستان بولان، کوئٹہ کے صدر تھے۔ آپ نے کم وبیش دس سال تک علمی و ادبی سرگرمیوں میں جی کھول کر حصہ لیا۔ آپ نے جناب استاد رشید انجم سے فیض حاصل کیا۔ اپنے خرچ پر کئی مشاعرے منعقد کرائے۔ بھارت سے بھی مہمان شعرا تشریف لائے۔ آپ ۲۴ فروری ۱۹۹۴ء کو اللہ کو پیارے ہو گئے۔

آپ کے تین شعری مجموعے (عرفان و آگہی، قندیل اور آبگینہ...... مطبوعہ کوئٹہ، ۱۹۹۳ء) شائع ہو چکے ہیں۔ تضمینات اقبال، اشاعت کے لیے تیار ہے۔

ناگی عبدالرزاق خاور نے اپنے پہلے مجموعہ کلام عرفان و آگہی (زیر اہتمام: انجمن

دبستان بولان کوئٹہ ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۵ء) میں کہا:

بہ فیض رومی و اقبال خاور
مری فطرت میں ذوق شاعرانہ

رئیس امروہی کے الفاظ میں: ''رومی و اقبال کا فیضان جس شخص کو نصیب ہو۔اس کے ذوق شاعرانہ کی پاکیزگی میں کیا شک ہوسکتا ہے۔''

ناگی عبدالرزاق خاور نے اپنے دوسرے مجموعہ کلام قندیل (زیر اہتمام: انجمن دبستان بولان کوئٹہ، ۱۹۸۸ء) میں کہا:

ہے نام، اقبال کا پیوستہ جیسے شمس تبریز جلال الدین رومی سے
بہ فیض قدس روحانی اب ان کے ساتھ خاور کا بھی روشن نام ہوجائے

بقول پروفیسر جگن ناتھ آزاد:

ناگی عبدالرزاق خاور کا انداز بیان اقبال کے لب ولہجہ کی یاد دلاتا ہے...... یہ ایک روحانی تعلق کی بات ہے، روحانی پیروی کا مظہر ہے...... اور اقبال کا تعلق ''من تو شدم تو من شدی'' کی صورت میں ہمارے سامنے آیا ہے۔ جس کا ایک روشن مظہر ناگی عبدالرزاق خاور کی شخصیت اور شاعری ہے۔ اب آپ اسے چاہے تقلید کہیں یا جذبہ عشق، ذوق جستجو کہیں یا اصل کی جانب لوٹنے کی تمنا، یہ ہر اعتبار سے ایک صالح جذبہ ہے اور میں اس کے لیے ناگی عبدالرزاق خاور کو مبارک باد دیتا ہوں۔

جناب ناگی عبدالرزاق خاور نے علامہ محمد اقبال کے کلام کی گہرائی میں اترنے اور گیرائی کو سمجھنے میں ایک مدت گزاری ہے۔ تب جاکر وہ تضمینات پیش کرنے کی جسارت کر سکے ہیں۔ ان کی تضمینات اپنے اندر بلا کی جاذبیت لیے ہوئے ہے۔ جبھی تو قارئین یا سامعین متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ وہ سطحی بات نہیں کہتے بلکہ نہاں خانوں میں اترتے ہیں اور دل و دماغ کو جھنجھوڑتے ہیں۔

جناب خاور کی تضمینات کلام اقبال کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے ایک قابل توصیف ذریعہ ہیں۔ ان کے ناطے سے پھولوں کے باغ کا ایک ایسا در کھلتا ہے۔ جس کی بھینی بھینی خوشبو نہ صرف دل و دماغ کو طراوت بخشتی ہے بلکہ وہ قاری کو کچھ نہ کچھ مثبت انداز میں کرنے پر آمادہ کرلیتی ہے۔ یہ خاور کی سچی سوچ کا حاصل ہے، یہ درست سمت پر گامزن ہونے اور پرکشش انداز بیان اپنانے کا نتیجہ ہے۔

مختصراً یہ تضمینات فکر اقبال کو یقیناً عام کرنے کا ایک وسیلہ، ایک زینہ اور ایک واسطہ ہیں۔

ان سے بلوچستان میں اقبال شناسی کی روایت مزید توانا ہوئی ہے۔ اقبال شناسی کے سلسلے میں خاور تابندہ کی تابندگی ہمیشہ یاد رہے گی۔

آیئے اب ہم علامہ اقبال کے افکار کی روشنی میں جناب ناگی عبدالرزاق خاور کی سجائی ہوئی بزم شعر وسخن کی تابندگی ملاحظہ کریں:

یہ میری خون افشانی یقیناً رنگ لائے گی
چمن کے ذرہ ہائے خاک سے ہوں گے گہر پیدا
نہیں ہوں ناامید اپنی میں اس سینہ فگاری سے
''کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا''
ترا حاکم خدا رہبر رسول ہاشمیؐ تیرا
تری فطرت میں پیدا کیوں ہو پھر اندوہ ولگیری
تری تخلیق میں ہے عنصر تسخیر بھی شامل
''نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری''

مرا ذوق نمو اب تجھ سے یہ فریاد کرتا ہے
الٰہی! ہر بن مو کو زبان آرزو کر دے
اثر انگیز ہو اتنی مری آہ و فغاں خاور
''چمن کے ذرے ذرے کو شہید جستجو کر دے''

سمایا ہے یہاں ذہنوں میں خاور ایک ہی سودا
برائی کی تمنا ہے امارت کی لگن بھی ہے
مفاد خویش میں کھویا ہوا ہے یوں تو ہر کوئی
''مرے اہل وطن کے دل میں کچھ فکر وطن بھی ہے''
اس قوم کے لوگوں میں اب تک ہیں بہت جوہر
رفتار زمانہ سے لیکن یہ ہیں بیگانہ
دنیا کی قیادت کے یہ آج بھی لائق ہیں
''نومید نہ ہو ان سے اے رہبر فرزانہ''

''صدائے بازگشت''

(۱)

سوز دروں سے ہے تہی آج کا صاحب ہنر
آئے کہاں سے پھر بھلا اس کی نواؤں میں اثر
اہل حرم کا آج کل تیرہ شی نصیب ہے!
ڈوبے ہیں رنگ ونور میں گرچہ حرم کے بام ودر
میں تو اسی یقین پر آیا ہوں تیری بزم میں
چمکے گا ایک دن ضرور میرا بھی گوہر ہنر
اس کو حیات نو ملی جس نے تلاش کر لیے
میری بیاض شعر سے فکر سلیم کے گہر
میں نے خودی میں ڈوب کر پایا وہ سر زندگی
جس کو میں ڈھونڈتا رہا کوچہ بکوچہ دربدر
شان خودی ہے جلوہ گر میری حریم ذات میں

(۲)

گرچہ ہوں آج ایک میں مرد فقیر و بے نوا
لائے گی رنگ ایک دن میری صدائے جانفزا
دیر و حرم میں عمر بھر اس کی تلاش ہی رہی
ہائے! مرا نصیب کہ کوئی نہ ہم زباں ملا
مجھ کو متاع زیست سے اب یہ بہت عزیز ہے
ایک شکستہ آئینہ میری متاع بے بہا
اس کے عروج بخت پر ارض و سما کو ناز ہے
رب علیٰ عطا کرے جس کو بھی عشق مصطفیٰؐ
ذوق نمود کے بنا فکر و شعور خام ہے
عالم ہست و بود میں عشق بنائے ارتقا!
پیتا ہے جو مئے حیات عشق کی بارگاہ سے
رہتا ہے دور دور وہ میر و وزیر و شاہ سے

(۳)

علم کی آرزو لیے پھرتا ہوں کو بکو
پاؤں میں آبلے پڑے آنکھیں ہوئیں لہولہو
خون دل وجگر سے میں کرتا رہا ہوں پرورش
رب کریم ہو ہرا میرا بھی نخل آرزو!
آئنہ جمال میں اس کی تجلیات دیکھ
اپنی خود کو پیش کر اپنے خدا کے روبرو
کشمکش حیات کا ذوق سفر میں لطف ہے
وہ ہے خود سے بہرہ ور جس میں ہے ذوق جستجو
کوئی کلیم آئے اور اس کا طلسم توڑ دے
دانش غرب کا فریب پھیلا ہوا ہے چار سو
مکتب و خانقاہ میں فکر کہن کا راج ہے
عصر جدید کا مگر بدلا ہوا مزاج ہے

(۴)

میری یہ آرزو دعا بن کے لبوں پہ آگئی
عزم حسینؑ ہو عطا مجھ کو بفیض ایزدی
کن فیکوں کے فیض سے خلق ہوئی ہے کائنات
صبح ازل کے نور سے دہر میں ہے یہ روشنی
کتنے ایاز دربدر پھرتے ہیں کوئے عشق میں
آہ! مگر کوئی نہیں اب تو جہاں میں غزنوی
صدق وصفا کے آئینے ڈھلتے ہیں شان فقر میں
مکر و ریا کے نت نئے بنتی ہے جال خواجگی
اہل نظر کو علم ہے اس کا مزا کچھ اور ہے
اہل خرد کو کیا خبر کیا ہے یہ کرب آگہی
طائرک بہار نے رکھ لی چمن کی آبرو
میرے کلام سے بڑھی شہر سخن کی آبرو

(۵)

دہر میں آج چار سو پھیل گئی فسوں گری
ضرب کلیم سے کوئی توڑے طلسم سامری
ایک خدائے کائنات تیری نگاہ میں رہے
اس کے سوا جہان میں سب ہیں بتان آزری
فقر غیور کا مقام شاہی سے بھی بلند ہے
شان غنا کے سامنے کیا ہے شکوہ قیصری
قوت بوترابؑ سے مجھ پر یہ راز کھل گیا
نان شعیر کس طرح بنتا ہے زور حیدری
معرکہ حیات میں اس کا ہے حوصلہ بلند
جس پہ ہوئی ہے ملتفت میری نگاہ خاوری
وہم و گماں کا ہر طرف اٹھتا ہوا غبار ہے
فکر سلیم کا فروغ میرا مگر شعار ہے

نور محمد ہمدم

آپ سوکڑ تحصیل تونسہ شریف ضلع ڈیرہ غازی خاں میں ۲۰ فروری ۱۹۲۶ء کو ایک بلوچ قبیلہ ملغانی میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۳ء میں کوئٹہ ڈویژن میں بسلسلہ ملازمت آ گئے اور یہیں سکونت اختیار کی۔ آپ پروفیسر آغا صادق کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔ آپ ٹیچر، لیکچرار اور پرنسپل رہے۔ آپ نے نعت، غزل، نظم اور اقبال اور خسرو کے کلام پر خمسے لکھے۔ ترنم قابل داد تھا۔ اُردو اور فارسی دونوں میں کہتے تھے اور خوب کہتے تھے۔ آپ کا کلام مقامی اخبارات کے علاوہ ملک کے معیاری رسائل میں بھی چھپتا رہتا تھا۔ آپ کا مجموعہ کلام آداب سفر بک سپاٹ، آرچر روڈ، کوئٹہ نے ۱۹۸۸ء میں لاہور سے چھپوایا تھا۔ علامہ اقبال کی ایک مشہور نظم ہے: ''بڈھے بلوچ کی نصیحت اپنے بیٹے کو'' اس پر نور محمد ہمدم کی تضمین ملاحظہ ہو: [۴۰]

چاکر وہ بلوچوں کے مقدر کا ستارا
تھا کوہ کے دامن میں کہیں انجمن آرا

کہنے لگا بیٹے کی طرف کرکے اشارا
''ہو تیرے بیاباں کی ہوا تجھ کو گوارا
اس دشت سے بہتر ہے نہ دلی نہ بخارا''

فرزانہ منزل ہے تو بے خوف زیاں چل
تسلیم کی راہوں میں لیے عزم جواں چل
تابندہ روایات پہ بے وہم و گماں چل
''جس سمت میں چاہے صفت سیل رواں چل
وادی یہ ہماری ہے وہ صحرا بھی ہمارا''

منزل کا نشاں دیکھ جبیں مہ نو میں
ڈھونڈ اپنا جہاں داغ سیہ فام کی ضو میں
غیرت کو نہ دے ہاتھ سے حالات کی رو میں
''غیرت ہے بڑی چیز جہانِ تگ و دو میں
پہناتی ہے درویش کو تاجِ سر دارا''

پہلے تو نظر جلوہ گر ذوق نظر کر
ہر ذرے کو پھر خندہ زن شمس و قمر کر
بجلی کی طرح خرمن اعدا پہ سفر کر
''حاصل کسی کامل سے یہ پوشیدہ ہنر کر
کہتے ہیں کہ شیشے کو بنا سکتے ہیں خارا''
آئینہ شبنم میں بہاروں کی ہے تصویر
ہر قطرہ ہے سیلاب بلا خیز کی تفسیر
ہر خار در گل کے لیے حلقہ زنجیر
''افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا!

رہزن ہے رہ شوق میں تہذیب کا رقاص
ہے زاد سفر تیرے لیے سورہ اخلاص
لے ساقی اخلاص سے یہ جام مے خاص
”محروم رہا دولت دریا سے وہ غواص
کرتا نہیں جو صحبت ساحل سے کنارا“
ہنگام سحر بھی ہے وہی شب وہی ظلمت
جاتی ہی نہیں دیدہ آئینہ سے حیرت
قسمت نظر آتی ہے مجھے شومی قسمت
”دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت
ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارا“
رکھی ہے جب اقوام نے آسائش تن پیش
دستور زمانہ نے کیے گور و کفن پیش
کر رسم کہن صورت تجدید چمن پیش
”دنیا کو ہے پھر معرکہ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا“

نور محمد ہمدم کی چند مزید اُردو اور فارسی کی تضمینیں پیش خدمت ہیں:

تقدیر سے ہاتھ آئے اسباب خود آگاہی
اُمڈا چلا آتا ہے سیلاب خود آگاہی
دو گام ہے اب بزم ارباب خود آگاہی
”جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی“

تو شاہ بدخشاں ہو یا مصر کا والی ہو
دھاک اپنی شجاعت کی عالم پہ بٹھا لی ہو
گردوں کے جھکانے کی سوگند بھی کھا لی ہو

''عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی''

اتنے تو نہیں اپنی تاریخ سے بیگانہ
تابندہ رہا ان سے سنگ درجانانہ
مشہور زمانہ ہیں افسانہ در افسانہ
''نومید نہ ہو ان سے اے رہبر فرزانہ
کم کوش تو ہیں لیکن بے ذوق نہیں راہی''

بے کیف حیات اچھی بے کیف نہ موت اچھی
توہین شرف ہستی آفاق میں فوت اچھی
مانگے ہوئے نغموں سے فریاد کی صوت اچھی
''اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

جمشید کے ساغر سے شبنم کا ضمیر اولیٰ
عرفان کی سلطانی بے تاج و سریر اولیٰ
غیرت سے جو ہاتھ آئے وہ نان شعیر اولیٰ
''دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللہی''

ہوا ہے کارواں کے دل میں پھر عزم سفر پیدا
محبت کا اثر پیدا حقیقت کی نظر پیدا!!
شب ظلمت اثر کرتی ہے آثار سحر پیدا
''سرشک چشم مسلم میں ہے نیساں کا اثر پیدا
خلیل اللہ کے دریا میں ہوں گے پھر گہر پیدا''

جبیں قوم سے پیدا نشان ارجمندی ہے
کہ مومن کے لیے مقسوم شان سربلندی ہے
طلب صادق رہی جس کی اسی کی فتح مندی ہے
''کتاب ملت بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا''

تلاش اوج ہستی میں جو دم ٹوٹا تو کیا غم ہے
اگر صدیوں پرانا جام جم ٹوٹا تو کیا غم ہے
طلسم عشرت و ناز و نعم ٹوٹا تو کیا غم ہے
''اگر عثمانیوں پر کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا''

درون دل مقامی وہ فروغ لالہ و گل را
زہر زخم جگر تعمیر کن مقصود بلبل را
بہ فیض جذب مستی محوکن چشم تغافل را
''ربود آں ترک شیرازی دل تبریز و کابل را
صبا کرتی ہے بوئے گل سے اپنا ہم سفر پیدا''

نہیں مقصود آنکھوں کے لیے سود و زیاں بینی
نگاہوں کے لیے لازم ہے ذرے میں جہاں بینی
بہاروں میں خزاں بینی خزاں میں آشیاں بینی
''جہاں بانی سے ہے دشوار تر کار جہاں بینی
جگر خوں ہو تو چشم دل میں ہوتی ہے نظر پیدا''

کہیں مجبور ہوکر آنکھ مجبوری پہ روتی ہے
کہیں چشم محبت درد مہجوری پہ روتی ہے
کہیں کلیوں پہ شبنم گل کی مستوری پہ روتی ہے

''ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا''

نہیں پیوستگی اچھی ہمیشہ شیشہ و خم سے
بلا نوشان غفلت چونک اٹھیں نعرہ قم سے
نوید زندگی ملتی ہے گلبانگ تلاطم سے
''نوا پیرا ہو اے بلبل کہ ہو تیرے ترنم سے
کبوتر کے تن نازک میں شاہیں کا جگر پیدا''

تضمین بر کلام فارسی

ہم تشنہ بر لب رندم، ہم مست الستم من
پروانہ صفت سوئے فانوس نہ جستم من
با حسن دل آویزی امید نہ بستم من
''صورت نہ پرستم من بت خانہ شکستم من
آں سیل سبک سیرم ہر بند گستم من''

خورشید خودی تابد بر پست و فراز من
بیگانہ محمود است آئین ایاز من
از کشور ہند آمد ایں فکر حجاز من
''در دیر نیاز من در کعبہ نماز من
زنار بدوشم من تسبیح بدستم من''

ہر لحظہ خیال من نادیدہ زماں ہا داشت
کاشانہ انفاسم صد برق تپاں ہا داشت
نے شوق بہاراں داشت نے بیم خزاں ہا داشت
''در بود و نبود من اندیشہ گماں ہا داشت

از عشق ہویدا شد ایں نکتہ کہ ہستم من''

تاوان دل و جاں ہست اظہار نہاں کردن
اسرار معانی را کالائے زیاں کردن
شائستہ نمی ماند نطقی بہ فغاں کردن
''سرمایہ درد تو غارت نتواں کردن
اشکے کہ ز دل خیزد در دیدہ شکستم من''

من فطرت سیمابم با شعلہ افکارم
بے خواب شباب من از دیدہ بیدارم
پیہم بہ بہم رقصاں طاؤس سخن دارم
''فرزانہ بگفتارم دیوانہ بہ کردارم
ازبادہ شوق تو ہشیارم و مستم من''

اقبال

پھول کی ہے بات لیکن گلستان کی بات ہے
گفتگو اقبال کی سارے جہاں کی بات ہے
ایک میخانہ کہاں اور ایک پیمانہ کہاں!
ہے زباں شبنم کی، بحر بیکراں کی بات ہے
تھی زیاں کی بات جس محفل کے ہونٹوں پر سدا
اب اسی محفل میں احساس زیاں کی بات ہے
جو قفس پیہم جلائے گرمی افکار سے
ان کی خاکستر سے پیدا آشیاں کی بات ہے
پہلے دامان خودی پر داغ اشکبار تھا
اب وہی منظر دلیل کارواں کی بات ہے
جس زمیں پر حسرت نجم سحر آباد ہو

اس زمیں کی بات کیا ہے آسماں کی بات ہے
شیشے میں خارا شگافی سنگ و آہن میں گداز
زور بازو کی نہیں زور بیاں کی بات ہے
عزم طوفاں، بستہ ساحل سفینوں کو دیا
ساحل افتادہ میں موج رواں کی بات ہے
جس کو کہتا ہے زمانہ مسکراتا پھول کا
مسلک اقبال میں ضبط فغاں کی بات ہے
ترجمان سر عشق و مومن و فقر و خودی
نکتے نکتے میں نشاط قلب و جاں کی بات ہے
ایک آئین نظر بخشا ہے اس کی فکر نے
جس پہ وا ہر عقدہ کون و مکاں کی بات ہے
اس کے آئین نظر بخشا ہے اس کی فکر نے
جس پہ وا ہر عقدہ کون و مکاں کی بات ہے
اس کے آئین نظر سے دہر کو دیکھیں اگر
بحر استبداد میں ریگ رواں کی بات ہے
فکر مغرب کا بھرم کھولا تو یہ ظاہر ہوا
موت کے لب پر حیات جاوداں کی بات ہے
معرفت کی ذیل میں اہل خبر کا تذکرہ
برملا کہہ دوں تو زیب داستاں کی بات ہے
سرنگوں ہے جس کے پیمانے میں دانش کا خمار
جس کی مستی میں شعور دوجہاں کی بات ہے
''در جنوں از خود نہ رفتن کار ہر دیوانہ نیست''
اپنے اپنے ظرف کی تاب وتواں کی بات ہے
مکتب اقبالؒ کے درس بصیرت میں اگر!
دل نہ ہو شامل تو سعی رائگاں کی بات ہے[۱۷]

وحید زہیر

آپ قلات کے باسی ہیں۔ ۱۹۶۱ء میں پیدا ہوئے۔ آپ براہوئی کے معروف شاعر اور ادیب ہیں۔ صوبائی محکمہ اطلاعات میں افسر اطلاعات ہیں۔ اُردو میں بھی خوب لکھتے ہیں۔ ریڈیو اور ٹی-وی کے لیے براہوئی میں اچھا خاصا لکھا ہے۔ آپ کے بعض اُردو تراجم کے حوالے براہوئی سے اُردو تراجم از ڈاکٹر انعام الحق کوثر (اسلام آباد، ۱۹۸۷ء) میں موجود ہیں۔ اب تک براہوئی میں چار کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب ای ء اقبال (میں اور اقبال) ہے۔ جس کے پبلشر قریشی پبلی کیشنز، چوک مشن روڈ، کوئٹہ اور تعاون براہوئی ادبی سوسائٹی، بروری روڈ کوئٹہ کا ہے۔ مطبع: یونائیٹڈ پرنٹرز، زونکی رام روڈ کوئٹہ۔ سن اشاعت: جولائی ۱۹۸۸ء صفحات ۱۸۸، لکھائی چھپائی معیاری۔

کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں علامہ اقبال کے حالات زندگی ان کے خاندان، ہندو مسلم فسادات اور ان میں اقبال کا سیاسی کردار، یورپ میں تعلیم و سفر افغانستان بیماری کے ایام اور وفات کے ذکر کے علاوہ مختلف تصانیف اور اہل قلم کے تاثرات دیے ہیں۔ دوسرے حصہ میں علامہ اقبال کے فکر وفن جیسے فلسفہ خودی، فلسفہ حیات، مرد مومن، نوجوانوں سے خطاب، مزدور، کاشت کار، دہقان، سرمایہ دار، عورت کا مقام اور فقر وغیرہ کو آسان اور شستہ زبان میں پیش کیا ہے۔ اس کتاب میں وحید زہیر صاحب نے ملی اور قومی انداز فکر کو اپنایا ہے۔ یہ براہوئی میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔ جس پر مصنف یقیناً مبارک باد کے مستحق ہیں۔

اختر واحد قاضی، گلزار حسین گلزار، افضل کوٹلوی

اختر واحد قاضی، گلزار حسین گلزار اور افضل کوٹلوی نے وادی بولان میں ترتیب دی اسے محمد جمیل بھٹی نے اسلامیہ پریس کوئٹہ میں چھپوایا۔ ملنے کا پتہ: جے جی سٹیشنرز بک سیلرز، شارع لیاقت علی، کوئٹہ، کل صفحات ۱۵۸، قیمت دو روپے۔ سن اشاعت ۱۹۵۵ء

پیش لفظ اور تعارف کے علاوہ یہ مجموعہ سات مقالات و مضامین، تئیس منظومات اور چار افسانوں پر مشتمل ہے۔

رفیق چوہان نے اپنے مضمون ''جو ہو ذوق یقین پیدا'' میں کہا ہے کہ ملت اسلامیہ ان افراد کی بدولت زندہ رہی ہے اور رہے گی جو ذوق یقین سے بہرہ ور تھے مثلاً مصطفیٰ کمال، جمال

الدین افغانی، مولانا محمد علی جوہر، علامہ اقبال وغیرہم۔

حافظ قاری محمد ابراہیم

حافظ خلف الرشید، حاجی مہتاب الدین امرتسری (۱۰راگست ۱۸۹۶ء ۔۔۔ ۲۷رفروری ۱۹۹۲ء) ایک مدت تک کوئٹہ شہر کی علمی و ادبی محفلوں کی جان رہے۔ آپ کم و بیش تمام اصناف میں شعر کہتے تھے۔ مرزا غالب کے شاگرد خان بہادر اور رضا علی وحشت کے شاگرد سید ظفر ہاشمی سے اصلاح لیتے رہے۔

تاریخ گوئی میں خاص ملکہ لکھتے تھے۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ قرآن مجید کا منظوم قرآنی مفہوم (اردو) ہے جو ہزاروں اشعار پر مشتمل ہے۔ اس پر اہل بلوچستان جس قدر فخر کریں کم ہے۔ یہ منظوم تفسیر آپ نے دس برس کی محنت شاقہ کے بعد ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء میں مکمل کی۔ اب تک غیر مطبوعہ ہے۔

علاوہ ازیں آپ نعت گوئی میں خصوصی دلچسپی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ آپ کا نعتیہ کلام حافظ مسمی بہ نوغذائے روح ۱۹۸۲ء (قلمی) ہمارے پیش نظر رہا۔

(سرور کونین ﷺ کی مہک بلوچستان میں ڈاکٹر محمد انعام الحق کوثر، کوئٹہ ۱۹۷۰ء، ص ۲۸۸ تا ۲۹۰)

آپ کو علامہ اقبال کے کلام سے بھی گہری دلچسپی تھی۔ نتیجتاً آپ نے دوسرے شعرا کے علاوہ بال جبریل اور ضرب کلیم کے تضمینات بھی تحریر کیے۔ ہر ایک کے سو سو تضمینات ہیں۔ چند تضمین ملاحظہ فرمائیے:

بال جبریل پر تضمینات کے مجموعہ کا عنوان بانگ رحیل ہے۔

کس طرح تو نے بھلا دی اپنے رہبر کی یہ بات
رفعت فکر و نظر کی دل کی دلبر کی یہ بات
آئی جب اپنی سمجھ میں اپنے ہمسر کی یہ بات
"پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن"

ص ۶

دل ناداں کو جب بخشا ذوق خود آ گاہی

نشان جادۂ و منزل کو اپنی پا گیا راہی
ہوا سوز دروں سے جب عیاں ذوق خود آ گاہی
”کبھی حیرت کبھی آہ سحر گاہی
بدلتا ہے ہزاروں رنگ میرا ذوق مہجوری

ص ۲۵

تھا اپنا گماں رکھتے ہیں قلب صفا بھی
نزدیک سے دیکھا تو کھلا مکر و ریا بھی
اے بادہ کشو دکھا یہ آئین جفا بھی؟
”ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی
گھر پیر کا تجلی کے چراغوں سے ہے روشن“

ص ۵۷

ضرب کلیم پر تضمینات کے مجموعہ کا عنوان کلاہِ خضر طریق ہے چند تضمین یہ ہیں:

ملی بھی غیر کے گھر میں پناہ تو کیا حاصل؟
جو مستعار ملی بھی نگاہ تو کیا حاصل؟
جو تونے پایا بھی تخت و کلہ تو کیا حاصل؟
”خرد نے کہہ بھی دیا لاالٰہ تو کیا حاصل؟
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں“

تضمین نمبر ۱۵

اس حال میں کیا سوچا ہے؟ کچھ بات کہو تو
دنیا کے بدلتے ہوئے تیور بھی تو دیکھو
یہ خواب گراں قبر میں لے جائے نہ تم کو
”وہ مرد مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو
ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستیِ کردار“

تضمین نمبر ۲۳

زباں میں حرف خودی تو بھی لا تو سکتا ہے

نہاں ہے جلوہ جو تجھ میں دکھا تو سکتا ہے
دلوں میں شمع حقیقت جلا تو سکتا ہے
''بیاں میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے
تیرے دماغ میں بت خانہ ہو تو کہیے''

تضمین نمبر ۳۳

عرفان الحق صائم ۲۷

بلوچستان کے اردو شاعر عرفان الحق صائم نے یوں تو علامہ اقبال کے حوالے سے شاعری بھی کی ہے اور چار مصرعوں میں اُن کا قطعہ تاریخ وفات بھی کہا ہے۔ لیکن علامہ اقبال کے سال (۲۰۰۲ء) کے حوالے سے انھوں نے ایک اور طویل قطعہ تاریخ وفات ایسا کہا ہے جو اس سے پہلے دیکھنے میں نہیں آتا، ماضی میں تو صادق حسین نقوی، اخگر سہارنپوری، اثر جلیلی، ارشد امروہوی اور عیاض گوالیاری سمیت تاریخ گوئی کی روایت بہت سے شعراء میں ملتی ہے۔ لیکن آج کل بلوچستان میں عرفان الحق صائم اکیلے ہی اس کام میں مصروف نظر آتے ہیں، گویا اب صوبے میں انھوں نے تاریخ گوئی کی روایت کو برقرار رکھا ہوا ہے۔ جس طویل قطعہ تاریخ کا یہاں ذکر ہو رہا ہے۔ وہ آٹھ اشعار پر مشتمل ہے جس کے آخری دو اشعار یعنی آخری چار مصرعے بہت ہی خاص ہیں، پہلے وہ چاروں مصرعے دیکھیے جو علامہ اقبال کے حوالے سے ہیں۔

''ولی یکتا''	''شفیق''	''سرمایۂ صفا''	اور ''چشم عالم''	۱۹۳۸ء
۴۷۷	۴۹۰	۴۸۷	۴۸۴	
''وہ عطرِ دہر''	''والا ہمت''	''شمع ایواں''	وہ ''اہل جنت''	۱۹۳۸ء
۴۸۸	۴۸۳	۴۷۸	۴۸۹	
کبھی وہ ''اشفاق''	''جان یکتا''	وہ پاک طینت''	''رفیق ہمدم''	۱۹۳۸ء
۴۸۲	۴۸۵	۴۹۲	۴۷۹	
وہ ''گل فشانی''	''نوید بہجت''	''مرد زیرک'' ۔	''کوئے محبت''	۱۹۳۸ء
۴۹۱	۴۸۰	۴۸۱	۴۸۲	
۱۹۳۸ء	۱۹۳۸ء	۱۹۳۸ء	۱۹۳۸ء	۱۹۳۸ء

ان چار مصرعوں میں واوین کے اندر ہر مصرعے میں چار الفاظ یا جملے دیے گئے ہیں۔ جو کل سولہ

بنتے ہیں۔ اگر ان الفاظ یا جملوں کو سولہ خانوں میں تقسیم کر دیا جائے اور کسی بھی سمت سے اوپر، نیچے دائیں، بائیں یا پھر کراس کر کے چار الفاظ کی قیمتوں کی گنتی کریں جیسے کراس کرتے ہوئے [ولی یکتا (۴۷۷)+ والا ہمت (۴۸۳)+ پاک طینت (۴۹۲)=۱۹۳۸ء] تو آپ دیکھیں گے کہ ہر طرف سے حاصل جمع ۱۹۳۸ء آ جائے گا، اور یہی علامہ کا یوم وفات ہے اور یہی اس قطعے کی تکنیک ہے۔ یہ تعویز کے نقش کے انداز میں تاریخ کہی گئی ہے جو کم از کم تیس بار نکلتی ہے۔ قارئین چاہیں تو اس گنتی کو مختلف جہتوں میں خود کر کے تجربہ کر سکتے ہیں، بس واوین سے باہر موجود الفاظ کو گنتی میں شمار نہ کیا جائے۔ البتہ عرفان الحق صائم نے قائد اعظم محمد علی جناح کا بھی اس انداز میں مادۂ تاریخ نکالا ہے اُس میں بھی اتنی ہی بار تاریخ نکلتی ہے، اُس کی خاصیت یہ ہے کہ اُن چار مصرعوں میں کوئی ایسا اضافی لفظ نہیں ہے جس کی قیمت شمار نہ کرنی ہو۔ ان دونوں قطعات تاریخ کا طریقہ تخلیق اتنا پیچیدہ ہے کہ ہر لحاظ سے حیرت انگیز ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر نے خوب خوب محنت کی ہے، جو یقیناً قابل ستائش ہے۔

امین الحق

بلوچستان میں اقبالیات مقالہ برائے ایم فل اقبالیات، نگران: پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر شعبہ اقبالیات، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ۱۹۹۲ء، صفحات ۲۸۳ مقالہ ہذا کے مشمولات مندرجہ ذیل ہیں:

۱ انتساب، تصدیق نامہ، تشکر، مقالہ کا مقصد اور اہمیت
۲ صوبہ بلوچستان، ایک تعارف، بلوچستان میں وطنی اور قومی شاعری
۳ بلوچستان میں ادبی انجمنوں کا کردار اور اقبال شناسی
۴ علامہ اقبال پر لکھی جانے والی کتب
۵ بلوچستان کی ادبی شخصیات اور اقبالیات
۶ اقبالیات اور شعبہ اردو، جامعہ بلوچستان
۷ بلوچی اور براہوی میں لکھنے والے چند شعرا و ادیب
۸ بلوچی اور براہوی میں لکھنے والے چند دیگر شعرا و ادیب
۹ بلوچی ادب پر اقبال کے اثرات (غیر مطبوعہ مقالہ)

۱۰ کتابیات

ڈاکٹر علی کمیل قزلباش

اصل نام غلام علی، پہلے دیپک تخلص رکھا، ۱۹۹۶ء سے کمیل کے تخلص سے لکھنے لگے ۱۵/ اپریل ۱۹۶۸ء کولورالائی میں پیدا ہوئے۔ بی اے تک تعلیم وہیں حاصل کی اس کے بعد بلوچستان یونیورسٹی سے ۱۹۹۳ء میں پشتو میں ایم اے پہلی پوزیشن میں کر لی۔ جبکہ اس کے بعد ایم اے اردو اور ایم اے فارسی بھی کی۔ ۱۹۹۵ء میں بطور لیکچرار پشتو ژوب میں تعیناتی ہوئی اور ۱۹۹۸ء میں ڈگری کالج کوئٹہ تبادلہ ہوا۔ کوئٹہ میں رہتے ہوئے ریڈیو اور ٹی وی میں کمپیرنگ اور دوسرے ادبی پروگرام بھی کرتے رہے۔ جبکہ زمانہ طالب علمی ہی میں ایک پشتو سہ ماہی کتابی سلسلہ قماس کے نام سے شروع کیا، جس کے چھ شمارے شائع ہوئے اور پشتو ادب اور صحافت میں مقام حاصل کیا۔ روز نامہ مشرق کوئٹہ میں کئی سالوں تک ادبی اور ثقافتی کالم بھی لکھتے رہے روز نامہ کوہستان کے ادبی صفحہ اور میگزین سیکشن کے فارسی حصے کے انچارج بھی رہے۔ ۱۹۹۵ء میں شاہکار پشتو افسانے کے نام سے کلاسیک پبلشرز لاہور سے ان کی پشتو کے مختلف افسانہ نگاروں کے اردو تراجم پر مشتمل کتاب شائع ہوئی۔

کمیل قزلباش پشتو اردو اور فارسی میں شاعری کرتے ہیں اس کے علاوہ تنقیدی مضامین، افسانہ انشائیہ، خاکہ وغیرہ بھی لکھتے ہیں ان کی تخلیقات پاکستان اور ملک سے باہر کے موقر ادبی رسائل اور اخبارات میں شائع ہوتی ہیں۔ جبکہ تراجم کے حوالے سے ان کا کالم پاکستان اور بالخصوص بلوچستان میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ انھوں نے حضرت علیؑ کی کتاب نہج البلاغہ ترجمہ جو کہ امیر حمزہ شنواری نے کیا تھا کو بھی ۲۰۰۲ء میں شائع کیا۔

جبکہ ڈاکٹر علی شریعتی کی کتاب کا ترجمہ بھی اردو میں کر کے شائع کیا ہے۔ سال ۲۰۰۲ء میں کمیل کو تہران یونیورسٹی میں ڈاکٹریٹ کے لیے داخلہ ملا، جس کے بعد دو سال تک وہاں مقیم رہے اور پی ایچ ڈی کی کلاسوں میں نمایاں نمبر حاصل کیے اور ان دنوں ڈاکٹریٹ کی تحقیق فارسی زبان میں ”مطالعہ تطبیقی علامہ اقبال لاہوری وخوشحال خان خٹک“ کے عنوان سے لکھ کر امسال پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ کمیل نے اقبال پر سب سے پہلا مقالہ نومبر ۱۹۹۳ء میں بلوچستان یونیورسٹی میں اقبال کے حوالے سے منعقدہ سیمینار میں ”اقبال اور خوشحال“ کے عنوان سے پیش کیا تھا جبکہ سال

۲۰۰۲ء آئی ڈی ایس پی کی جانب سے منعقدہ بلوچی اکیڈمی کے سیمینار میں ''اقبال فردائے روشن کا شاعر'' کے عنوان سے مقالہ پڑھا اسی طرح سال اقبال کی مناسبت سے ماہ نو کے ادارے کے سیمینار کے لیے کوئٹہ میں اقبال پر ''برتر از گردوں مقام آدم است'' کے موضوع پر اپنا اردو مقالہ لکھا، یہاں ان کی ایک فارسی غزل جو کہ اقبال کے مصرعے پر کہی گئی ہے پیش خدمت ہے:

سخن عشقم و تاثیر دوامی دارم
ناتمامی کہ بود حرف، تمامی دارم
شکر ایزد کہ نہ شیخم و نہ دستار فروش
دست در دست مغان دارم و جامی درام
من ز امروز و ز فردا خبری داشتہ ام
آن کہ تایار رسدہ کوچ و بامی دارم
پیکر گفت: کہ من سر تمنامی سرم
خنجری گفت: کہ من نیز نیامی دارم
حرف آن ''مرد قلندر'' بہ دلم می خوردہان
ولی افسوس کہ من خوی غلامی دارم
عشق آموختہ ام از در اقبال، کمیل
''مرغ لاھوتم و از دوست پیامی دارم''

ڈاکٹر علی کمیل قزلباش نے تہران یونیورسٹی سے بعنوان ''مطالعہ تطبیقی علامہ اقبال و خوشحال خان خٹک، پی۔ ایچ۔ ڈی کر لی ہے۔ اس تحقیقی مقالے کو نو حصوں میں (۳۶) ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے جس کے پہلے حصے میں برصغیر میں فارسی زبان و ادب، فارسی و پشتو زبان کے مشرکات، فارسی ادب کا اثر پشتو ادب پر، تقابلی مطالعے کی اہمیت اور اقبال و خوشحال کا تقابلی مطالعہ کو بیان کیا گیا ہے۔

دوسرے حصے میں خوشحال خان خٹک کے دورہ زندگی اور آثار، خوشحال خان کی شاعری اور اسلوب اور خوشحال کی فارسی شاعری، شامل ہیں۔

تیسرا حصہ علامہ اقبال کی زندگی دور اور آثار، اقبال کی شاعری اور اسلوب، خوشحال اقبال کی نظر میں اور کل کا خوشحال آج کا اقبال پر مشتمل ہے۔

چوتھا حصہ، جہاں سے ان دونوں شعراء کی شاعری کا تقابلی جائزہ شروع ہوتا ہے، دونوں

کی شاعری میں عشق مصطفیٰ ﷺ، حضرت علیؓ کا ذکر، عشق اصحاب اور اہل بیت رسول اور قرآنی موضوعات پر مشتمل ہے۔

پانچویں حصے میں، خودی، مردمومن، آزاد مرد، شیرانہ زندگی تحرک کا کام ہے، شاہین و باز اور تلوار جیسے موضوعات پر بحث ہوئی ہے۔

جبکہ چھٹا حصہ، منت غیر سے کنارہ کشی، بادشاہ کے دربار سے دوری، غلامی کی مذمت اور مقام آدم پر مشتمل ہے۔

ساتوں حصے میں، عشق، لالہ، اور عقل و عشق کا موازنہ کوان شعراء کے افکار میں تلاش کیا گیا ہے۔

آٹھویں حصے میں دین ملا و مجاہد، درویشی کی عظمت اور شراب حقیقی کے حوالے سے بحث ملتی ہے۔

نواں اور آخری حصہ، دونوں شعراء کے اشعار میں عالم مشرق کے جینوا کی شخصیات اور تفکرات کے علاوہ جوانوں کے عزم اور حوصلے سے متعلق اشعار پر گفتگو ہوئی ہے۔ واضح رہے کہ اس مقالے کو انتہائی کم مدت میں مکمل ہونے کے باوجود ضخامت اور معیار کے حوالے سے بہترین تحقیق قرار دے کر اعلیٰ درجے اور ساڑھے ستانوے فیصد نمبروں سے پاس کیا جا چکا ہے۔ اس تحقیق میں اقبال کی فارسی اور اردو اور خوشحال خان کی پشتو اور فارسی شاعری سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر علی کمیل تہران یونیورسٹی سے بلوچستان کے دوسرے جبکہ فارسی اور پشتو ادب میں پہلے پی ایچ ڈی ہیں۔

ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی

آپ نے ''پشتو شاعری پر اقبال کے اثرات'' تحقیقی مقالہ برائے ایم فل اقبالیات، شعبۂ اقبالیات علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد زیر نگرانی ڈاکٹر انعام الحق کوثر (حصہ اردو) اور پروفیسر سید عابد شاہ عابد (حصہ پشتو) تحریر کر کے ۱۹۹۷ء میں پیش کیا اور ڈگری حاصل کی۔ صفحات ۳۲۱۔

انتساب یوں ہے: افغان شناس اقبال اور اقبال شناس افغانوں کے نام۔ تعارف مقالہ کے بعد چھ ابواب (باب اوّل پشتو شاعری، باب دوم: اقبال کی شاعری، باب سوم: پشتو شاعری پر اقبال کے اثرات، باب چہارم: پشتو شاعری میں اقبال کو منظوم خراج تحسین، باب پنجم: اقبال سے متاثر پشتون شعر، (ان میں بلوچستان، سرحد اور افغانستان کے پشتون شعرا شامل ہیں) باب ششم: کتابیات پر مبنی ہے۔

موقع و محل کے مطابق پشتو کے اردو ترجمے بھی دیے گئے ہیں۔ اختتامیہ میں سارے

مقالے کا نچوڑ پیش کیا گیا ہے۔

آپ نے بڑی تگ ودو کے بعد دسمبر ۲۰۰۳ء میں پی ایچ ڈی کا مقالہ ''افغانستان میں اقبال شناسی کی روایت'' شعبہ اقبالیات علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد زیرِ نگرانی ڈاکٹر انعام الحق کوثر پیش کر دیا تھا۔ اب پی ایچ ڈی ہو گئے ہیں۔ آپ کی تین کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ ایک پشتو اکادمی کوئٹہ نے شائع کی ہے جس میں پشتون شعرا کا اقبال کو خراج عقیدت شامل ہے۔ دوسری اقبال اور پشتو شاعری اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۰۴ء، تیسری سیر اقبال شناسی در افغانستان، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۰۴ء

ڈاکٹر عبدالرؤف نے پی ایچ ڈی کے لیے ''افغانستان میں اقبال شناسی کی روایت'' پر ایک مقالہ لکھا ہے۔ یہ مقالہ سات ابواب پر مشتمل ہے جن میں پہلا باب اقبال کی افغان دوستی اور افغانوں کی اقبال دوستی پر مشتمل ہے۔ اقبال کی افغان دوستی کے سلسلے میں پہلے افغانستان کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ پھر کلام اقبال میں مشاہیر افاغنہ کے تذکرے پر تحقیق کی گئی ہے۔ ان مشاہیر میں احمد شاہ ابدالی، جلال الدین بلخی رومی، سید جمال الدین افغانی، حکیم سنائی غزنوی، خوشحال خان خٹک، سلطان محمود غزنوی، شیر شاہ سوری، علی ہجویری، فخر الدین رازی اور محمد نور الدین جامی شامل ہیں۔ ان کے علاوہ معاصر افغان شخصیات غازی امان اللہ خان، اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ المتوکل علی اللہ محمد ظاہر شاہ پر کلام اقبال کی روشنی میں تحقیق کی گئی ہے۔ جبکہ افغانوں کی اقبال دوستی کے سلسلے میں حضرت کے افغانوں کے ساتھ مراسم، علامہ کا سفر افغانستان اور افغانوں کی پذیرائی کے حوالے سے تحقیق کی گئی ہے۔

باب دوم میں افغانستان میں اقبال شناسی کی روایت کے آغاز پر تحقیق موجود ہے۔ اس باب کے ضمنی عنوانات کے تحت افغانستان کے ابتدائی اقبال شناسوں پر تحقیق کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ افغانستان میں علامہ کی شخصیت اور فکر و فن کے حوالے سے لکھی جانے والی مطبوعہ وغیرہ کتب پر تحقیق کی گئی ہے۔ باب سوم افغانستان میں اقبال شناسی کے ارتقا سے متعلق ہے۔ اس ارتقا سے متعلق ہے۔ اس ارتقائی عمل کو تین ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا دور بعد از وفات حضرت علامہ ۲۲/اپریل ۱۹۳۸ء دوسرا دور ۱۹۵۰ء تا ۱۹۷۷ء (صد سالہ جشن ولادت حضرت علامہ) جبکہ تیسرا دور ۱۹۷۸ء سے ۲۰۰۳ء (تادم تحقیق مقالہ)۔ ۱۹۷۸ء میں افغانستان میں ایک خونی انقلاب برپا ہوتا ہے۔ مختلف جہادی تنظیمیں افغانستان میں روسی فوجوں کو پسپائی پر مجبور

کرتی ہیں۔قندھار اور غزنی کے کوہساروں اور بیابانوں سے بلند ہونے والی تکبیر کی صداؤں نے کریملن کے غرور کو خاک میں ملا دیا۔ وسطی ایشیائی ریاستوں کو اسی طفیل ایک بار پھر پروردگار نے نعمت آزادی سے سرفراز فرمایا اسی دوران افغان جہاد اور ان کے محرکات میں فکر اقبال کے اثرات پر تحقیق کی گئی ہے۔

باب چہارم افغانستان میں پشتون اقبال شناسوں کے تعارف اور ان کی اقبالیاتی خدمات سے متعلق ہے۔ان میں سردار محمد علی خان درانی، حبیب رفیع، خلیل اللہ خلیلی، عبدالباری شہرت ننکیال، علامہ عبدالحی حبیبی، عبدالرحمٰن پژواک، عبدالرؤف بینوا، محقق عبداللہ تختانی خدمتگار، عبدالباری داوی، پریشان، عزیز اللہ وکیل پوپلزئی، غلام دستگیر خان مہمند، قیام الدین خادم گل، باچا الفت محمد، رحیم الہام اور ڈاکٹر محمد صادق فطرت ناشناس شامل ہیں۔

باب پنجم افغانستان کے فارسی گو اقبال شناسوں اور ان کی اقبالیاتی خدمات سے متعلق ہے۔ان میں سرور خان گویا، صلاح الدین سلجوقی، صدیق رہیو، صوفی عبدالحق بیتاب ملک الشعرا قاری عبداللہ ملک الشعرا، جیلانی اعظمی، پروفیسر غلام حسین مجددی، غلام رضا مائل ہروی، محمد ابراہیم خلیل اور سید محمد قاسم رشتیا شامل ہیں۔

باب ششم افغانستان میں مقالات اقبال پر تحقیق کی گئی ہے۔ان میں افغانستان میں حضرت علامہ کے فکر وفن اور شخصیت کے مختلف پہلوؤں سے متعلق بیس منتخب مقالات کے مشمولات پر تحقیق کی گئیء ہے۔

باب ہفتم میں کتابیات کی تفصیل ہے۔

مقالے میں سات عدد جدول بھی دیے گئے ہیں جن میں جدید ترین سائنسی تحقیقی اصولوں کے تحت نہایت اختصار کے ساتھ مقالے کے مختلف ابواب کی سمری پیش کی گئی ہے ان جدولوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

جدول نمبر ا: حضرت علامہ سے ملاقات کرنے والے افغان ادبا، شعرا اور دانشور۔نام ملاقات کنندہ ،تاریخ ملاقات، مقام ملاقات، مقصد ملاقات، ماخذات و کیفیت۔

جدول نمبر ۲: نام ملاقات کنندہ، تاریخ و مقام ملاقات، مقصد ملاقات، ماخذات، کیفیت۔

جدول نمبر ۳: افغانستان کے پشتون اقبال شناس ۔ نام ولدیت، پیدائش، تاریخ و مقام ملاقات، تاریخ و مقام، تصانیف، اقبالیاتی خدمات۔

جدول نمبر۴: افغانستان کے فارسی گو اقبال شناس۔ نام، ولدیت، پیدائش، تاریخ و مقام، وفات، تاریخ و مقام تصانیف، اقبالیاتی خدمات۔

جدول نمبر۵: مجلّہ کابل کی اقبالیاتی خدمات، نمبر شمار، عنوان از نظم، اشاعت سال و شمار، صفحہ از۔۔۔تا کیفیت۔

جدول نمبر۶: دیگر مطبوعات کی اقبالیاتی خدمات نثری، نمبر شمار، عنوان، مضمون نگار، اخبار/جریدہ، نظم/نثر، سن اشاعت، سال شمارہ صفحہ از۔۔۔تا کیفیت۔

جدول نمبر۷: الف۔ افغانستان میں اقبال کو منظوم خراج تحسین (فارسی) نمبر شمار، نظم، شاعر، مطبوعہ سن اشاعت، سال شمارہ، صفحہ از۔۔۔تا کیفیت۔

ب۔ افغانستان میں اقبال کو منظوم خراج تحسین۔(پشتو)

ڈاکٹر انعام الحق جاوید

مرتب، پاکستانی زبانوں میں منتخب کلام اقبال کے منظوم تراجم (شکوہ، جواب شکوہ، مرد مسلمان غزل) معاونین: عبداللہ جان عابد، حسین بخش ساجد، اسلام آباد، ۲۰۰۲ء

اس میں پنجابی، سندھی، پشتو، بلوچی، براہوئی، سرائیکی، بلتی اور دیگر پاکستانی زبانوں کے ترجمے شامل کیے گئے ہیں۔ بلوچی ترجمہ کی تفصیل یہ ہے:

شکوہ جواب شکوہ: ڈاکٹر فضل خالق بلوچ، مرد مسلمان: غوث بخش صابر غزل: واحد بزدار براہوئی ترجمہ کی تفصیل یوں ہے:

شکوہ جواب شکوہ: جوہر براہوئی، مرد مسلمان: عبدالصمد شاہین، غزل: حسین بخش ساجد پشتو ترجمہ کی تفصیل اس طرح ہے۔

شکوہ جواب شکوہ: سید راحت زاخیلی، مرد مسلمان : سید محمد تقدیم الحق کاکا خیل غزل: عبداللہ جان عابد

پروفیسر عبداللہ جان جمالدینی

نامی گرامی دانشور اور سابق صدر شعبہ بلوچی، بلوچستان یونیورسٹی اپنے اُستاد میر مٹھا خان مری کے توسط سے علامہ اقبال سے متاثر ہونے کے بابت اس انداز میں ذکر کرتے ہیں۔ وہ اپنے اُستاد سے خود ہی بیان کرتے ہیں کہ: (ترجمہ)

جناب آپ سے میری گذارش یہ ہے کہ میں جماعت چہارم سے آپ کا شاگرد ہوں بلکہ

میری زندگی سنوارنے میں آپ کا بڑا ہاتھ ہے۔ مجھے وہ وقت یاد ہے جب آپ ہمارے سامنے اقبال کے اشعار پڑھتے تھے اور ہم ان اشعار کو یاد کر کے محافل ومجالس میں جا کر سناتے تھے۔

(بلوچی ادب پر اقبال کے اثرات، غلام قاسم مجاہد، ۱۹۹۶ء، قلمی ص ۱۴)

افضل مراد

محمد افضل مراد کوئٹہ میں ۲ جنوری ۱۹۶۱ء کو پیدا ہوئے۔ آپ ایم اے (براہوئی، فرسٹ کلاس فرسٹ) ہیں۔ آپ اردو اور براہوئی کے نامور ادیب، شاعر، مترجم، افسانہ نویس، ڈرامہ نویس، کالم نگار اور ہائیکو نگار ہیں۔ متعدد انعامات بھی حاصل کر چلے ہیں۔

۱۹۸۳ء سے روزنامہ جنگ کوئٹہ کے ادبی میگزین سے منسلک اور انچارج، بچوں کا صفحہ ہیں۔ کئی کتابیں چھپ چکی ہیں۔ کی ایک زیر طبع ہیں اور ان دنوں اکامی ادبیات پاکستان کے بلوچستان میں زیریڈنٹ ڈائریکٹر ہیں۔ آپ کا علامہ اقبال کی بال جبریل کی بیس غزلوں ایک براہوئی ترجمہ خاصہ مشہور ہے۔

میر محمد صلاح الدین مینگل

آپ (تاریخ پیدائش ۲۶ رجون ۱۹۵۴ء) ایم۔اے (معاشیات) ایل ایل بی، بارایٹ لاء، ایل ایم ہیں۔ آپ آج کل ایڈوکیٹ جنرل، حکومت بلوچستان ہیں۔ پیشتر ازیں لاء کالج کوئٹہ کے پرنسپل، اسسٹنٹ ایڈوکیٹ جنرل حکومت بلوچستان اور جوڈیشل ممبر انکم ٹیکس ٹریبونل رہے ہیں۔

آپ ۱۸ر مارچ ۱۹۹۴ء سے براہوئی اکیڈمی پاکستان کوئٹہ کے چیئرمین ہیں۔ اگست ۱۹۹۴ء میں ایک بین الاقوامی براہوئی ادبی سیمینار بھی منعقد کرا چکے ہیں۔ اکیڈمی آپ کی سربراہی میں بہت فعال ہے۔ متعدد کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ اکثر ادبی مجالس کا بندوبست ہوتا رہتا ہے۔ آپ کی کئی کتابیں چھپی ہیں۔ ان میں ایک اہم کتاب اقبال اوورناک (اقبال اور نوجوان) کوئٹہ ۱۹۹۵ء صفحات ۹۵ چھپی ہے۔

اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ علامہ اقبال کے کلام نے نوجوانوں میں زندگی کی روح بیدار کی۔ میر محمد صلاح مینگل نے علامہ کے خیالات کو براہوئی میں بطریق احسن پیش کیا ہے۔

یوں علامہ اقبال کا پیغام موجودہ دور میں بخیر وخوبی براہوئی عوام تک پہنچا ہے۔

کتاب صوری ومعنوی اعتبار سے دیدہ زیب ہے۔

عبدالقیوم سوسن براہوئی

آپ (تاریخ پیدائش یکم ستمبر ۱۹۵۹ء) ایم ۔ اے (براہوئی) میں ۔ بلوچستان کے کئی کالجوں میں بطور لیکچرار کام کیا ہے۔ آج کل گورنمنٹ ڈگری کالج نوشکی میں تعینات ہیں۔ آپ براہوئی اکیڈمی پاکستان کوئٹہ کے جنرل سیکرٹری ہیں۔ آپ کی کئی کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ ان میں سب سے اہم اقبال ء اسلام (اقبال اور اسلام) کوئٹہ ۱۹۹۹ء صفحات ۱۱۲ ہے۔

صوری معنوی اعتبار سے قابل تعریف ہے۔

اس میں علامہ اقبال کے زریں خیالات کو براہوئی میں احسن انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ چند عنوانات یہ ہیں۔ اللہ نا ہستی، محبت رسولؐ، احترام قرآن، اسلام وقرآنی فکر، عشق وعقل، ذکر وفکر، فقر، انصاف یا فضل مومن مسلمان وانسان کامل، یقین، نماز، روچہ، حج، زکوٰۃ، توحید، رسالت وغیرہ۔

سوسن براہوئی آج کل "براہوئی لوک نثری ادب" پر بلوچستان یونیورسٹی اے ایم فل کر رہا ہے۔

اقبال کا اثر بلوچستان کے شعرا پر [۴۳]

۱۔ شاکر صدیقی: اقبال سے پرخلوص عقیدت ان سبھی شعرا کا طرۂ امتیاز ہے لیکن غلام حسین شاکر صدیقی، اقبال سے والہانہ عشق رکھتے ہیں۔ علامہ سے ان کی خط وکتابت کئی سال رہی اور اس دوران میں انھوں نے علامہ سے بعض نظموں پر اصلاح بھی لی۔ اقبال کی یاد میں انھوں نے یاد قلندر کے نام سے ایک مجموعہ بھی تیار کیا تھا۔ جس میں علامہ کے خطوط کے علاوہ ان کی تعریف میں شاکر صاحب کی نظمیں بھی تھیں۔ یہ مجموعہ امرت سر سے چھپتے چھپتے فسادات کی نذر ہو گیا۔ اسی عنوان سے شاکر صاحب کا ایک مضمون رسالہ ماحول، راولپنڈی کے پہلے پرچے میں شائع ہوا۔ جس میں انھوں نے اپنے اور اقبال کے روابط پر روشنی ڈالی۔ شاکر صاحب آٹھ کتابوں کے مصنف ہیں لیکن یہ سب کی سب غیر مطبوعہ ہیں۔ اس کے علاوہ ایک افسانوں کا مجموعہ ایک تاریخی ناول اور ایک ڈرامہ بھی انھوں نے لکھا۔

ان کی نظمیں، ہمایوں، بہارستان اور رومان میں شائع ہوتی ہیں۔ شاکر کی پیدائش ۱۸۸۵ء میں ہوئی، ۱۹۰۳ء میں دسویں پاس کی اور اس کے بعد انجینئرنگ سکول لاہور میں دو سال رہ کر اوورسیری کا امتحان پاس کیا اور ملازم ہو گئے۔ پنجاب کے مختلف حصوں میں نیز بلوچستان میں ملازمت کرتے رہے۔ جون ۱۹۴۵ء میں ملازمت سے سبکدوش ہو کر اپنے وطن

گوجرانوالہ آ گئے۔ جہاں کچھ عرصہ میونسپل کمیٹی میں ملازمت کی۔ اچانک آنکھوں کی بینائی جاتی رہی۔ لیہ میں انھیں فالج ہو گیا۔ علامہ اقبال کی ذات سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے۔ ۱۹۱۲ء سے علامہ اقبال سے راہ و رسم پیدا ہو گئی لیکن شاگردی کا سلسلہ زیادہ دیر نہ چل سکا۔ اس لیے ۱۹۲۴ء کے لگ بھگ علامہ تاجور کے حلقہ عقیدت میں داخل ہوئے لیکن مزاج پر اقبال کا رنگ ہی غالب رہا۔ فنی لحاظ سے ان کا کلام ابھی تک بعض جگہ خام ہے، لیکن قطعات میں اقبال کے رنگ میں کامیاب بھی ہوئے ہیں۔ مثلاً

زمین سے ایک شب پوچھا قمر نے
مری قسمت میں کیا منزل نہیں ہے
کہا اس نے کہ اے پروردۂ خور
محیط چرغ پر ساحل نہیں ہے

۲۔ عرفانی: ڈاکٹر عبدالحمید عرفانی نے اقبال کے قدردانوں میں بڑا نام پیدا کیا اور ''رومی عصر'' لکھ کر اقبال کی دھاک ایران میں بھی بٹھا چکے ہیں۔ اقبال سے انھیں بڑی مدت سے عقیدت رہی۔ ۱۹۰۹ء میں خواجہ صاحب مغلانوای ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم چکوال سے حاصل کی اور صادق ایجرٹن کالج بہاولپور سے ۱۹۲۷ء میں ایف اے اور پرنس آف ویلز کالج جموں سے ۱۹۲۹ء میں بی اے کیا۔ کچھ عرصہ لاہور میں اور پھر گورنمنٹ ہائی سکول کوئٹہ میں ٹیچر ہو گئے۔ اس ملازمت کے دوران ۱۹۳۳ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے (فارسی) کیا۔ تقسیم برصغیر کے بعد راجہ غضنفر علی خان کے سفیر ایران ہونے پر عرفانی ایران میں پریس اتاشی ہو گئے۔ اس کے بعد چند برس حکومت پاکستان کے فارسی رسالے ہلال کے مدیر رہے اور اسی ملازمت کے دوران پنجاب یونیورسٹی سے ملک الشعرا بہار پر ایک تحقیقی مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری ۱۹۵۲ء میں حاصل کی۔ پھر پاکستانی سفارت خانے میں تہران میں مقیم رہے۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں، کچھ عرصہ پہلے ان کا انتقال ہو گیا اور سیالکوٹ میں مدفون ہوئے۔ ''رومی عصر'' ''اقبال ایرانیوں کی نظر میں'' میں دو کتابیں اقبال پر ایران اور کراچی سے شائع ہو چکی ہیں۔ فارسی میں بھی ان کی تصانیف ہیں۔ فارسی میں ان کا کام زیادہ ہے لیکن اقبال کو کبھی نہیں بھولے۔ جس زمانے میں عرفانی اردو شاعری کرتے تھے ان دنوں اقبال کی بہت شہرت تھی۔ عرفانی کے کلام میں اقبال کا اثر نمایاں ہے:

نمود حسن کیا ہے اور نگاہ پُر فسوں کیا ہے
کسے معلوم ہے فرزانگی کیا ہے جنوں کیا ہے
تلاش راحت جاوید ہے وجہ سکوں مجھ کو
خدا جانے تمنائے سکوں کیا ہے سکوں کیا ہے
سراب آرزو سے ہے فریب زندگی لیکن
فریب زندگی میں کاوش درد دروں کیا ہے

۳۔ آغا صادق: آغا صادق کی اردو اور فارسی شاعری اقبال سے متاثر ہے انھوں نے اپنا کلام سر عبدالقادر مرحوم کی خدمت میں پیش کیا تھا جس کی انھوں نے اپنے ایک مقالے میں بڑی داد دی تھی۔ ہمایوں میں جو ان کی اردو نظمیں شائع ہوئی ہیں ان میں رنگ اقبال بہت نمایاں ہے۔ اسی طرح ہلال (فارسی میں ان کا فارسی کلام جو وقتاً فوقتاً شائع ہوتا رہا ہے، اس اثر سے خالی نہیں ہے۔ فارسی کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو:

عیار پختگی ہا فطرت خامے کہ من دارم
کہ آغازے شود غماز انجامے کہ من دارم
طرب ہا چہرہ بکشاید ز آلامے کہ من دارم
دھن شیریں شود از تلخی کامے کہ من دارم
اگر کوہ الم باشد پرکاہے شود برمن
دمد صبح طرب از ظلمت شامے کہ من دارم
نگاہ عقل کوتہ از دلم تاب و تبے گیرد
فلاطون کو رشد از رشک الہامے کہ من دارم
مرا ننگ است صادق صید سرغ ناتواں کردن
کہ صد شہباز افتد اندر آں دامے کہ من دارم

(اساسیات اقبال، ڈاکٹر وحید قریشی، لاہور ۱۹۹۲ء، ص ۲۳۶ تا ۲۴)

۴۔ نور محمد ہمدم نے علامہ اقبال کے متعلق کہا ہے۔

پھول کی ہے بات لیکن گلستان کی بات ہے
گفتگو اقبال کی سارے جہاں کی بات ہے
ایک میخانہ کہاں اور ایک پیمانہ کہاں !
ہے زباں شبنم کی ، بحر بیکراں کی بات ہے

نور محمد ہمدم کی اقبال کے کلام پر اردو اور فارسی کی تضمینات کے لیے ملاحظہ کیجیے۔
(علامہ اقبال اور بلوچستان، ڈاکٹر انعام الحق کوثر، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۲۲۴ تا ۲۲۹)

پروفیسر انور رومان اپنے تازہ اور غیر مطبوعہ مقالہ ''استعمار غرب اور اقبال'' میں لکھتے ہیں:
علامہ اقبال خود فراموشی کے سخت مخالف تھے۔ ان کے خیال میں یہ زندگی سے فرار تھا اور فرد کی لمحاتی تسکین کے لیے یا اس کے ذریعے اپنے اصل منصب سے ہٹا دینا کسی طرح صحیح نہیں تھا۔ فن کو ایک لمحہ کے لیے بھی غفلت آفریں یا فرار اور نہیں ہونا چاہیے۔ اسے ہر وقت اور ہر لمحہ فرد کو اس کے اصل منصب پر مرکوز رکھنا چاہیے۔

حیات و موت نہیں التفات کے لائق
فقط خودی ہی ہے خودی کی نگاہ کا مقصود

(ضرب کلیم)

یہی کمال ہے تمثیل کا کہ تو نہ رہے!
رہا نہ تو، تو نہ سوز خودین نہ ساز حیات

(ضرب کلیم)

وہ شعر کہ پیغام حیات، ابدی ہے
یا نغمۂ جبریل ہے یا بانگ اسرافیل

(ضرب کلیم)

لہٰذا علامہ نے اپنے مخاطبین کو اپنے اس عمل شکست و ریخت اور اس سے پیوستہ عمل تعمیر و تہذیب میں مسلسل شریک رکھا۔ انھیں عظمت ماضیہ کا متواتر اور شدید احساس دلایا اور ثانیاً انھیں اپنی صلاحیتوں اور امکانیتوں کو پوری طرح پہچاننے اور انھیں بدرجہ کمال پروان چڑھانے پر مرکوز کیا یہی انکار فلسفہ خودی تھا۔

عظمت رفتہ کو متعدد بار یاد دلاتے ہوئے وہ مثنوی مسافر میں لکھتے ہیں:

حکمت اشیا فرنگی زادہ نیست
اصل او جز لذت ایجاد نیست
نیک اگر بینی مسلمان زادہ نیست
ایں گہر از دستِ ما افتادہ است
چوں عرب اندر اروپا پر کشاد
علم و حکمت رلہنا دیگر نہاد
دانہ آں صحرا نشیناں کاشتند

حاصلش افرنگیاں بر داشتند
ایں پری از شیشۂ اسلاف ماست
باز صیدش کن کہ اوازقاب ماست
لیکن از تہذیب لا دینے گریز
زاں کہ اوبا اہل حق دارد ستیز
مد خور از قرآں اگر خواہی ثبات
در ضمیرش دیدہ ام آب حیات

(خطاب بادشاہ اسلام اعلیٰ حضرت ظاہر شاہ)

یعنی اپنے آپ کو سمجھنے اور دریافت کرنے کی ضرورت ہے۔

کبھی اپنا بھی نظارہ کیا ہے تو نے اے مجنوں!
کہ لیلیٰ کی طرح تو خود بھی ہے محمل نشینوں میں

(بانگ درا)

تو رازِ کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
خودی کا رازداں ہو جا، خدا کا ترجماں ہو جا

(بانگ درا)

خودی کیا ہے ؟ رازِ درونِ حیات!
خودی کیا ہے ؟ بیداریِ کائنات!
خودی شیر مولا، جہاں اس کا صید
زمین اس کی صید آسماں اس کا صید!
یہ ہے مقصدِ گردشِ روزگار
کہ تری خودی بھی تجھ پہ ہو آشکار!

(بال جبریل)

شاخ گل پر چہک و لیکن
کر اپنی خودی میں آشیانہ!
تری خودی میں اگر انقلاب ہو پیدا
عجب نہیں ہے کہ یہ چار سو بدل جائے!
قوموں کے لیے موت ہے مرکز سے جدائی

ہو صاحب مرکز تو خودی کیا ہے؟ خدائی

(ضرب کلیم)

پیکر ہستی ز آثار خودی است
ہر چہ می بینی از اسرار خودی است
از محبت چوں خودی محکم شود
قوتش فرماندہ عالم شود

(اسرار خودی)

عظمت رفتہ خیالی پلاؤ یا ہوائی قلعہ نہیں بلکہ اٹل تاریخی حقیقت ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ جب اپنی صلاحیتوں سے کماحقہٗ کام لیا گیا یعنی خودی کو کارکردگی اور کارفرمائی کا موقعہ دیا گیا تو کارہائے نمایاں ظہور پذیر ہوئے جو رہتی دنیا تک درخشاں فروزاں رہیں گے۔ اس بات کی بھی ضمانت ہے کہ عظمت آیندہ یا نشاط ثانیہ اسی وقت صورت پذیر ہوگی جب خودی بلا روک ٹوک برسرکار ہوگی اور اپنے مرکز سے مربوط پیوست ہوگی!

خودی سراسر قوت خیر ہے اور اپنے ذوق تعمیر کے تحت ہر وقت مصروف ارتقا اصلاح وفلاح وارتفاع ہے اسی لیے وہ ہر قسم کی غلامی، ہر طرح کے استعمار اور ہر نوع کے سامراج وتاراج کو ملیامیٹ کرنے کے لیے سینہ سپر اور سربکف ہے:

خودی کا سر نہاں لا الہ الا اللہ
خودی ہے تیغ فساں لا الہ الا اللہ

(ضرب کلیم)

صورت نہ پرستم من ، بت خانہ شکستم من
آں سیل سبک سیرم، ہر بند گسستم من

(پیام مشرق)

علامہ اقبال کو اپنے دور حیات میں ہی بے پناہ شہرت ومقبولیت حاصل ہوگئی۔ سکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور علمی وادبی محفلوں کے علاوہ عوامی میلوں اور جلسوں میں بھی ان کا کلام دلوں کو گرمانے لگا۔ تیسری گول میز کانفرنس (۱۷رنومبر تا ۲۴ردسمبر ۱۹۳۲ء) میں وائسرائے نے علامہ کا نام نامی بطور مندوب تجویز کیا تھا اور جب وزیر ہند نے اس پر اعتراض کیا تو وائسرائے

لارڈ ولنگٹن (۱۹۳۱ء تا ۱۹۳۶ء) نے وزیر ہند کو لکھا: ''آپ کو غالباً اس بات کا اندازہ نہیں کہ آج اقبال ہندوستان کے تعلیم یافتہ مسلمانوں کا روحانی، معنوی اور سیاسی پیشوا ہے بالخصوص ہندوستانی مسلمانوں کا نوجوان طبقہ تو اقبال کا پرستار ہے۔ جس جلسے میں بڑی بڑی مرصع اور پر جوش تقریریں ناکام رہ جائیں وہاں اقبال کا ایک شعر کام کر جاتا ہے۔''

(دیکھیے ص ۳۰۱، ۳۰۲ مفکر پاکستان از محمد حنیف شاہد نیز دیکھیے ص ۸۵ تا ۸۶ اقبال اور مغربی استعمار)

اس کی وجہ سے بنیادی طور پر ان کا حیات پرور روح افروز اور سحر انگیز کلام ہی تھا۔ لیکن وہ اپنے فکر و شعر کی پرواز اور رفتار کے ساتھ ساتھ تھے۔ منطقی طور پر یہ بھی سوچتے رہے تھے کہ ان کا کلام ان کے قارئین و مخاطبین کو آہ اور واہ سے آگے کس منزل کی طرف لے جا رہا تھا؟ یہ منزل کیا تھی؟ اس کا اظہار انھوں نے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ الہ آباد ۲۹ ر دسمبر ۱۹۳۰ء کو اپنے خطبہ صدارت میں ان الفاظ میں کیا تھا۔

۔۔۔ پس یہ امر کسی طرح بھی مناسب نہیں کہ مختلف ملتوں کے وجود کا خیال کیے بغیر ہندوستان میں مغربی طرز کی جمہوریت کا نفاذ کیا جائے لہٰذا مسلمانوں کا مطالبہ کہ ہندوستان میں ایک اسلامی ہندوستان قائم کیا جائے، بالکل حق بجانب ہے اور میری رائے میں آل انڈیا پارٹیز مسلم کانفرنس کی قراردادوں سے اسی نصب العین کا اظہار ہوتا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ مختلف ملتوں کے وجود کو فنا کیے بغیر ایک متوازن اور ہم آہنگ قوم تیار کی جائے تا کہ وہ آسانی کے ساتھ اپنے ان ممکنات کو جوان کے اندر مضمر ہیں، عمل میں لاسکیں۔ ذاتی طور پر میں ان مطالبات سے بھی ایک قدم آگے بڑھنا چاہتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ایک ہی ریاست میں ملا دیا جائے۔ یہ ریاست سلطنت برطانیہ کے اندر حکومت خود اختیاری حاصل کرے خواہ اس کے باہر، مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ اور نہیں تو شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو آخر ایک منظم اسلامی ریاست قائم کرنی پڑے گی۔۔۔

ہندوستان دنیا میں سے بڑا ملک ہے اور اگر ہم چاہتے ہیں کہ اس ملک میں اسلام بحیثیت ایک تمدنی قوت کے زندہ رہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک مخصوص علاقے میں اپنی مرکزیت قائم کر سکے۔۔۔

(اس سے) اسلام کو اس امر کا موقعہ ملے گا کہ وہ ان اثرات سے آزاد ہو کر جو مغربی شہنشاہیت کی وجہ سے اب تک اس پر قائم ہیں۔ اس جمود کو توڑ ڈالے جو کہ تہذیب و تمدن، شریعت اور تعلیم پر صدیوں سے طاری ہے۔۔۔'' (دیکھیے ایضاً ص ۲۷۸، تا ۲۷۹، نیز ایضاً ص ۷۹ تا ۸۰)

اس خطبے نے ان کی شہرت و مقبولیت کو دو چند کر دیا تھا اور وہ مسلمانوں کے روحانی و معنوی ہی نہیں بلکہ سیاسی پیشوا بھی بن گئے تھے۔

علامہ اقبال تو قرارداد پاکستان سے بھی قریباً دو سال پہلے ہی داعیِ اجل کو لبیک کہہ گئے اور پاکستان ان کے وصال کے سوا نو سال بعد وجود میں آیا لیکن قرارداد لاہور پاکستان یہ انھی کی آرزو کی تکمیل اور خواب کی تعبیر تھی۔ ان کے اردو اور فارسی کلام سے ان کی مجوزہ ریاست کے لیے جو اشارات، تصورات اور پیغامات مترشح ہوتے ہیں وہ اسلامی اصول و اسالیب پر مبنی ہیں یعنی توحید و رسالت، اخوت، مساوات، حریت، عوامیت، فرد کو اپنی انفرادی نشو و نما کے لیے پوری (من مانی نہیں) آزادی اور اس کا میلان یہ مرکز یا اجتماع کا افراد کی خودی کو پھلنے پھولنے کے مواقع اور ذرائع مہیا کرنا لیکن انھیں یک سو اور یک منزل رکھنا۔ غیر سودی معیشت، حاکمیت اللہ کی لیکن معروفات و منکرات میں قانون سازی کی گنجائش، امیروں کو حسب محنت و خدمات اور غریبوں کو بموجب ضروریات ہمہ نوعی داخلی و خارجی غلامی، استعمار، استکبار، استحصال اور سامراج کا استیصال اور عریانی اور فحاشی کا سد باب وغیرہ وغیرہ!

علامہ اقبال ایک ملہمانہ تصور کے حامل تھے۔ انھوں نے ۱۹۱۰ء کی نوٹ بک میں "شاعر اور سیاستدان" کے عنوان کے تحت لکھا: "قومیں شاعروں کے دلوں میں پیدا ہوتی ہیں (اور) سیاستدانوں کے ہاتھوں میں پھلتی پھولتی اور مرجھا جاتی ہیں"۔

صحیح سیاسی زندگی کے تحت لکھا: "سچی سیاسی زندگی حقوق مانگنے سے نہیں بلکہ فرائض ادا کرنے سے شروع ہوتی ہے" (دیکھیے ص ۱۲۵، ۱۳۰)

وہ اپنے عظیم و عمیق فکر و شعور کی بدولت زندہ جاوید ہیں! انھوں نے جو کچھ حاصل کیا وہ اتنا گراں بہا تھا کہ بیان نہیں ہو سکتا اور انھوں نے جو کچھ چاہا وہ بلا مبالغہ پاکستان، برصغیر عالم اسلام، افریشیا اور کرہ ارض کے لیے تقدیر کا حکم رکھتا ہے! پاکستان کا ظہور اُن کے خواب کی تعبیر بھی تھا اور دیرینہ مغربی استعمار اور امنڈتے ہوئے ہندو استعمار کا خاتمہ بھی!!!

پرندے کی فریاد

پروفیسر ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی عروج اقبال (لاہور، ۱۹۸۷ء ص ۲۶۳، ۲۶۴) میں لکھتے ہیں:

"پرندے کی فریاد" بانگ درا میں اس نظم کے عنوان کے ساتھ "ماخوذ" الفاظ کسی وجہ سے

رہ گیا لہٰذا یہ ایک تخلیقی نظم سمجھی جاتی رہی۔ اب پروفیسر حمید احمد خاں اور ڈاکٹر محمد صادق نے واضح طور پر اس نظم کو ولیم کوپر کی ایک نظم سے ماخوذ قرار دیا ہے جس کا عنوان یہ ہے:

On a Goldfisch Starve to Denth in his Cage لیکن اول تو عنوان کا فرق ہی دونوں نظموں کے اختلاف کو ظاہر کرتا ہے۔ پھر اگر دونوں کا موازنہ کیا جائے تو اقبال کا صرف یہ ایک شعر کوپر کے ایک مصرعے سے معنوی مناسبت رکھتا ہے۔

آزادیاں کہاں وہ اب اپنے گھونسلے کی
اپنی خوشی سے آنا، اپنی خوشی سے جانا

کوپر۲: "I perch'd nt will on every Spray" لیکن اس مصرعے میں کوئی خاص بات نہیں کہی گئی۔ ہر شاعر جو اس موضوع پر لکھتا، اس کی کیفیت کا ضرور اظہار کرتا۔ غرض ان تمام پہلوؤں کے پیش نظر، صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ نظم کوپر سے متاثر ہو کر کہی گئی، یا شاعر کے تحت الشعور میں کوپر کی نظم کا جو نقش تھا، وہ اس نظم کی تشکیل پر اثر انداز ہوا۔ اس کے بارے میں پروفیسر حمید احمد خاں کی یہ رائے زیادہ قرین صحت ہے: ترجمہ "اقبال نے معمول سے بھی زیادہ آزادہ کیا ہے اور اردو نظم کی مستقل حیثیت بالکل بجا معلوم ہوتی ہے"۔

اس ترکیب بند نظم کے ابتدائی متن میں ۲۰ اشعار اور ۴ بند تھے۔ پہلا بند ۸/اشعار اور باقی تین بند ۴، ۴/اشعار پر مشتمل تھے۔ بانگ درا میں اس کے صرف ۱۱ شعر اور تین بند بڑی تراش خراش کے بعد شامل کیے گئے۔ مثلاً ابتدائی متن میں پہلا شعر یوں تھا:

آتا ہے یاد مجھ کو گزرا ہوا زمانہ
وہ جھاڑیاں چمن کی وہ میرا آشیانہ

بانگ درا میں مصرع ثانی کی یہ صورت ہے:

وہ باغ کی بہاریں وہ سب کا چہچہانا

مخزن میں شائع ہوتے ہی یہ نظم اتنی مقبول ہوئی کہ بچوں کی زبانی اس کے اشعار ملک کے گوشے گوشے میں گونجنے لگے۔ بانگ درا کی اشاعت کے بعد بھی کئی برس تک درسی کتابوں میں یہ نظم اپنی ابتدائی صورت میں رائج رہی۔ جن لوگوں نے اس دور میں یہ نظم پڑھی اور گائی تھی، انھیں اس کی مانوس صورت ہی زیادہ مرغوب ہے۔ علاوہ ازیں نظم کے کئی متروک اشعار جزئیات نگاری کی بدولت بچوں کے تخیل کے لیے زیادہ پرکشش اور تصورزا ہیں مثلاً:

پتوں کا ٹہنیوں پر وہ جھومنا خوشی سے
ٹھنڈی ہوا کے پیچھے وہ تالیاں بجانا
وہ پیاری پیاری صورت، وہ کامنی سی مورت
آباد جس کے دم سے تھا میرا آشیانہ
بیری کی شاخ پر ہو ویسا ہی پھر بسیرا
اس اجڑے گھونسلے کو پھر جاکے میں بساؤں
چگتا پھروں چمن میں دانے ذرا ذرا سے
ساتھی جو تھے پرانے ان سے ملوں ملاؤں

اس مشہور و مقبول نظم کی شیرینی زبان اور حسن بیان کسی تبصرے کا محتاج نہیں۔ البتہ اس کا پُر سوز آہنگ جس داخلی کیفیت کی غمازی کرتا ہے، اس کی وضاحت ضروری ہے۔ بعض اصحاب اس نظم کی سیاسی تاویل کرتے ہیں، یعنی اسیر قفس پرندہ، قید غلامی میں گرفتار قوم کی علامت ہے۔ ہمارے نزدیک یہ تاویل دوراز کار ہے۔ اقبال اس زمانے میں بھی اتنا سیاسی شعور رکھتے تھے کہ آزادی، التجا فریاد کرنے یا بھیک مانگنے سے نہیں ملتی۔ اس کے حصول کے لیے اپنے آپ کو مستحق بنانے اور قوت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ علی بخش نے ایک انٹرویو میں کہا تھا یہ نظم بلوچستان کے سفر کے دوران میں کہی گئی تھی۔ اس سفر میں وہ بھی اقبال کے ہمراہ تھے۔

اس زمانے میں اقبال کے برادر بزرگ، بعض بے درد مخالفین کی سازش کے جال میں بری طرح گرفتار تھے اور وہ اپنے بھائی کی رہائی کے لیے بے حد، مضطرب تھے۔ ایک ہنر مند فن کار تخلیق فن کی نت نئی راہیں نکال کر اپنے جذبے کے بہاؤ کا رخ اس طرح بدل دیتا ہے کہ اس کی نوعیت پہچانی نہیں جاتی۔ فروری ۱۹۰۷ء کے مخزن میں اس نظم کی اشاعت کا مسئلہ ایک معمہ بنا ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ نظم اقبال کے فکر و فن کے اس دور (زمانہ قیام یورپ) کی تخلیق نہیں، بلکہ اسی دور ابتلا کی یادگار ہے۔ اور کسی وجہ سے اس کی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر ہوگئی۔

۱۔ بانگ درا، ص ۲۳

۲۔ جرنل دی ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان (پنجاب یونیورسٹی) اکتوبر ۱۹۷۷ء، ص ۳۶

۳۔ اقبال کی شخصیت اور شاعری، پروفیسر حمید احمد خان

۴۔ باقیات اقبال، ص ۲۷۶، ۲۷۸

۵۔ اقبال نامہ، مرتبہ چراغ حسن حسرت، تاج کمپنی، لاہور (سنہ ندارد)، ص ۲۳

☆ اقبال کے ایک خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نظم مارچ ۱۹۰۳ء میں لکھی جا چکی تھی (اقبال نامہ، حصہ اوّل ص ۲۱، ۲۲) غالباً بلوچستان کے سفر کے دوران (مئی ۱۹۰۳ء) میں اقبال نے اس پر نظر ثانی کی ہوگئی۔

روشنی

قُل ھُو اللّٰہ اَحد

علامہ اقبال نے رموز بے خودی کے آخر میں سورۃ اخلاص کے مطالب کے ذریعہ اپنی اس مثنوی کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

میں نے ایک رات سیدنا صدیق اکبرؓ کو خواب میں دیکھا اور ان کے راستے کی خاک سے پھول چنے ۔یعنی ان کے ارشادات سے بہرہ اندوز ہوا۔

سیدنا صدیق اکبرؓ ہمارے طور سینا (اسلام کے نور ہدایت) کے پہلے کلیم تھے۔ یعنی آپ نے مردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کا شرف پایا۔ آپ کی ہمت و محنت نے ملت کی کھیتی کے لیے ابر کا کام کیا۔ آپ اسلام لانے میں غار ثور میں غزوۂ بدر میں اور اب روضہ اقدس میں حضور ﷺ کے ساتھ ہیں۔

اقبال لکھتے ہیں ”میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا۔ اے خاصہ خاصان عشق (رسول پاکؐ) آپ کا عشق دیوان عشق کا مطلع ہے (آپ عشق نبیؐ میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں) اسلام کے کام کی بنیاد آپ کے ہاتھوں پختہ ہوئی۔ ہمارے (آج کے) دکھ کا کوئی علاج بتائیے“

انھوں نے فرمایا ”تو کب تک ہوس کا قیدی بنا رہے گا۔ سورۃ اخلاص سے ہدایت کی روشنی اور قوت حاصل کر۔“

یہ توحید کے اسرار کا ایک سرا ہے جو سینکڑوں سینوں میں ایک ہی سانس کی طرح آتا ہے (یعنی توحید اخوت پیدا کرتی ہے)

اللہ تعالیٰ کا رنگ اپنا اسی کی مانند ہو جائے گا۔ اسی کے جمال کا عکس بن جائے گا۔ یہ جو اس نے تیرا نام مسلمان رکھا ہے۔ اس سے تجھے کثرت سے وحدت کی طرف لایا گیا ہے۔

تو اپنے آپ کو ترک و افغان (سندھی، مہاجر، پنجابی، پٹھان، بلوچی) کہتا ہے۔ افسوس ہے تجھ پر! تو جو تھا، وہی رہا (یعنی تو نے اسلام قبول کرنے کے بعد بھی جاہلیت کی باتیں نہ چھوڑیں۔)

امت مسلمہ کو ان (علاقائی اور لسانی) ناموں سے چھٹکارا دلا۔ خم، (اسلام) سے اپنی

نسبت قائم رکھ پیالوں پر نہ جا۔ (قرآن پاک میں ارشاد ہے خاندان اور قبائل صرف پہچان کے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت کا معیار صرف تقویٰ ہے)

نوجوان (علاقائی اور لسانی) ناموں میں پڑ کر رسوا ہو چکا ہے، تو شجر اسلام سے کچے پھل کی طرح گر چکا ہے۔

شجر اسلام سے وابستہ رہ کر تجھے پکنا چاہئے تھا، مگر تو ان تفریقوں میں پڑ کر ناپختہ ہی درخت سے گر گیا اور تو نے اپنے ترقی کے امکانات مسدود کر لیے۔

امت مسلمہ ایک تھی، تو نے اسے سینکڑوں قومیتوں میں تبدیل کر دیا ہے۔ تو نے اپنے قلعہ پر شبخون مار کر خود ہی اسے مسمار کر دیا ہے۔ توحید کا عملی نمونہ پیش کر اور ایک ہو جا نظریہ توحید کو پیش کر۔

(روزنامہ زمانہ کوئٹہ ۱۷رمئی ۲۰۰۰ء)

نذر بحضور شاعر مشرق

تو نے ہمیں بیدار کیا اور تو نے دیا شعور
شاعرِ مشرق اندھیاروں میں تو نے بخشا نور

تو نے جگا کر آزادی کا مطلب ہمیں بتایا
تو نے قوم کو راہ دکھائی بتلایا منشور
ہم تھے غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے محکوم
تو نے نویدِ آزادی دی جب ہم تھے محصور
تو نے خواب وطن کا دیکھا ہم کو کیا بیدار
تیرا کلام ہے ایسے روشن جیسے چراغ طور

تیرے شعروں سے ہیں روشن میرے صبح و شام
شاعرِ مشرق نظم ہے میری نذر یہ تیرے حضور

دستارِ مردِ مومن

ہوا کی جھولی پہ خواب رکھے

چلے ہیں منزل کی سمت راہی
ہر اک مسافر نیا پرانا......
محبتوں کے خمار ہیں......
سوچتا ہے......
منظر وہ تھا جس میں
بھرا تھا رنگِ وفا
یہی سوچتا ہے ہر اک
وہ کیا تھی خواہش
کہ جس نے شاعر کی بے خودی کو
خودی بنایا......
وہ کیا تھی خواہش
کہ جس کے زیر اثر چلا پھر
خودی کی راہوں پہ ہر مسافر
خودی کی راہوں پہ چلنے والے
ہر اک مسافر کو مل گئی پھر
ہزار خواہش کی ایک خواہش
وطن کی خواہش......
وہ شاعر سوز سازِ ہستی
بھرے تھے جس نے ہر اک کے دل میں
وطن کے نغمے......
وہ شاعر ہفت رنگ جس نے
بدل دیا زندگی کا مطلب
اسی نے خواہش کو کر دیا تھا
خودی کی تزئین سے مزین
اور اب وہ خواہش

خودی کے زیر اثر ہے ہر دم
خودی جو تعبیر خواب بھی ہے
خودی جو شاہین کا ارادہ
خودی کو دستارِ مردِ مومن

ا۔ڈاکٹر انعام الحق کوثر،بلوچستان میں تذکرہ اقبال،کوئٹہ،۲۰۰۵ء،ص ۱۰۲،۱۰۳،۹۸۔

عین اسلام

۲۸ فروری ۱۹۲۸ء کو پیدا ہوئے۔آپ کا پہلا شعری مجموعہ چکیدہ ۱۹۶۶ء میں شائع ہوا۔ جبکہ دوسرا شعری مجموعہ طیف رواں ۱۹۹۶ء۔میں ناشاد پبلشرز کوئٹہ کے زیر اہتمام چھپا۔

بحضور شاعر مشرق

ہستی کے پھیلے صحرا میں
تیرا نغمہ بانگ درا ہے
فکر و تخیل کا ہر پہلو
نوع بشر کا راہ نما ہے

زاویہ ہر احساس و نظر کا
ایک نئی منزل کا پتا ہے
عزم و عمل، ایقان و خودی کا
ہر مصرع اک سر چشمہ ہے

آز و ہوس کی اس دنیا میں
حسن و خیر ترا منشا ہے
اے مشرق کے مہر تاباں!
تیرا پر تو ہمہ زا ہے

سیل نور ہے ذرہ ذرہ
قطرہ قطرہ اک دریا ہے
دریا دریا ساحل ساحل
افق افق شعلہ شعلہ ہے

اجلی خوشبو کی اس رُت میں
سارا مشرق جاگ رہا ہے
جاگ رہا ہے پاک وطن بھی
جو حسن اعجاز ترا ہے

ہر دھڑکن ہے تیرا مسکن
ہر خطہ تیرا خطہ ہے
یہ بیداری یہ آزادی
تیرے سخن کی پروردہ ہے

اے مشرق کے مہر تاباں
تیرا پُر تو ہمہمہ زا ہے

اشارات پروفیسر ساقی الحسینی، مرتبہ: جعفر بلوچ، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۸۰، نذر اقبال نظم بلوچستان میں خاصی مقبول رہی۔ ملاحظہ کیجئے۔

اے شاعر سرشار مئے حکمت و عرفاں
ہر شعر ترا آئینۂ علم فراواں
آنکھوں میں تری شاہد کونین کے جلوے
ہاتھوں میں ترے لیلیٰ آفاق کا داماں
ادراک پہ چھایا ہوا احساس کا بادل
جذبات کا سینے میں نہاں بحر خروشاں
ہر لرزش مژگاں میں بصیرت کا ترنم
ہر جنبش لب میں تری اسرار غزل خواں
اندیشہ ترا نور فشاں صورت قندیل
گفتار منور، صفت شمع فروزاں
ضوبار خیالات کے چھٹکے ہوئے تارے
ظلمت کدۂ دہر میں ہے جن سے چراغاں

تخیل تری پردہ کشائے رخ ہستی
تدبیر تری شانہ کش گیسوئے دوراں
کاخ امرا پر کبھی افکار کی یورش
تقریر کا موضوع کبھی مرد کہستاں
تنقید کی زد میں کبھی پیران شکم سیر
عنوان مباحث ہے کبھی جہل فقیہاں
یوں ربط دیا تو نے حکایات جنوں کو
اک خواب پریشاں ہوئیں آیات حکیماں
ہر دل کو منور کیا قندیل خودی سے
انسان ہوا خودداری انساں کا نگہباں
اب فیض سے تیرے ہے سر جادۂ منزل
حیرت کدۂ دہر میں بھٹکا ہوا انساں

دوآتشہ

ایم انور رومان سابق ناظم تعلیمات
ادارہ نصابیات و مرکز توسیع تسلیم بلوچستان

ایک بوڑھے بروہی کی وصیت
اے میرے جانشین!
اگر تو ایک انسان کامل نہ بن سکے
تو
وہ پرندہ بن جائیو
جو برف میں بہار کا گیت گاتا ہے!
یا
ایک تناور درخت
جس کے سائے تلے لوگ آرام کریں!

یا
ایک میٹھا چشمہ
جو پینے والوں کی آتش پیاس بجھادے!
یا پھر
ایک پہاڑ
جس کا سرمہ آنکھوں کو صاف کردے
اور
ان میں نور بصیرت پیدا کردے

ایک بوڑھے بروہی کی نصیحت

میرے محترم دوست انور رومان صاحب نے یہ مضمون نثر میں ادا کیا ہے۔ وہ نثر کے بادشاہ ہیں۔ یہ انہی کا حصہ ہے۔ میرا مشغلہ نظم ہے، لہٰذا میں یہی مضمون نظم میں ادا کر رہا ہوں۔ شاید میری محنت قارئین کرام کو پسند آئے۔ (پروفیسر آغا صادق)

بلبل کو دیا نالہ تو پروانے کو جلنا
غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا

بڑی دلکش ہے پند کارگر بوڑھے بروہی کی — مثال دل نشین ہے دانش و حکمت بروہی کی
کہا جس نے کہ اے نور نظر اے جانشین میرے — بتاؤں تجھ کو سر زندگی ہو قریں میرے
تمنا ہے کہ تو انسان کامل کا نمونہ ہو — رگ و پے میں تیرے ہر فرد کی خدمت کا جذبہ ہو
اگر بالفرض اے بیٹے تو ایسا ہو نہیں سکتا — کسی انسان کامل کا نمونہ ہو نہیں سکتا
تو اتنا کر کہ تو اک طائر رنگیں نوا ہو جا — خزاں میں بھی بہاروں کا نقیب نغمہ زا ہو جا
اگر دشوار میرے واسطے رنگیں نوائی ہے — تو ادراک صورت تعمیر میرے دل میں آئی ہے
کہ اے لخت جگر تو اک درخت سایہ گستر ہو — سکون دامن جس کے سائے میں سب کو میسر ہو
اگر تیرے لیے ایسا بھی اے فرزند مشکل ہو — تو ادراک صورت تعمیر میرے دل میں آئی ہے
وہ چشمہ جس کے قطرے گوہر خوش آب ہو جائیں — وہ جس سے تشنگانِ زندگی سیراب ہو جائیں
اگر یہ بھی نہ ممکن ہو تو اے آرام جاں میرے — کم از کم ایک کوہ سرگیں پیکر میں ہو تیرے

وہ کحل عنبریں جو چشم عالم کو جلا بخشے نظر کو نور تن کو روشنی دل کو ضیا بخشے
بہ ہر صورت میرے فرزند فیض دائمی بن جا
چراغ زندگی بن کر سراغ رہبری بن جا

ایلم، آزادی نمبر مستونگ ۱۷ راگست ۱۹۶۴ء

❀......❀......❀

حوالہ جات

۱- ڈاکٹر انعام الحق کوثر، ''بلوچستان میں اُردو ادب کا ایک ستون''، معلم (آغا صادق نمبر)، سریاب کوئٹہ، اگست ۱۹۵۳ء، ص ۴۱ تا ۴۳۔

۲- انور رومان، ''بلوچستان کا ایک شاعر''، الحمرا، لاہور، جنوری ۱۹۵۵ء۔

۳- ادبی دنیا، لاہور، فروری مارچ ۱۹۶۷ء۔

۴- نذیر احمد اشرف، آغا صادق مرحوم، جنگ، کوئٹہ، ۱۳ر جولائی ۱۹۸۵ء

۵- ڈاکٹر انعام الحق کوثر، ''بلوچستان میں اُردو ادب کا ایک ستون''، معلم (آغا صادق نمبر)، سریاب کوئٹہ، اگست ۱۹۵۳ء، ص ۴۴۔

۶- آغا صادق، زخمہ و ساز، کوئٹہ، لاہور، ۱۹۶۸ء، ص ۷۔

۷- ایضاً، ص ۱۰۔

۸- ایضاً، ص ۳۲۔

۹- ایضاً، ص ۴۴۔

۱۰- ایضاً، ص ۵۴۔

۱۱- ایضاً، ص ۴۷۔

۱۲- ایضاً، ص ۸۷۔

۱۳- ایضاً، ص ۸۵۔

۱۴- ایضاً، ص ۹۰۔

۱۵- ایضاً، ص ۹۸۔

۱۶- ایضاً، ص ۱۱۷-۱۱۸۔

۱۷- ایضاً، ص ۱۰۰۔

۱۸- آغا صادق، شاخ طوبیٰ، کوئٹہ، لاہور، بار دوم، ۱۹۶۸ء، ص ۱۳۶۔

۱۹- ایضاً۔

۲۰- ایضاً، ص ۱۰۷۔

۲۱- ایضاً، ص ۹۴۔

۲۲- یہی مقالہ (پاکستانی ادب اور اس کی ذمہ داریاں) دوبارہ ، تعمیر، کوئٹہ، نومبر ۱۹۸۴ء، (از ص ۱۳-۵۴) میں شائع ہوا۔

۲۳- تعمیر، کوئٹہ، ۱۹۸۴ء، ص ۳۷۔

۲۴- بولان، کوئٹہ، ۱۹۴۹ء، ص ۷-۱۱۔

۲۵- علامہ اقبال کی یوم پیدائش کی صد سالہ تقریبات۔

۲۶- ڈاکٹر انعام الحق کوثر، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک بلوچستان میں، لاہور، ۱۹۸۳ء، ص ۱۷-۱۸۔

۲۷- ترجمہ:

شاعر مشرق علامہ اقبال کے فکرونظر سے جو کچھ میری عقل خام نے اخذ کیا ہے، وہ یہ ہے کہ علامہ اقبال پکے مسلمان، خدارسیدہ اور عمل صالح کے مالک تھے اور عشق جمال رسول عربی میں مگن تھے۔

جہاں تک آپ کے فکروخیال کا تعلق ہے وہ یہ کہ خدمت خلق اور تبلیغ اسلام آپ کے نزدیک سب سے بڑی عبادت تھی۔

نظریہ پاکستان کے اس بانی کو علم وفضل سے حد درجہ کمال حاصل تھا۔ آپ نے یورپ کے علمی گہواروں میں مغربی فلسفہ وتہذیب کا گہرا مطالعہ کیا۔ اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ فلسفہ یورپ کی بنیاد قتالی، غارت گری اور اخلاقی گراوٹ پر ہے اور مغربی تہذیب مستقبل میں اپنے زوال کا باعث ہوگی۔

۲۸- ڈاکٹر انوار احمد، ''پروفیسر خلیل صدیقی، ایک ماہر لسانیات''، ماہنامہ اخبار اُردو، اسلام آباد، جون ۱۹۹۶ء، ص ۵-۶۔

۲۹- قلم قبیلہ، کوئٹہ، جنوری تا جولائی ۱۹۹۶ء، ص ۲۴۵-۲۱۵۔

۳۰- ڈاکٹر غلام سرور سابق صدر شعبہ فارسی کراچی کا کہنا ہے کہ ''۱۹۲۳ میں عرفانی علامہ اقبال کی اسرار ورموز چکوال ہائی سکول کے بزم اقبال کے جلسوں میں اپنی مخصوص لے میں ہمیں سنایا کرتے تھے۔'' خواجہ عبدالحمید عرفانی، اقبال ایرانیوں کی نظر میں، کراچی ۱۹۵۷ء، تعارف۔

۳۱- پاسبان، کوئٹہ، ۴؍جون ۱۹۴۳ء بمطابق ۱۹ جمادی الاول ۱۳۶۱ھ۔

۳۲- ایضاً۔

چند شعر یہ ہیں:

جھیل ہو لاوا ہو یا آتش فشاں ہو سرزمیں
ہے خدا کے ہاتھوں میں نفع و ضرر کا اختیار
تم اگر چاہو خدا کے قہر سے مامون رہو
بے کسوں کی دستگیری کو بڑھو مردانہ وار
ہو کسی مفلس کے پہلو میں دل درد آشنا
ہیچ اس کے سامنے ہے سنگ دل سرمایہ دار
التجا کرتا ہے فاروقی بصد عجز و نیاز
خاتمہ ایمان پر ہو زندگی ہو باوقار

۳۳- پیر غلام دستگیر القادری ناشاد کے مجموعہ کلام پیر مغاں پر تبصرہ، ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی، کوئٹہ، ۱۹۸۴ء، ص ۹۔

۳۴- اس کی ایک نقل اپنے چچا منصور الملک گورنر مشہد کو بھی بھیج دی تھی۔ جس میں علامہ اقبال کے منتخب اشعار

بھی درج تھے۔

۳۵- ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی کی قلمی یادداشتیں۔

۳۶- وہیں ایک اور بنگلہ دس بارہ سال پہلے تعمیر ہوا تھا۔ میں اسی میں مقیم ہوں۔ وہیں بیٹھ کر یہ کتاب لکھ رہا ہوں۔ حسن اتفاق دیکھیے!

۳۷- ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی کی قلمی یادداشتیں۔

۳۸- مثلاً ۱- رومی عصر یا شرح احوال و آثار اقبال
۲- شرح احوال و آثار ملك الشعرا بہار
۳- ایران صغیر یا تاریخ شعرائے پارسی گوی کشمیر
۴- فارسی امروز
۵- حدیث عشق و رباعیات عرفانی
۶- اقبال ایرانیوں کی نظر میں

رومی عصر جس میں اقبال کے کلام و پیام کو پیش کیا گیا ہے۔ اب تک کئی بار چھپ چکی ہے اور اس کتاب کی مقبولیت ایران میں اقبال کی مقبولیت کو ظاہر کرتی ہے۔

۳۹- پیر غلام دستگیر القادری ناشاد کے مجموعہ کلام پیر مغاں پر تبصرہ، ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی، پیش لفظ ڈاکٹر انعام الحق کوثر، کوئٹہ ۱۹۸۴ء، ص ۳۔

۴۰- ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی، اقبال ایرانیوں کی نظر میں، کراچی، ۱۹۵۷ء، ص و، ز۔

۴۱- بلوچستان کا پہلا شخص جس نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ روزنامہ کوہستان، لاہور، ۱۵/جون ۱۹۶۳ء، بلوچستان میں اُردو، ص ۶۰۸۔
بلوچستان میں ممتاز محقق اور ادیب ڈاکٹر انعام الحق کوثر، محمد صلاح الدین مینگل، روزنامہ مشرق، کوئٹہ، ۲۸/جون ۱۹۸۰ء۔

۴۲- مزید تبصرے بھی چھپے۔ مثلاً جوئے کوثر کا مطالعاتی جائزہ، پروفیسر صادق زاہد، روزنامہ مشرق، پشاور، ۲۶/اکتوبر ۱۹۷۷ء، تبصرہ از ڈاکٹر سلیم اختر، کتاب، لاہور، نومبر ۱۹۷۸ء۔

۴۳- بعد ازاں یہ مقالہ روزنامہ جنگ، نعرہ حق، کوئٹہ، زمانہ، کوئٹہ، ۹/نومبر ۱۹۸۲ء کو چھپا۔

۴۴- حکیم محمد سعید، خودی، کراچی، ۱۹۸۲ء، ص ۴۳۵۔

۴۵- فہرست مشترک نسخہ ھای خطی فارسی پاکستان، احمد منزوی، جلد اوّل، ۱۹۸۳ء، لاہور، جلد دوم، جلد سوم، ۱۹۸۴ء، لاہور، بلوچستان کے فارسی خطی نسخوں کے بارے میں مواد ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے یکجا کیا۔

۴۶- مسلمانوں کے سیاسی افکار، لاہور، ۱۹۶۰ء، ص ۳۸۳-۴۳۲۔

۴۷- بین الاقوامیت اور انسانیت کے نظریات میں فرق واضح کر کے ثابت کیا گیا ہے کہ انسان کی اصل منزل بین الاقوامیت نہیں بلکہ انسانیت ہونی چاہیے اور یہی وہ نظریہ ہے جسے اقبال نے پیش کیا ہے اور جس

میں انسان کی نجات مضمر ہے۔

۴۸- اقبال اور آزادی ارادہ: اس مضمون میں آزادی ارادہ کے متعلق اقبال کے نظریہ کو پیش کیا گیا ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ اقبال جبریت (Determinism) کے سخت خلاف تھے۔ وہ خود مختاریت (Self-determinism) کے بھی موید نہ تھے۔ وہ حقیقتاً اختیاریت (Indeterninism) کے قائل تھے اور انسان کو بااختیار سمجھتے تھے۔ صاحب مضمون نے اختیاریت کے دوسرے موید ین کانٹ، فشٹے، جیمز، برگساں کے نظریات پر بحث کرنے کے بعد اقبال کے نظریہ اختیارت کا ان کے نظریات سے مقابلہ کیا اور ثابت کیا ہے کہ اقبال اپنے نظریہ میں ان سے کسی بھی مفکر سے متاثر نہ تھے، بلکہ ان کے افکار کا سرچشمہ قرآن کریم ہے۔ اقبال کے نظریہ کو پیش کرتے ہوئے صرف ان کے اشعار سے مدد نہیں لی گئی ہے بلکہ ان کے لیکچرز کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے اور اقبال نے نظریہ اختیاریت کی تائید میں جو ثبوت دیا ہے، اسے پیش کرتے ہوئے اقبال کے نظریے کی وضاحت کی ہے۔

۴۹- اقبال کا نظریہ اخلاق: مضمون کے شروع میں اقبال کے نزدیک اخلاق کی جو اہمیت ہے اسے واضح کیا گیا ہے۔ اس کے بعد نظام اقدار کو بنیاد بنا کر اقبال نے جو نظریہ اخلاق قائم کیا ہے، مصنف نے اسے پیش کیا ہے۔ اس مضمون میں پیش کردہ خیالات کو بنیاد بنا کر مصنف نے اسی نام سے بعد میں ایک مفصل کتاب رقم کی ہے۔ جس کا پہلے ذکر آ چکا ہے۔

۵۰- مضمون ہذا میں اقبال اور نطشے کے نظریات میں فرق واضح کر کے ثابت کیا گیا ہے کہ اقبال نے نطشے سے زیادہ استفادہ نہیں کیا بلکہ جہاں دونوں کے نظریات میں ظاہری طور پر مماثلت معلوم بھی ہوتی ہے، وہاں بھی بنیادی طور پر دونوں میں اختلاف ہے۔ اس ضمن میں صاحب مضمون نے اقبال کے مردِ حر، ارتقا، آزادی ارادہ، نظامِ اقدار، طاقت وقوت کے نظریات کو پیش کر کے نطشے کے نظریات سے ان کا مقابلہ کیا ہے اور دونوں میں فرق واضح کیا ہے۔

۵۱- تذکرہ مسلم شعرائے بہار، جلد دوم، کراچی، ۱۹۶۷ء، ص ۱۸۷-۱۹۲۔

۵۲- نیاز احمد، ''نئی آوازیں، ش صحٰی''، ماہ نو، کراچی، مارچ ۱۹۵۳ء۔

۵۳- جناب ش صحٰی صاحب کا راقم الحروف کے نام طویل خط از کراچی یونی ورسٹی مورخہ ۲۱/اگست ۱۹۶۷ء۔ آپ نے اسی خط میں لکھا تھا ''مجھے انور رومان، خلیل صدیقی، سعید احمد رفیق، عزیز صاحب (بابائے قوم) اور آغا صادق بے حد یاد آتے ہیں۔ مگر اب تو ہم سب بچھڑ گئے ہیں۔ کوئی پوچھنے والا ایک ساتھ سبھوں کا یاد کرنے والا ہے تو شاید صرف آپ۔''

۵۴- ش صحٰی کی کوئٹہ میں کہی گئی اٹھائیس نظموں کا مختصر مجموعہ (کل صفحات ۵۶۔ جو انھوں نے میرے لیے کراچی سے ۱۹۶۷ء میں تیار کرا کر بھجوایا۔ میں ان دنوں ''بلوچستان میں اُردو'' لکھ رہا تھا) ص ۱-۲۔ (۱۹۴۸ء میں کہی گئی)

۵۵- ش صحٰی کی کوئٹہ میں کہی گی نظموں کا مجموعہ محسوسات، ش صحٰی س ندارد، ص ۶-۷۔

۵۶- ایضاً ص ۲۷-۲۹۔
۵۷- بشکریہ جناب سید عابد شاہ عابد۔
۵۸- سعید گوہر کا مجموعہ کلام، پس دیوار، جون ۱۹۸۵ء میں چھپا، ص ۱۰۱، ناشر: پشتو ادبی ملگری بلوچستان، لورالائی، مطبع قلات پریس کوئٹہ۔
۵۹- سید عابد شاہ عابد کا پروفیسر انور رومان کی کتاب، اقبال اور مغربی استعمار، پر تبصرہ سہ ماہی دستگیر، کوئٹہ، اپریل تا جون ۱۹۹۳ء میں شائع ہوا۔
۶۰- اس کا بلوچی ترجمہ از عبدالقادر اثیر بعنوان ''اقبال اور بلوچستان، اولس، کوئٹہ سالنامہ نومبر دسمبر ۱۹۸۲ء میں چھپا۔
۶۱- آپ کا ایک ناول خوابوں کی بستی (۶۰۵ صفحات) بھی چھپا ہے۔ جس میں ادب اور سیاست کی ہم آہنگی سے نیا رنگ بھرا ہے۔ آپ کے ۲۲ افسانے اور تیس کے لگ بھگ تحقیقی مقالے مختلف علمی اور ادبی جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔
۶۲- اولس، کوئٹہ، نومبر دسمبر ۱۹۸۲ء۔
۶۳- محشر رسول نگری، شمشاد خراماں، کوئٹہ، ۱۹۷۸ء، ص ۶۔
ڈاکٹر انعام الحق کوثر، بلوچستان میں اُردو، لاہور، ۱۹۶۸ء، ص ۳۹۵۔
۶۴- پیر غلام دستگیر القادری ناشاد کے مجموعہ کلام پیر مغاں پر تبصرہ، ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی، کوئٹہ، ۱۹۸۴ء، ص ۹-۱۱۔
۶۵- مستونگ، ایلم، ۱۷/ اگست ۱۹۶۶ء، ص ۲۷۔
۶۶- اقبال دوسری بین الاقوامی کانگرس (منعقدہ ۹ تا ۱۱/ نومبر ۱۹۸۳ء، جامعہ پنجاب لاہور) میں ملک محمد رمضان نے مقالہ بعنوان ''اقبال اور عظمت آدم'' پیش کیا تھا۔ مطبوعہ مقالات، لاہور ۱۹۸۳ء (جلد اوّل) ص ۲۳۹ تا ۲۴۴۔
۶۷- بلوچی دنیا، ملتان، اکتوبر، ۱۹۶۷ء، ص ۳۹۔
۶۸- کامل القادری، عبدالرحمٰن براہوئی، جامع فہرست مطبوعات پاکستان بلوچی براہوئی مع تعارف مصنفین، لاہور، ۱۹۷۳ء، ص ۶۵۔
۶۹- روزنامہ مشرق، کوئٹہ، ۲۶/ نومبر ۱۹۷۷ء۔
۷۰- بلوچی دنیا، ملتان، اکتوبر ۱۹۶۷ء، ص ۳۶-۳۷۔
۷۱- نور محمد ہمدم، آداب سفر، ۱۹۸۸ء، ص ۱۷۸-۱۷۹۔
۷۲- ڈاکٹر انعام الحق کوثر، بلوچستان میں تذکرہ اقبال، کوئٹہ، ۲۰۰۵ء، ص ۳۹ تا ۴۱، ۴۴، ۴۵، ۴۸ تا ۵۰، ۵۸، ۶۹ تا ۷۲، ۷۷ تا ۷۹۔
۷۳- ڈاکٹر انعام الحق کوثر، مطالعہ اقبال بلوچستان میں، کوئٹہ، ۲۰۰۲ء، ص ۹۸ تا ۱۰۶۔

❀......❀......❀

باب ششم

بلوچستان کی مختلف درسگاہوں اور دیگر اداروں کے مجلّات میں علامہ اقبال سے متعلق مندرجات

آماج گورنمنٹ کالج، مستونگ

اقبال کا ترانہ	محمد رحیم شاد	۱۹۷۳ء
اقبال کا نظریہ تعلیم	پروفیسر شیخ خوش محمد	۱۹۷۳ء
اقبال و سفر حجاز	سلطان الطاف علی	۱۹۷۳ء

الریحان گونمنٹ سائنس کالج، کوئٹہ

نذر اقبال (نظم)	سلطان محمود نیازی	۷۸-۱۹۷۷ء
اقبال کا نظریہ حب الوطنی	محمد عارف	۷۸-۱۹۷۷ء
اقبال کے خیالات	صلاح الدین	۷۸-۱۹۷۷ء
اقبال ایک مصلح شاعر	وامق رشید	۷۸-۱۹۷۷ء
اقبال مصور فطرت	معین الحق	۷۸-۱۹۷۷ء
اقبال کی بات (نظم)	نور محمد ہمدم	۷۸-۱۹۷۷ء
اقبال نا تصور شاہین	عبدالعزیز خان مینگل	۷۸-۱۹۷۷ء
Iqbal's Masjid-e-Qurtuba	Prof. Sultan Mahmood Naizi	۷۸-۱۹۷۷ء
Iqbal - The great Poet	Zafar Iqbal	۷۸-۱۹۷۷ء

علامہ اقبال زمانہ پہ نظر کہ	سید عبدالروف	۸۰-۱۹۷۹ء
افکار اقبال اور تعمیر پاکستان	سجاد علی	۸۴-۱۹۸۳ء
اقبال کا پیغام اور شاعری	سید عبدالسلام گیلانی	۸۴-۱۹۸۳ء
اقبال اور نشاۃ ثانیہ اسلام	محمد سلیم	۸۷-۱۹۸۶ء
اقبال اور سلطان باہو	محمد محسن	۸۷-۱۹۸۶ء
مرغبی خورا کبی (تخیل کہ علامہ اقبال سہ)	عبدالروف رفیقی	۸۷-۱۹۸۶ء
اقبال وخودی فلسفہ	عبدالروف رفیقی	۸۸-۱۹۸۷ء

بولان گورنمنٹ کالج، کوئٹہ

علامہ اقبال اور تاریخ	پروفیسر انور رومان	اگست ۱۹۴۹ء
بانگ درا پر ایک نظر	نسیم اختر	نومبر ۱۹۵۱ء
اقبال کا تصور یزداں	سعادت حسین	نومبر ۱۹۵۴ء
اقبال کا فلسفہ خطر	شمیم احمد لودھی	دسمبر ۱۹۵۵ء
اقبال کا فلسفہ میری نظر میں	کمال محمود	دسمبر ۱۹۵۷ء
اقبال کے کلام میں طنز و مزاح	جاوید حسن	دسمبر ۱۹۵۷ء
اقبال کا نظریہ فن	رضیہ سلطانہ	دسمبر ۱۹۵۸ء
فکر اساسی اقبال	آغا صادق	دسمبر ۱۹۵۸ء
علامہ اقبال	محمد اسلم جاوید	دسمبر ۱۹۶۱ء
نظریات اقبال	سردار خان	دسمبر ۱۹۶۳ء
اقبال کے ہاں مرد مومن کا تصور	نور بخش متین	دسمبر ۱۹۶۳ء
اقبال کا فلسفہ خودی قرآن وحدیث کی روشنی میں	چودھری ارشد محمود	دسمبر ۱۹۶۳ء
اقبال کا تصور تہذیب فرنگ	ضیاء الدین احمد سگو	دسمبر ۱۹۶۳ء
اقبال اور رومی	شفیق احمد جسکانی	دسمبر ۱۹۶۴ء
اقبال کی سیاسی بصیرت	راشدہ	دسمبر ۱۹۶۵ء

کلام اقبال اور قوم	ظفر اقبال	دسمبر ۱۹۶۸ء
اقبال کا فلسفہ خودی	ایک طالب علم	دسمبر ۷۱-۱۹۷۰ء
اقبال و فقر	اختر ندیم	دسمبر ۷۱-۱۹۷۰ء
دو تضمین بر شعر اقبال	آغا صادق	دسمبر ۷۱-۱۹۷۰ء

بولان گورنمنٹ آرٹس کالج، کوئٹہ

افکار اقبال	محمد نعیم خان	۷۳-۱۹۷۲ء
اقبال کی شاعری میری نظر میں	سلیم احمد شاہد	۷۳-۱۹۷۲ء
اقبال و ملت	عبدالخالق بلوچ	۷۳-۱۹۷۲ء
اقبال کی شاعری	پروفیسر صاحبزادہ حمید اللہ	۷۷-۱۹۷۶ء
شاعری اقبال	سید مظفر علی زیدی	۷۷-۱۹۷۶ء

بولان انجینئرز گورنمنٹ پولی ٹیکنیک انسٹی ٹیوٹ، کوئٹہ

کلام اقبال اور عشق رسولؐ	قاری سید ارشد یامین	۷۸-۱۹۷۷ء
اقبال اور مغرب	پروفیسر محمد ایوب خاں	۸۵-۱۹۸۴ء
شاہین اقبال	شاہد اقبال	۸۵-۱۹۸۴ء
ڈاکٹر علامہ اقبال	انتخاب عالم	۸۵-۱۹۸۴ء

جاندران گورنمنٹ انٹر کالج، کوہلو

علامہ اقبال اور بلوچستان	پروفیسر غلام یاسین	۸۵-۱۹۸۴ء

جھرنا گورنمنٹ گرلز کالج، سبی

اُردو غزل میر سے اقبال تک	جمیلہ لونی	۸۶-۱۹۸۵ء

چلتن گورنمنٹ ڈگری کالج، کوئٹہ

اقبال اور مغربیت	محمود الحسن	دسمبر ۱۹۶۸ء

اقبال اور مثالی نوجوان	محمد رفیق	دسمبر ۱۹۶۸ء
شعر اقبال در زبان فارسی	رحیم صادق بلوچ	دسمبر ۱۹۶۸ء

رگ سنگ گورنمنٹ کالج، لورلائی

اقبال کا نظریہ خودی	رب نواز مائل	۱۹۷۱ء
اقبال مرد خود آگاہ	ڈاکٹر انعام الحق کوثر	۱۹۷۴ء
اقبال کا مرد مومن	پروفیسر محمد شریف	۱۹۷۴ء
اقبال اور رومی	پروفیسر حمید جلال زئی	۱۹۷۴ء
اقبال کا تصور عشق و خودی	عبدالحلیم	۱۹۷۴ء
حکمت فرنگ پر اقبال کی تنقید	ڈاکٹر وزیر آغا	۱۹۷۷ء
ادب اور اقبال کی مقصد پسندی	پروفیسر سلیم اختر	۱۹۷۷ء
اقبال سے ایک ملاقات	ابوالاثر حفیظ جالندھری	۱۹۷۷ء
اقبال کا نظریہ فن	پروفیسر آغا صادق	۱۹۷۷ء
اقبال کا نظریہ صنف نازک	پروفیسر صادق زاہد	۱۹۷۷ء
اقبال کا نظریہ توحید و عشق رسولؐ	فیاض احمد کاشمیری	۱۹۷۷ء
اقبال کا نظریہ قوت	پروفیسر رحیم بخش شاہین	۱۹۷۷ء
اقبال سے پہلی اور آخری ملاقات	ماہر القادری	۱۹۷۷ء
اسلامی تاریخ کی خوشبو	......	۱۹۷۷ء
اقبال کے سیاسی اور تمدنی تصورات	پروفیسر مرتضیٰ خان	۱۹۷۷ء
اقبال کے معاشی تصورات	پروفیسر امیر خان ترین	۱۹۷۷ء
اقبال اور اس کا تصور خودی	عبدالقیوم	۱۹۷۷ء
اقبال کا مرد مومن	محمد یوسف ناصر	۱۹۷۷ء
اقبال کے فرد اور جماعت سے متعلق خیالات	دولت خان	۱۹۷۷ء
اسلام میں اتحاد، اخوت اور مساوات کا تصور اقبال کی نظر میں	مسعود لونی	۱۹۷۷ء

اقبال اور جمال الدین افغانی	پروفیسر صاحبزادہ حمید اللہ	۱۹۷۷ء
اقبال اور خوشحال	ترجمہ: سید زین الدین	۱۹۷۷ء
اقبال اور نسخہ کیمیا	پروفیسر حمید اللہ جلال زئی	۱۹۷۷ء
اقبال اور پان اسلام ازم	ظریف خان	۱۹۷۷ء
شاعری کے مہاتما	کبیر انور جعفری	۱۹۷۷ء
علامہ اقبال اور ان کی شاعری	جاوید رزاق	۱۹۷۷ء
اقوال اقبال	عبداللہ جان	۱۹۷۷ء
علامہ اقبال کی تصانیف	ترتیب: سیف الرحمٰن	۱۹۷۷ء
اقبال کے مختصر حالات زندگی	ترتیب: منظور حسین	۱۹۷۷ء
واقعات اقبال	رفیق اللہ، شیخ نواز علی	۱۹۷۷ء
اقبال۔نوجوان کا (نظم)	ابوالاثر حفیظ جالندھری	۱۹۷۷ء
بشر اقبال ہو جائے تو؟ نظم	ابوالاثر حفیظ جالندھری	۱۹۷۷ء
بحضور اقبال (نظم)	ناصر زیدی	۱۹۷۷ء
جشن اقبال (نظم)	اظہر جاوید	۱۹۷۷ء
مدح اقبال بہ طرز اقبال (نظم)	ماہر القادری	۱۹۷۷ء
نذر اقبال (نظم)	ریاض حسین چودھری	۱۹۷۷ء
اقبال (نظم)	مظفر وارثی	۱۹۷۷ء
اقبال (نظم)	حزیں لدھیانوی	۱۹۷۷ء
اقبال (نظم)	عاصی کرنالی	۱۹۷۷ء
اقبال (نظم)	خورشید رضوی	۱۹۷۷ء
نذر اقبال (نظم)	بشیر انصاری	۱۹۷۷ء
شاعر مشرق (نظم)	تابش نگینوی	۱۹۷۷ء
اقبال کی یاد میں (نظم)	پروفیسر منور عدیم	۱۹۷۷ء
علامہ اقبال	پروفیسر خورشید افروز	۱۹۷۷ء
عظیم تھاوہ (نظم)	نور الحق	۱۹۷۷ء

علامہ اقبال کی خدمت میں منظوم اظہار عقیدت	عبداللہ جان غلزئی	۱۹۷۷ء
ایضاً	ضیاء الحق	۱۹۷۷ء
ایضاً	محمد امجد	۱۹۷۷ء
ایضاً	محمد عبداللہ	۱۹۷۷ء
ایضاً	زاہد حسین	۱۹۷۷ء
ایک آرزو (نظم)	مشتاق احمد فراق	۱۹۷۷ء
اقبال (نظم)	شربت خان گلفام	۱۹۷۷ء
کلام اقبال کا حدود اربعہ اور قائداعظم	پروفیسر محمد حنیف	۱۹۷۷ء
اقبال، قائداعظم اور پاکستان	محمد رمضان گنڈاپور	۱۹۷۷ء
بمناسبت بزم اقبال ترکاندخت		
ثقۃ الاسلامی (نظم)	محمد حسین تسبیحی	۱۹۷۷ء
برروان اقبال	عبدالحلیم اثر افغانی	۱۹۷۷ء
پیغامبر آزادی-علامہ اقبال	محبوب ہاشمی	۱۹۷۷ء
اقبال دانائی راز ایران و پاکستان	محمد حسین تسبیحی	۱۹۷۷ء
اقبال او خودی	امیر حمزہ شنواری	۱۹۷۷ء
اقبال او خدائی	ڈاکٹر تاج محمد	۱۹۷۷ء
اقبال اور رومی	پروفیسر حمید جلال زئی	۱۹۷۷ء
اقبال و خوشحال	فضل داد خان	۱۹۷۷ء
اقبال ذچل شعر پہ ایندارہ کی	صاحبزادہ حمید اللہ	۱۹۷۷ء
علامہ اقبال (نظم)	محمد اسلم ارمانی	۱۹۷۷ء
علامہ اقبال (نظم)	ضیاء الدین ضیاء	۱۹۷۷ء
اقبال تہ خطاب	عبدالباری اسیر	۱۹۷۷ء
قطعہ	سید عبیداللہ	۱۹۷۷ء
قطعہ	علی محمد	۱۹۷۷ء
اقبال تہ	عبیداللہ	۱۹۷۷ء

Iqbal's Humour Irony and Satire	Prof. Hamid Jalazai	۱۹۷۷ء
Iqbal on the self	Amir Muhammad	۱۹۷۷ء
فنکار کے نام (نظم)	صائمہ خیری	۱۹۷۷ء
اقبال کا مرد درویش	میرزا ادیب	۱۹۷۷ء
اقبال میری نظر میں	ذہین اللہ وزیر	۱۹۸۳-۸۴ء
علامہ اقبال	جمشید بیگ	۱۹۸۳-۸۴ء
انتخاب از غزلیات اقبال	غلام عباس چنگیزی	۱۹۸۳-۸۴ء

زرغون گورنمنٹ گرلز کالج، کوئٹہ

اقبال اور نظریہ پاکستان	مس خالدہ بہار	۱۹۷۶ء
اقبال آن ٹائم	......	۱۹۷۶ء
اقبال کی شاعری	فہیمہ نواب	۱۹۷۹-۸۰ء
اقبال (نظم، انگریزی میں)	نائلہ انور	۱۹۷۹-۸۰ء
کلام اقبال کا جمالیاتی پہلو	مسز آفتاب مسرور	۱۹۸۱-۸۲ء
اقبال اور جوانان ملت	روبینہ کوثر لودھی	۱۹۸۳-۸۴ء
کلام اقبال میں تشبیہات اور استعارات	مسز جمشید درانی	۱۹۸۳-۸۴ء
افکار اقبال	ذکیہ بہروز	۱۹۸۳-۸۴ء
اقبال کا فلسفہ خودی	خالدہ بہار	۱۹۸۷-۸۸ء
اقبال کا نظریہ قومیت	سلمیٰ ایوب پراچہ	۱۹۸۷-۸۸ء
علامہ اقبال اور دنمری حوانان (پشتو)	رابعہ اچکزئی	۱۹۸۷-۸۸ء
ضرب کلیم کا جائزہ	مسز گوہر شبنم شیروانی	۱۹۹۱-۹۲ء

ژوب گورنمنٹ ڈگری کالج، فورٹ سنڈیمن

اقبال اور شاہین	شیخ محمد اکبر	۱۹۶۹-۷۰ء

سیوی گورنمنٹ کالج، سبی

اقبال کی نظر میں (مسلمان کی زندگی)	نور جہاں ناز	۷۶-۱۹۷۵ء
اقبال اور خوشحال	غلام محمد، غلام مرتضیٰ	۷۶-۱۹۷۵ء

قیقان گورنمنٹ ڈگری کالج، خضدار

اقبال کا نظریہ تعلیم	امین الحق	۱۹۸۴ء

کیچ گورنمنٹ ڈگری کالج، کیچ (مکران)

اقبال بحیثیت شاعر فطرت	علی بخش دشتی	۱۹۸۵ء

تعمیر نو تعمیر نو پبلک کالج، کوئٹہ

اقبال کا دیس	شاعر: ملک عطا جنجوعہ	۱۹۹۱ء
اقبال حکیم الامت	پروفیسر ح-م-حیات	۱۹۹۱ء
اقبال اور مسلم نوجوان	......	۱۹۹۱ء
اقبال اور فریاد	قدرت اللہ شہاب	۱۹۹۱ء
بڈھے بلوچ کی نصیحت بیٹے کو	اقبال	۱۹۹۱ء
محراب گل افغان کے افکار	اقبال	۱۹۹۱ء
اقبال کا سفر افغانستان	......	۱۹۹۱ء
علامہ محمد اقبال اور ملت اسلامیہ	مامون حمید	۹۵-۱۹۹۴ء
اقبال کا فلسفہ خودی	محمد عمران جمالی	۹۵-۱۹۹۴ء
خطاب بہ جوانان اسلام	اقبال	۹۵-۱۹۹۴ء
جاوید اقبال کے نام	اقبال	۹۵-۱۹۹۴ء
مری نوائے پریشان کو شاعری نہ سمجھ	علامہ اقبال	۹۵-۱۹۹۴ء
اقبال (نظم)	نور محمد ہمدم	۹۵-۱۹۹۴ء
کلام اقبال پر ''تضمین'' بڈھے بلوچ کی نصیحت بیٹے کو	نور محمد ہمدم	۹۵-۱۹۹۴ء

بلوچستان ایجوکیشنل جرنل: ادارہ نصابیات و مرکز توسیع تعلیم بلوچستان، کوئٹہ

کتابوں پر تبصرہ، علامہ اقبال اور بلوچستان	پروفیسر مجتبیٰ حسین	جون ۱۹۸۷ء

چھوٹا علی گڑھ اسلامیہ ہائی سکول، کوئٹہ

علامہ اقبال	عاصم طفیل	اگست ۱۹۸۹ء

دستگیر حضرت غلام دستگیر اکادمی پاکستان، کوئٹہ

اقبال کی شاعری اور اس کے اثرات	ڈاکٹر فاروق احمد	اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۱ء
اقبال اور مصوری	عابد حسین قریشی	اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۱ء
عورت اقبال کی نظر میں	پروفیسر سعید احمد رفیق	جولائی و اکتوبر ۱۹۹۳ء
اقبال اور عشق رسولؐ	پروفیسر محمد سرور شفقت	جنوری، جون ۱۹۹۴ء

قلم قبیلہ قلم قبیلہ ادبی ٹرسٹ، کوئٹہ

علامہ اقبال کا فلسفہ اجتہاد	ڈاکٹر عطاء الرحمٰن	جولائی، اگست، ستمبر ۱۹۹۳ء
علامہ اقبال کا فلسفہ خودی	پروفیسر میاں محمد صدیق	جولائی، اگست، ستمبر ۱۹۹۳ء
علامہ اقبال اور تصوف	پروفیسر عبدالصمد شائق	جولائی، اگست، ستمبر ۱۹۹۳ء
علامہ اقبال اور عشق رسولؐ	محمد یوسف خٹک	جولائی، اگست، ستمبر ۱۹۹۳ء

سر آب شعبہ اُردو جامعہ بلوچستان، کوئٹہ

اقبال اور نظامِ مملکت	پروفیسر سعید احمد رفیق	اگست ۱۹۸۷ء
اقبال کے قارئین	پروفیسر مجتبیٰ حسین	ایضاً
اقبال اور مقامات عشق	شرافت عباس	۱۹۹۵ء
اقبال کا ابلاغی شعور	سیمی نغمانہ طاہر	ایضاً

صریر بولان انجمن فارسی بلوچستان، کوئٹہ

اقبال وشریعتی ..... سخنرانی	آقای محمد اسعدی	بہار ۱۹۹۲ء
ایضاً	ڈاکٹر انعام الحق کوثر	بہار ۱۹۹۲ء
حکیم ملک وملت	یعقوب علی انیس	بہار ۱۹۹۲ء
من واقبال	سید شرافت عباس	بہار ۱۹۹۲ء
اقبال ہر دور کا شاعر	ڈاکٹر فاروق احمد	بہار ۱۹۹۲ء
اقبال (نظم)	پروفیسر نور محمد ہمدم	بہار ۱۹۹۲ء
دیدہ ور (نظم)	سید شرافت عباس	بہار ۱۹۹۲ء
اقبال افتخار ماوشما	دکتر محمد باقر موحد	بہار ۱۹۹۵ء
ابلیس کلام اقبال کے آئینے میں	مرزا سلیم بیگ	بہار ۱۹۹۵ء

❀......❀......❀

باب ہفتم

ڈاکٹر اقبال سے متعلق اولس

(پشتو......اجرا کا زمانہ ستمبر ۱۹۶۱ء، بلوچی اور براہوئی......دسمبر ۱۹۶۱ء)

مندرجات کی تفصیل

پشتو

مشرق مغرب اور اقبال	فضل احمد غازی	اپریل ۱۹۶۷ء
خوشحال خان اور کلام اقبال (ترجمہ)	تقویم الحق	اپریل ۱۹۶۹ء
خوشحال خان اور علامہ اقبال	عبدالودود مکرانی	اپریل ۱۹۶۹ء
زاڑہ شراب پہ نوی جام کنبس	عبدالعلی	ستمبر ۱۹۶۹ء
زاڑہ شراب پہ نوی جام کنبے	حسین باب	فروری ۱۹۷۰ء
زاڑہ شراب پہ نوی جام کنبے	خوشحال	اپریل ۱۹۷۰ء
علامہ اقبال او ردھغہ فلسفہ	داؤد خان داؤد	اپریل ۱۹۷۱ء
عشق رسول اور علامہ اقبال	دین محمد افغانی	اپریل ۱۹۷۲ء
مرد حر (ترجمہ)	ڈاکٹر انعام الحق کوثر	جولائی ۱۹۷۲ء
اسلام او قومیت دعلامہ اقبال او جمال الدین افغانی پہ نظر کنبس	دین محمد افغانی	جنوری ۱۹۷۴ء
علامہ اقبال (نظم)	عبداللہ جان اسیر	بقا پریل ۱۹۷۴ء

د اقبال شعر زما پہ نظر کنبں	ابوالخیر حلاند	اپریل ۱۹۷۴ء
اقبال او عالم اسلام	عبداللہ خان	اپریل ۱۹۷۴ء
اقبال او د عشق تصور (ترجمہ)	میر مٹھا خان مری	نومبر، دسمبر ۱۹۷۴ء
اقبال، رومی، افغانی	سلطان محمد صابر	اپریل ۱۹۷۵ء
اقبال و رسول پہ ستھون کنبے	طاہر کلاچوی	اپریل ۱۹۷۵ء
علامہ اقبال او دھغہ فکری مفکری	فضل احمد غازی	جنوری، فروری ۱۹۷۷ء
دو علامہ اقبال خبری	علی شیر مشتاق	مارچ ۱۹۷۷ء
صوفیا کرام د علامہ اقبال پہ نظر کنبں	فقیر حسین مسرور	اپریل ۱۹۷۷ء
اقبال او د ملت حلمیان	سید احمد فاروقی مشہدی	مئی ۱۹۷۷ء
علامہ اقبال	ہمایوں ہما	جون ۱۹۷۷ء
علامہ اقبال (نظم)	داؤد خان داؤد	جولائی ۱۹۷۷ء
اسلامی وردروی دا اقبال پہ نظر کنبں	عصمت اللہ	ستمبر ۱۹۷۷ء
علامہ اقبال	علی شیر مشتاق	اکتوبر ۱۹۷۷ء
ترجمان حقیقت (علامہ اقبال)	سلطان محمد صابر	نومبر، دسمبر ۱۹۷۷ء
د فکر ہال د علامہ اقبال تعلیمات (نظم)	ایوب صابر	نومبر، دسمبر ۱۹۷۷ء
اقبال او پیپانہ	محمد پرویش شاہین	فروری ۱۹۷۸ء
اقبال و شیر شاہ	محمد پردیش شاہین	جون ۱۹۷۹ء
ادب و علامہ اقبال پہ نظر کنبس	محمد اسلام ارمانی	مئی ۱۹۷۸ء
علامہ اقبال	عبدالحق خان	مارچ، اپریل ۱۹۷۹ء
اقوال اقبال	ادارہ	نومبر، دسمبر ۱۹۸۱ء
اقبال او اسلامی نظام	سلطان محمد صابر	نومبر، دسمبر ۱۹۸۲ء
د عظیم اقبال ثقافتی نظریہ	فضل احمد غازی	نومبر، دسمبر ۱۹۸۲ء
دا اقبال پیغام	عبدالرحمٰن بیتاب	نومبر، دسمبر ۱۹۸۲ء
اقبال او د مسلمانانو اتحاد	عبدالروف رفیقی	فروری ۱۹۸۴ء
شاعر مشرق او حوان نسل	مقدس خان معصوم	مئی ۱۹۸۴ء

اقبال او عشق رسولؐ	عبدالرؤف رفیقی	ستمبر ۱۹۸۴ء
علامہ اقبال	نعمت اللہ	اپریل ۱۹۸۵ء
بے بدل پوھیت۔علامہ اقبال	فضل احمد غازی	اکتوبر ۱۹۸۵ء
ڈاکٹر علامہ محمد اقبال	عبدالمنان عابد	مارچ، اپریل ۱۹۸۶ء
مفکر پاکستان علامہ محمد اقبال	عبدالقدوس درانی	اپریل ۱۹۸۷ء
اقبال او قائد اعظم	عبدالقدوس درانی	اپریل ۱۹۸۸ء
دمور عظمت علامہ اقبال پہ نظر کی	ابوالخیر حلاند	نومبر ۱۹۸۸ء
اقبال او اسلام	سلطان محمد صابر	اپریل ۱۹۸۹ء
اقبال بحیثیت د ماشومانو شاعر	عبدالقدوس درانی	نومبر، دسمبر ۱۹۹۰ء
علامہ اقبال	رحیم شاہ رحیم	اپریل، مئی ۱۹۹۱ء
اقبال او قائد اعظم	عبدالقدوس درانی	اگست ۱۹۹۱ء
مفکر پاکستان علامہ محمد اقبال	عبدالقدوس	نومبر، دسمبر ۱۹۹۱ء
		اپریل، مئی، ۱۹۹۶ء
اقوال اقبال	ادارہ	اپریل، مئی ۱۹۹۶ء

بلوچی

وش گشیں اقبال	بشیر احمد ایم اے	اپریل ۱۹۶۲ء
پیریں بلوچ ءِ نصیحت	ملک محمد طوقی	اپریل ۱۹۶۳ء
اقبال ءِ گال	عطا شاد	اپریل ۱۹۶۴ء
اقبال ءِ تصور ملت	میر مٹھا خان مری	اپریل ۱۹۶۴ء
اقبال	میر عبدالمالک	اپریل ۱۹۶۴ء
اقبال روئے زمین ءِ شاعر	ظہور الحسن	اپریل ۱۹۶۴ء
اقبال و کہہ مرد	ڈاکٹر انعام الحق کوثر	اپریل ۱۹۶۶ء
اقبال ءِ دعا	میر مٹھا خان مری	اپریل ۱۹۶۶ء
اقبال و نوخین نسل	میر مٹھا خاں مری	اپریل ۱۹۶۷ء

اقبال اونوکیں راہ بند	میر مٹھا خاں مری	اپریل ۱۹۶۹ء
اقبال ءِ گفتار	عطا شاد	اپریل ۱۹۶۹ء
اقبال ءِ گوانگ	صورت خان	اپریل ۱۹۷۰ء
اقبال زندءِ شاعر	ایس اے بلوچ	اپریل ۱۹۷۱ء
مرو چکیں بنی آدم	عطا شاد	اپریل ۱۹۷۱ء
گفتار اقبال	ملک محمد رمضان	اپریل ۱۹۷۱ء
اقبال او عالمی راج	عطا شاد	اپریل ۱۹۷۲ء
اقبال و گپتار	غوث بخش صابر	اپریل ۱۹۷۲ء
اقبال و خودی	محمد حیات	اپریل ۱۹۷۳ء
اقبال ءِ کلہہ	عبدالخالق بلوچ	اپریل ۱۹۷۴ء
مئے قومی شاعر علامہ اقبال	میر محمد خان مری	اپریل ۱۹۷۵ء
اقبال ءِ گفتار	غوث بخش صابر	اپریل ۱۹۷۵ء
اقبال ءِ توار	ڈاکٹر انعام الحق کوثر	اپریل ۱۹۷۶ء
اقبالیات	مومن بزدار	جنوری ۱۹۷۷ء
بن زہ فکر اقبال	حاجی عبدالقیوم بلوچ	فروری ۱۹۷۷ء
ڈاکٹر محمد اقبال	احمد شاہ مری	مئی ۱۹۷۷ء
شغرب ءِ شاعر محمد اقبال	خیر محمد ندوی	جون ۱۹۷۷ء
علامہ ڈاکٹر محمد اقبال	غوث بخش صابر	جولائی ۱۹۷۷ء
قوم ءِ دردخود......اقبال	عبدالغنی گرانی	اکتوبر ۱۹۷۷ء
اقبال یک شاعرہ- یک راہ در برے	محمد حیات	جنوری ۱۹۷۷ء
اقبالیات	منیر بزدار	جنوری ۱۹۷۷ء
منیرہ فکر اقبال	حاجی عبدالقیوم	فروری ۱۹۷۷ء
دعا (اقبال لچھہ بلوچی بدل)	ال جوہر	فروری ۱۹۷۷ء
اقبال ءِ مرت و مار	الفت نسیم	مارچ ۱۹۷۷ء
علامہ اقبال (براہوئی)	ظفر مرزا	مارچ ۱۹۷۷ء

وطن دوست این شاعر-علامہ اقبال	تنگولہڑی	اپریل ۱۹۷۷ء
ڈاکٹر محمد اقبال	احمد شاہ مری	مئی ۱۹۷۷ء
شغرب شاعر-علامہ اقبال	مولوی خیر محمد	جون ۱۹۷۷ء
علامہ ڈاکٹر محمد اقبال	غوث بخش صابر	جولائی ۱۹۷۷ء
اقبال ءکلام ءبدل	عطا شاد	اگست ۱۹۷۷ء
اقبال و بلوچستان	عبدالخالق بلوچ	ستمبر ۱۹۷۷ء
اقبال وحب رسولؐ	عبدالرحمٰن غور	نومبر، دسمبر ۱۹۷۷ء
اقبال کلہہ	اسحاق شمیم	نومبر، دسمبر ۱۹۷۷ء
اقبال خودی	حبیب اللہ رند	نومبر، دسمبر ۱۹۷۷ء
کلام اقبال	عطا شاد	نومبر، دسمبر ۱۹۷۷ء
ڈاکٹر محمد اقبال	ظہور بلوچ	اپریل ۱۹۷۸ء
اقبال و قومیت	ظہور احمد	نومبر، دسمبر ۱۹۷۸ء
اقبال وخودی	غنی پرویز	مارچ، اپریل ۱۹۷۹ء
اقبال وخودی (دومی بہر)	غنی پرویز	مئی ۱۹۷۹ء
کلام اقبال	عبدالرحیم صابر	ستمبر ۱۹۸۰ء
علامہ اقبال	میر مٹھا خان مری	نومبر، دسمبر ۱۹۸۰ء
علامہ اقبال	فاطمہ مینگل	نومبر، دسمبر ۱۹۸۰ء
علامہ اقبال	عطا شاد	اکتوبر ۱۹۸۱ء
اقبال واسلام	غوث بخش صابر	نومبر، دسمبر ۱۹۸۱ء
کلام اقبال	قاضی عبدالرحیم صابر	نومبر، دسمبر ۱۹۸۱ء
اقبال و بلوچستان	عطا شاد	نومبر، دسمبر ۱۹۸۲ء
اقبال دپسندیں شاعر	میر مٹھا خان مری	نومبر، دسمبر ۱۹۸۲ء
اقبال یک شاعرے یک راہ دربرے	غوث بخش صابر	اپریل، مئی ۱۹۸۳ء
علامہ اقبال و بلوچی لوز زنگ	پروفیسر نادر قمبرانی	نومبر، دسمبر ۱۹۸۳ء
اقبالیات (زخم وکمان ءجاڑہ)	عبدالقادر اسیر	نومبر، دسمبر ۱۹۸۳ء

اقبال وحب رسول	عبدالرحمٰن غور	نومبر، دسمبر ۱۹۸۴ء
کلام اقبال	ملک محمد رمضان	نومبر، دسمبر ۱۹۸۴ء
اقبال ءِ کلام ءِ مست و بدل	پروفیسر نادر قمبرانی	اپریل ۱۹۸۵ء
علامہ اقبال ءِ گپت	مٹھا خان مری	نومبر، دسمبر ۱۹۸۶ء
رانی یوسف عزیز شاعری انز قومی سر شاعر-اقبال	لعل جان لعل	اپریل ۱۹۸۷ء
اقبال قومی شاعر	لعل جان لعل	نومبر، دسمبر ۱۹۹۰ء

براہوئی

بانگ درا	ظفر مرزا	اپریل ۱۹۶۷ء
غزل اقبال	ظفر مرزا	اپریل ۱۹۶۸ء
اقبال نا پاکستان	حافظ محمد شفیع	اپریل ۱۹۶۸ء
اقبال نا خودی نا فلسفہ	ظفر مرزا	اپریل ۱۹۶۹ء
پاکستان اقبال نا نظرٹی	محمد انور بیگ	اپریل ۱۹۶۹ء
اقبال و درناک	ظفر مرزا	اپریل ۱۹۷۰ء
اقبال نا فلسفہ	موسیٰ خان سمالانی	اپریل ۱۹۷۱ء
اقبال او فکر	اختر ندیم	اپریل ۱۹۷۱ء
اقبال نا ترانہ	پیر محمد زبیرانی	اپریل ۱۹۷۳ء
اقبالیات	نادر قمبرانی	اپریل ۱۹۷۵ء
اقبال نا قومی شاعر	غلام سرور ایم اے ایل ایل بی	جنوری ۱۹۷۷ء
اقبال نا عظیم کارنامہ	عبدالمجید مینگل	فروری ۱۹۷۷ء
اقبال نا زند	اسمائیل سمالانی	اپریل ۱۹۷۷ء
اقبال نا زند	محمد اسمائیل سمالانی	مئی ۱۹۷۷ء
اقبال نا تصور ملت	مولوی محمد طاہر	جولائی ۱۹۷۷ء
اقبال نا خیال و پاکستان	محمد عثمان	نومبر، دسمبر ۱۹۷۷ء

اقبال وخودی	میر محمد الفت	اپریل ۱۹۷۸ء
اقبال اسٹی ناسر بز	نصیر حسین	مئی ۱۹۸۴ء
اقبال کلام مٹ و بدل	پروفیسر نادر قمبرانی	اپریل ۱۹۸۵ء
علامہ اقبال	تاجل رئیسانی	اپریل ۱۹۸۷ء
پاکستان او اک گندوک		
نااقبال	عبدالحیات منصور براہوئی	اگست ۱۹۸۷ء
علامہ اقبال و مسلم ملت	پروفیسر عبدالرزاق صابر	دسمبر ۱۹۸۷ء

کتابیات

۱- آغا صادق، بردوش ہوا، لاہور، ۱۹۶۲ء۔
زخمہ و ساز، کوئٹہ، ۱۹۶۸ء۔
رنگ وبو، ملتان، ۱۹۶۹ء۔
مغز ومزہ، کوئٹہ، ۱۹۶۹ء۔
چشمہ کوثر، ملتان، ۱۳۹۳ھ۔
شاخ طوبیٰ، کوئٹہ۔
آہنگ شیراز، ملتان، ۱۹۷۲ء۔
نکاتِ فن (جوہر عروض، جائزہ، راگ رنگ) کراچی، ۱۹۸۹ء۔
۲- احمد منزوی، انعام الحق کوثر، ڈاکٹر، فہرست مشترک۔ نسخہ ھای خطی فارسی پاکستان۔ جلد اوّل، لاہور، ۱۹۸۳ء۔ جلد دوم، لاہور، ۱۹۸۴ء۔ جلد سوم، لاہور، ۱۹۸۴ء۔
۳- اعجاز احمد، مظلوم اقبال، کراچی، ۱۹۸۵ء۔
۴- افضل حق قرشی، قاضی، نادراتِ اقبال۔
صحیفہ، اقبال نمبر، حصہ اوّل، لاہور، اکتوبر ۱۹۷۳ء۔
۵- الگونڈر میج، دی فرنٹیر پیپلز آف انڈیا، لندن، ۱۹۳۱ء۔
۶- امان اللہ، خواجہ عبدالحمید عرفانی بحیثیت اقبال شناس (قلمی) اسلام آباد، ۱۹۹۵ء۔
۷- انعام الحق کوثر، ڈاکٹر، بلوچستان میں اُردو، لاہور، ۱۹۶۸ء، چوتھی، ۱۹۸۶ء، ۱۹۹۴ء۔
جوئے کوثر، لاہور، ۱۹۷۶ء۔
مکاتیب یوسف عزیز مگسی، لاہور، ۱۹۷۸ء۔
مردِ حر، لاہور، ۱۹۷۸ء۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک بلوچستان میں، لاہور، ۱۹۸۳ء۔
علامہ اقبال اور بلوچستان، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء۔

اقبالیات کے چند خوشے ،کوئٹہ،۱۹۸۸ء،اشاعت دوم،لاہور،۱۹۹۶ء۔
اقبال شناسی اور بلوچستان کے کالج میگزین،حصہ اوّل،حصہ دوم،لاہور،۱۹۸۹ء۔
اقبال شناسی اور بلوچستان کے کالج میگزین،حصہ اوّل،حصہ دوم،اشاعت دوم،لاہور،۱۹۹۴ء۔
اقبال شناسی اور ادبائے بلوچستان کی تخلیقات،جلد اوّل،لاہور،۱۹۹۰ء۔
اقبال شناسی اور ادبائے بلوچستان کی تخلیقات،جلد دوم،لاہور،۱۹۹۲ء۔
نیکی کی کلیاں (1 تاVI) اشاعت سوم،اسلام آباد،۱۹۹۳ء۔
مطالعہ اقبال بلوچستان میں،کوئٹہ،۲۰۰۲ء۔
بلوچستان میں تذکرہ اقبال،کوئٹہ،۲۰۰۵ء۔

۸- انور رومان،پروفیسر،"بلوچستان کا ایک شاعر"،الحمرا،لاہور،جنوری ۱۹۹۵ء۔
"پاکستانی ادب"،مخزن،لاہور،جولائی اگست،۱۹۴۹ء۔
آئینہ بلوچ،ملتان،۱۹۶۴ء۔
اقبال اور مغربی استعمار،لاہور،۱۹۸۹ء۔
بلوچستان ڈسٹرکٹ گزٹیئر،جلد ہفتم،بمبئی،۱۹۰۷ء۔
تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند،چودھویں جلد (جلد دوم)،لاہور،۱۹۷۱ء۔
تذکرہ مسلم شعرائے بہار،(جلد دوم)،کراچی،۱۹۶۷ء۔

۹- جاوید اقبال،زندہ رود،جلد سوم،لاہور،۱۹۸۴ء۔

۱۰- حامد علی بیگ،بلوچستان،کوئٹہ،۱۹۷۰ء۔

۱۱- دین محمد،یادگار تاجپوشی قلات،لاہور،۱۹۳۲ء۔

۱۲- رفیع الدین ہاشمی،ڈاکٹر،۱۹۸۶ء کا اقبالیاتی ادب،ایک جائزہ،لاہور،۱۹۸۸ء۔

۱۳- رشید احمد،پروفیسر،مسلمانوں کے سیاسی افکار،لاہور،۱۹۶۰ء۔

۱۴- سعید احمد رفیق،پروفیسر،اقبال کا نظریہ اخلاق،لاہور،۱۹۶۰ء۔

۱۵- سلیمان ندوی،سید،سیر افغانستان،حیدرآباد،دکن

۱۶- شاہد اقبال کامران،اقبال درسیات پاکستان میں،تحقیقی مطالعہ،(قلمی) اسلام آباد،۱۹۹۰ء۔
اقبالیات درسی کتب،اسلام آباد،۱۹۳۱ء۔

۱۷- ش ضحیٰ،"نیاز احمد،نئی آوازیں"،ماہ نو،کراچی،۱۹۵۳ء۔
کوئٹہ میں کہی گئی نظموں کا مجموعہ،کراچی،۱۹۶۷ء

۱۸- شہناز بانو،آغا صادق،کراچی،احوال و آثار،تحقیقی و تنقیدی مقالہ (قلمی) لاہور،۱۹۸۷ء۔

۱۹- صالح محمد لہڑی،بلوچستان،کوئٹہ،۱۹۵۵ء۔

۲۰- عبدالحمید عرفانی، خواجہ، اقبال ایرانیوں کی نظر میں، کراچی، ۱۹۵۷ء۔
روبی عصر یا شرح احوال و آثار اقبال
ایران صغیر یا تاریخ الشعرائے پارسی گوی کشمیر
فارسی امروز
حدیث عشق و رباعیات عرفانی
پیر مغاں، کوئٹہ ۱۹۸۴ء۔
۲۱- عبدالرحمٰن بروہی، ڈاکٹر، بروہی زبان و ادب کی تاریخ، لاہور، ۱۹۸۲ء۔
۲۲- عطاء اللہ شیخ، پروفیسر، اقبال نامہ، حصہ اوّل، لاہور۔
۲۳- عنقا، محمد حسین، رحیل کوہ، کراچی، ۱۹۳۴ء۔
۲۴- غلام قاسم مجاہد، بلوچی ادب پر اقبال کے اثرات (مقالہ ایم فل اقبالیات) ڈیرہ غازی خان، ۱۹۹۰ء۔
۲۵- قیصر الہ آبادی، مکران میں اُردو، کراچی۔
۲۶- کامل القادری، عبدالرحمٰن براہوئی، جامع فہرست مطبوعات پاکستان، بلوچی، براہوئی مع تعارف مصنّفین، لاہور، ۱۹۷۳ء۔
۲۷- کمال الدین احمد، صحافت وادی بولان میں، کوئٹہ، ۱۹۷۸ء۔
۲۸- محشر رسول نگری، مثنوی صحیفہ فطرت، حصہ اوّل، کوئٹہ، ۱۹۵۷ء۔ شمشاد خراسان، کوئٹہ، ۱۹۷۸ء۔
۲۹- محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال (اُردو)، لاہور، ۱۹۷۷ء۔ کلیات اقبال (فارسی)، لاہور، ۱۹۷۸ء
۳۰- محمد حمزہ فاروقی، حیات اقبال کے چند مخفی گوشے، لاہور، ۱۹۸۸ء۔ محمد سردار خان بلوچ، دی گریٹ بلوچ، کوئٹہ، ۱۹۶۷ء۔
۳۱- محمد عبداللہ قریشی، روح مکاتیب اقبال، لاہور ۱۹۷۷ء۔
۳۲- محمد عثمان حسن، بلوچستان (ماضی، حال، مستقبل)، کراچی، ۱۹۷۶ء۔
۳۳- میر گل خان نصیر، بلوچستان، قدیم اور جدید تاریخ کی روشنی میں، کوئٹہ، ۱۹۸۲ء۔
۳۴- نور احمد خان فریدی، بلوچ قوم اور اس کی تاریخ، ملتان، ۱۹۶۸ء۔
۳۵- نوید حسن، ڈاکٹر، اقبال شناسی اور آغا صادق، لاہور ۱۹۹۵ء۔
۳۶- نور محمد ہمدم، آداب سفر، ۱۹۸۸ء۔
۳۷- واحد، گلزار، افضل، وادی بولان میں، کوئٹہ، ۱۹۵۵ء۔
۳۸- اتحاد، کوئٹہ، ۲۸ر ستمبر ۱۹۵۶ء۔
۳۹- احسان (اقبال نمبر)، لاہور، ۳۰ر مئی ۱۹۳۸ء۔
۴۰- ادبی دنیا، لاہور، فروری، مارچ ۱۹۶۷ء۔
۴۱- الاسلام، کوئٹہ، ۹ر جولائی ۱۹۴۳ء۔

الاسلام، کوئٹہ، ۱۳ر جولائی ۱۹۴۳ء۔
۴۲- احوال، خضدار، دسمبر ۱۹۷۷ء۔
۴۳- الفاروق، کوئٹہ، ۲۶ر فروری ۱۹۴۱ء۔
۴۴- اولس، کوئٹہ، نومبر دسمبر ۱۹۸۳ء۔
۴۵- ایلم، مستونگ، ۱۷/ اگست ۱۹۶۶ء۔
۴۶- بلوچستان ٹائمز، کوئٹہ، ۲۱ر نومبر ۱۹۷۷ء، ۲۵ر اپریل ۱۹۸۱ء۔
۴۷- بلوچستان جدید، کراچی، یکم مارچ ۱۹۳۴ء۔
۴۸- بولان، کوئٹہ، ۱۹۴۹ء۔
بولان، کوئٹہ، ۱۹۵۵ء۔
۴۹- پاسبان، کوئٹہ، ۱۵ر جون ۱۹۳۹ء سے ۱۲/ اکتوبر ۱۹۴۵ء تک کے متعلقہ شمارے۔
۵۰- پکار، کوئٹہ، ۲۶/ اکتوبر ۱۹۷۱ء۔
۵۱- تعمیر، کوئٹہ، نومبر ۱۹۸۴ء۔
۵۲- تعمیر بلوچستان، مستونگ، ۱۵/ اکتوبر ۱۹۷۱ء۔
۵۳- تنظیم، کوئٹہ، ۲۳ر دسمبر ۱۹۴۹ء۔
۵۴- جنگ، کوئٹہ، ۲۱/ اپریل ۱۹۷۲ء، ۲۵/ اپریل ۱۹۸۱ء، ۱۳ر جولائی ۱۹۸۵ء۔
۵۵- فیسار، نوشکی، ۱۹۸۴ء۔
۵۶- دی کوئٹہ ٹائمز، کوئٹہ ۲۵/ اپریل ۱۹۷۰ء۔
۵۷- زمیندار، لاہور، ۲۲/ اپریل ۱۹۳۴ء۔
۵۸- زمانہ، کوئٹہ، ۲۲/ اپریل ۱۹۶۴ء۔
۵۹- ساربان، مستونگ، ۲۲/ اپریل ۱۹۷۱ء۔
۶۰- قاصد، کوئٹہ ۲۳/ اپریل ۱۹۵۹ء۔
۶۱- قومی زبان، کراچی، ۱۴ر نومبر ۱۹۵۱ء۔
۶۲- ماہ نو (قائداعظم نمبر)، اسلام آباد، نومبر دسمبر، ۱۹۷۶ء۔
۶۳- مشرق، لاہور، ۲۲/ مارچ ۱۹۷۰ء۔
۶۴- مشرق، کوئٹہ، ۲۰ر نومبر ۱۹۷۷ء، ۱۱ر نومبر ۱۹۸۲ء۔
۱۴ر نومبر ۱۹۸۲ء، ۱۹/ مارچ ۱۹۸۳ء، ۲۳/ اپریل ۱۹۸۳ء۔
۶۵- معلم (آغا صادق نمبر)، کوئٹہ، اگست ۱۹۵۳ء۔
۶۶- میزان، کوئٹہ، ۲۷/ اکتوبر ۱۹۶۶ء۔
۶۷- ندائے ملت، لاہور، ۲۰ر نومبر ۱۹۶۹ء۔

۶۸- نصرت (عزیز بگسی نمبر)، کراچی، ۵/جون ۱۹۵۷ء۔
۶۹- نعرہ حق، کوئٹہ، ۳۱/مارچ ۱۹۶۱ء۔ ۲۳ نومبر ۱۹۶۹ء۔
۷۰- نظام، کراچی، ۲۰ مارچ ۱۹۴۷ء۔
۷۱- نو کیں دور، کوئٹہ، ۲۴/اپریل ۱۹۷۰ء۔
۷۲- ینگ بلوچستان، کراچی، ۲۰/اکتوبر ۱۹۳۴ء۔

ضمیمہ

علامہ اقبال کے بھتیجے شیخ اعجاز احمد نے اپنی کتاب[1] میں لکھا ہے:

چچا جان کے ایک دیرینہ دوست اور مداح خان صاحب میر[2] منشی سراج الدین نے ایک مرتبہ ابا جان سے کہا کہ آپ کے اور علامہ کے باہمی تعلقات میں بھائیوں کی محبت سے زیادہ آپ کی طرف سے باپ کی شفقت اور ان کی طرف سے بیٹے کی سعادت کی جھلک نظر آتی ہے۔ ابا جان نے منشی صاحب سے اس کی دو وجوہات بیان کیں۔ فرمایا کہ ان کی پیدائش کے بعد ۱۸ سال تک ان کے والدین کے ہاں کوئی لڑکا پیدا نہ ہوا سوائے ایک کے جو شیر خواری کے ایام میں ہی فوت ہوگیا۔ لڑکپن میں ایک چھوٹے بھائی کی کمی کو وہ شدت سے محسوس کرتے تھے لہٰذا جب اقبال پیدا ہوا تو انھیں اس "سرخ و سفید گول مٹول" بچے سے بڑی محبت ہوگئی۔ دوسرے خود ان کے ہاں ۱۸۹۹ء تک کوئی اولادِ نرینہ نہ ہوئی سوائے ایک لڑکے کے جو جلد فوت ہوگیا۔ ایک لمبے عرصے تک اولادِ نرینہ سے محروم رہنے کی وجہ سے انھوں نے چھوٹے بھائی کو ہی بیٹا سمجھ لیا۔ وجوہات کچھ بھی ہوں دونوں بھائیوں کی محبت مثالی تھی چچا جان نے اپنی دو نظموں میں اس محبت کا ذکر فرمایا ہے۔

تعلیم کے لیے انگلستان جاتے ہوئے دہلی میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے مزار پر ایک نظم پڑھی جو "التجائے مسافر" کے عنوان سے شائع ہو چکی ہے۔ اس میں بڑے بھائی کے متعلق کہا:

وہ میرا یوسفِ ثانی وہ شمعِ محفلِ عشق
ہوئی ہے جس کی محبت قرارِ جاں مجھ کو
جلا کے جس کی محبت نے دفترِ من و تو
ہوائے عیش میں پالا کیا جواں مجھ کو
وہ میرا یار بھی، محبوب بھی، برادر بھی
کہ جس کے عشق سے جنت ہے یہ جہاں مجھ کو

ریاض دہر میں مانند گل رہے خنداں
کہ ہے عزیز تر از جاں وہ جان جاں مجھ کو

پھر اپنی والدہ کی وفات پر اپنی مشہور نظم ''والدہ مرحومہ کی یاد میں'' بڑے بھائی کا ذکر ان اشعار میں کیا ہے۔

وہ جواں قامت میں ہے جو صورت سرو بلند
تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مند
کاروبار زندگانی میں وہ ہم پہلو میرا
وہ محبت میں تری تصویر وہ بازو میرا
تجھ کو مثل طفلک بے دست و پا روتا ہے وہ
صبر سے نا آشنا صبح و مسا روتا ہے وہ
تخم جس کا تو ہماری کشت جاں میں بو گئی
شرکت غم سے وہ الفت اور محکم ہو گئی

ابا جان بڑی بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ ملازمت کے دوران اپنے محکمہ میں اور بعد ملازمت اپنے گھر اور اپنے محلّہ میں ان کا بڑا دبدبہ تھا۔ طبیعت کے لحاظ سے پنبہ کی طرح ''بظاہر ملائم'' نہ تھے بلکہ اس کے برعکس ''سنگین تر از محکم حصارے'' معلوم ہوتے تھے۔ لیکن یہ ایک ظاہری خول تھا۔ اندر سے دل کے صاف اور ''چوں جوئے در کنار کوہسارے'' کے مصداق تھے۔ جلدی غصے میں آجاتے لیکن جتنی جلدی غصہ چڑھتا اتنی ہی جلدی اتر جاتا اور پھر تلافی مافات کے طور پر جس پر غصہ کیا تھا اس کی دل جوئی کے لیے بہانے تلاش کرتے۔ اگر کبھی ان سے کسی سے زیادتی ہو جاتی تو انھیں اسے تسلیم کرنے اور معذرت کرنے میں کبھی تامل نہ ہوتا۔ ضرورت سے زیادہ فیاض طبیعت پائی تھی۔ وہ چچا جان کے اس شعر پر عامل معلوم ہوتے تھے۔

مصاف زندگی میں سیرت فولاد پیدا کر
شبستان محبت میں حریر و پرنیاں ہو جا

مصاف زندگی میں ان کی فولادی سیرت نے ایک مرتبہ انھیں مشکل میں بھی ڈالا جس کا ذکر آگے آئے گا اور شبستان محبت میں حریر و پرنیاں ہونے کا ثبوت ان کا بھائی، بہنیں اور ان کی اپنی اولاد دے سکتی ہے، جن سب کو انھوں نے ہوائے ''عیش میں پالا'' اور ستائش کی تمنا اور صلے کی پروا کیے بغیر ان کے سب فرائض ادا کیے۔ ابا جان گھر میں تو بہت لیے دیے رہتے تھے لیکن اپنے

احباب کی مجلس میں ان کی ظرافت اور بذلہ سنجی ضرب المثل تھی۔ وہ مردم شناس نہ تھے ورنہ زندگی بھر ایسے عزیزوں کی پر زور حمایت نہ کرتے جنھوں نے ان کی وفات کے بعد ''اپنا صحیح مقام حاصل کرنے'' کی کوشش لاحاصل میں مظلومیت کا لبادہ اوڑھنے کے لیے ان پر کیچڑ اچھالا۔

اپنی ملازمت کے دوران ابا جان کو فوجداری مقدمہ کی صورت میں ایک ابتلا سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ چچا جان کے متعلق دو ایک تذکرہ میں اس واقعہ کا ذکر اجمالی طور پر اور بڑے مبہم پیرائے میں کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک تذکرے میں لکھا ہے کہ ''آخر بڑی جدوجہد اور لارڈ کرزن سے اقبال کی ذاتی اپیل کے بعد یہ قضیہ ختم ہوا۔'' ان الفاظ سے پڑھنے والے کے ذہن میں یہ تاثر پیدا ہوسکتا ہے کہ مقدمہ میں جو الزام تھا وہ تو درست تھا لیکن لارڈ کرزن نے چچا جان کی ذاتی اپیل پر اس قضیہ کو ختم کرادیا۔ یہ نہ صرف واقعہ کے خلاف ہے بلکہ ایسا تاثر علامہ کے بڑے بھائی اور خود علامہ کے ساتھ بڑی بے انصافی ہے۔ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً اس واقعہ کا ذکر کردیا جائے۔ چچا جان کے اپنے دوستوں کے نام دو ایک[۳] خطوط اور ابا جان کی سروس بک سے ظاہر ہے کہ یہ شاخسانہ ان کے ایک ہندو ہم عصر اور ایک انگریز افسر کی ملی بھگت سے کھڑا کیا گیا۔ ہوا یہ کہ نومبر ۱۹۰۲ء میں ملٹری ورکس کے محکمہ نے اوّل الذکر ہندو ہم عصر کو جو ابا جان سے سینئر تھا نظر انداز کرتے ہوئے ابا جان کو سب ڈویژنل افسر مقرر کردیا۔ یہ ترقی جس سے ابا جان کی تنخواہ ایک دم دگنی ہوگئی۔ اس ہندو سب اوورسیر کو قدرتاً ناگوار ہوئی۔ ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ ابا جان کو اسی حلقہ میں سب ڈویژنل افسر مقرر کیا گیا جس میں یہ ہندو سب اوورسیر تعینات تھا اس حلقہ کا بڑا انجینئر جو ایک درشت کلام انگریزی میجر تھا اس سب اوورسیر کی جیب میں تھا۔ انھیں چارج لیے کوئی دو ماہ ہوئے تھے کہ میجر نے ابا جان سے بدکلامی[۴] کی اور انھوں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ ان دنوں ایک ''نیٹو'' ماتحت کے اپنے انگریز فوجی افسر سے ایسی گستاخی کرنے کی سزا اگر ملازمت سے برطرفی نہیں تو کم از کم تنزلی ضرور تھی لیکن زخم خوردہ ہندو سب اوورسیر نے برہم میجر کو پٹی پڑھا کر سٹور سے جس کا انچارج دو ماہ پہلے وہ خود تھا سرکاری سامان خورد برد ہونے کا مقدمہ کھڑا کردیا۔ چونکہ اندیشہ تھا کہ ہندو سب اوورسیر اور انگریز میجر گواہوں اور عدالت کو متاثر کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس لیے ابا جان کی طرف سے کوشش کی گئی کہ یا تو مقدمہ کسی دوسرے ضلع کی عدالت میں منتقل ہوجائے یا ان کے مخالف سب اوورسیر اور میجر کا تبادلہ کردیا جائے مگر بقول[۵] چچا جان ''بلوچستان ایجنسی والے تو ہمارے ساتھ ناانصافی کرنے پر آمادہ تھے'' اس لیے وہ ان دو باتوں میں سے کوئی بات ماننے پر تیار نہ ہوئے۔ مجبور ہوکر چچا جان نے لارڈ

کرزن کو ایک ذاتی خط میں حالات سے مطلع کیا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب چچا جان کالج میں اسسٹنٹ پروفیسر تھے۔ سرکاری حلقوں میں نہ تو ان کی رسائی تھی نہ کوئی اثر و رسوخ تھا۔ لارڈز کرزن کے علاوہ چچا جان نے ایک اس سے بڑی بلکہ سب سے بڑی سرکار میں بھی فریاد کی۔ یہ فریاد ایک نظم کی صورت میں تھی جس میں اپنے اضطراب کی کیفیت بیان کر کے اللہ تعالیٰ سے اس ابتلا سے رہائی کی دعا کی گئی تھی۔ وہ نظم خواجہ حسن نظامی کی وساطت سے حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے مزار پر پڑھی گئی۔ ستمبر ۱۹۰۳ء کے مخزن میں یہ نظم ''برگ گل'' کے عنوان سے شائع ہوئی۔ بانگ درا میں تو یہ نظم شامل نہیں لیکن سرود رفتہ اور باقیات اقبال میں شامل ہے۔ نظم طویل ہے۔ چچا جان کی اضطرابی کیفیت کے اظہار کے لیے اس کے کچھ اشعار درج کیے جاتے ہیں:

سہمی پھرتی ہے شفا مرے دل بیمار سے
اے مسیحا دم بچالے مجھ کو اس آزار سے
اے ضیائے چشم عرفاں اے چراغ راہ عشق
تنگ آیا ہوں جفائے چرخ ناہنجار سے
ہند[6] کا داتا ہے تو تیرا بڑا دربار ہے
کچھ ملے مجھ کو بھی اس دربار گوہر بار سے
تاک میں بیٹھی ہے بجلی میرے حاصل کے لیے
پیر ہے باد بہاری کو میرے گلزار سے
کیا[7] کروں اوروں کا شکوہ اے امیر ملک فقر
دشمنی میں بڑھ گئے اہل وطن اغیار سے
گھات میں صیاد مائل آشیاں سوزی پہ برق
باغ بھی بگڑا ہوا ہے عندلیب زار سے
سخت ہے مری مصیبت سخت گھبرایا ہوں میں
بن کے فریادی تری سرکار میں آیا ہوں میں
تو ہے محبوب الٰہی کر دعا میرے لیے
یہ مصیبت ہے مثال فتنہ محشر مجھے

ہو اگر یوسف مرا زحمت کش چاہ الم
چین آئے مصر آزادی میں پھر کیونکر مجھے
اس بڑی سرکارؐ کے قابل مری فریاد ہے
چل حضوری میں شہ یثربؐ کی تو لے کر مجھے
میرا کیا منہ ہے کہ اس سرکار میں جاؤں مگر
تیرے جیسا مل گیا تقدیر سے رہبر مجھے
واسطہ دوں گا اگر لخت دل زہرا کا میں
غم میں کیونکر چھوڑ دیں گے شافع محشرؐ مجھے
رونے والا ہوں شہید کربلا کے غم میں میں
کیا در مقصد نہ دیں گے ساقی کوثر مجھے
آہ تیرے سامنے آنے کے ناقابل ہوں میں
منہ چھپا کر مانگتا ہوں تجھ سے وہ سائل ہوں میں
محو اظہار تمنائے دل ناکام ہوں
لاج رکھ لینا کہ میں[۸] اقبال کا ہم نام ہوں

ایسی مضطربانہ دعا بھلا کیسے قبول نہ ہوتی۔ یہ دعا یقیناً قبول ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کے تصرف کے ماتحت لارڈ کرزن نے انگریزی انصاف کی ساکھ رکھنے کے لیے اپنے طور پر واقعات کی تحقیق کرائی ہوگی اور اطمینان ہو جانے پر کہ مقدمہ بربنائے عداوت ہے نہ صرف اس میجر اور ہندو سب اوورسیر کو فوری تبدیل کرنے کا حکم صادر کیا بلکہ پولیٹکل ایجنٹ کو بھی تبدیل کر دیا۔ اس کے بعد مقدمہ میں کیا رکھا تھا۔ ابا جان باعزت ہو گئے۔ ان کی سروس بک جو میرے پاس موجود ہے میں بریت کے متعلق یہ اندراج ہے:

Atta Muhammad has been found not guilty. He should receive pay as if released free of suspicion.

(عطا محمد کے خلاف عائد کردہ الزام ثابت نہیں۔ چونکہ اس کے بے قصور ہونے میں شبہ تک نہیں لہٰذا اسے پوری تنخواہ ملنی چاہیے)

یہاں یہ ذکر بھی کر دیا جائے کہ اس مقدمہ کے سلسلے میں چچا جان نے اپنی ''زمین جنبد نہ جنبد گل محمد'' والی عادت کے باوجود لاہور سے فورٹ سنڈیمن (بلوچستان) تک کا دشوار گزار سفر اختیار

کیا۔ جس کے متعلق سید محمد تقی کے نام اپنے خط میں[9] لکھتے ہیں:

آج مقام......کوٹ میں پہنچے۔ گھوڑے کا سفر اور گھوڑے سے اکتائے تو اونٹ کا سفر۔ خدا کی پناہ۔ پہلے روز ۱۰۳۷ میل سفر گھوڑے پر کیا۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ مجھے کس قدر تکلیف ہوئی ہوگی۔ لیکن جو تکلیف محبت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو وہ لذیذ ہو جاتی ہے۔ فورٹ سنڈیمن ابھی یہاں سے ۵۰ میل کے فاصلے پر ہے۔ پرسوں پہنچیں گے بشرطیکہ کوئی بارش نہ ہوئی۔

❁......❁......❁

حوالہ جات

۱- اعجاز احمد، مظلوم اقبال، کراچی، ۱۹۸۵ء، ص ۵۰-۵۶۔

۲- خان صاحب سراج الدین ریاست کشمیر کے انگریز ریزیڈنٹ کے میر منشی تھے۔ موسم سرما میں ریزیڈنٹ کا دفتر سری نگر سے سیالکوٹ میں منتقل ہو جاتا تھا۔ اس لیے سردیوں میں خان صاحب کا قیام سیالکوٹ شہر میں رہتا تھا۔ علامہ اقبال سے ان کے دیرینہ تعلقات تھے۔ اقبال نامہ میں ان کے نام علامہ کے چار خط شائع ہوئے ہیں۔

۳- اقبال نامہ، حصہ اول، صفحات ۵-۶، حصہ دوم، صفحات ۲۹۸-۲۹۹

۴- اعجاز احمد نے لکھا ہے۔ "ہمارے بڑے پھوپھا کرم الٰہی کوئٹہ میں کاروبار کرتے تھے۔ انھوں نے اس مقدمہ میں بڑی دوڑ دھوپ کی۔ مجھے واقعہ کی تفاصیل انھی سے معلوم ہوئیں۔ انھوں نے بتلایا کہ میجر نے اباجان کو Bloody Indian کہا اور انھوں نے جواب Bloody Tommy کہا۔ کیوں کہ یہ میجر ٹامیوں کی طرح بدزبان تھا۔ پھوپا جی گوراشاہی انگریزی جانتے تھے۔ اس لیے فوجی گوروں کی طرح Bloody کو ہمیشہ بلیڈی کہتے ہیں۔ جس پر ہم لوگ انھیں صحیح تلفظ سکھانے کی لاحاصل کوشش کرتے۔"

۵- خط محررہ ۶/ اگست ۱۹۰۳ء بنام نواب صدر یار جنگ محمد حبیب الرحمٰن خان شروانی، اقبال نامہ، حصہ اوّل، ص ۶۔

۶- یہ شعر پتھر پر کندہ کرا کر مزار کے دروازہ پر اب بھی لگا ہوا ہے۔

۷- اس شعر میں اشارہ اس ہندو سب اوورسیر اور انگریز میجر کی طرف ہے۔

۸- حضرت محبوب الٰہی کے ایک چہیتے مرید کا نام بھی محمد اقبال تھا۔

۹- اقبال نامہ، حصہ دوم، ص ۲۹۸۔

۱۰- اعجاز احمد، مظلوم اقبال، کراچی، ۱۹۸۵ء، پاورقی، ص ۶۰-۶۱۔

❁......❁......❁